ہماری ویب ای بُک

روشن خٹک

ROSHAN KHATTAK

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Roshan Khattak"
at Hamariweb.com

پرائیوٹ تعلیمی اداروں کا لکھا پڑھا مزدور طبقہ

شاید بہت کم لوگوں کو اس بات کا علم یا احساس ہو گا کہ وطن عزیز میں ایک ایسا طبقہ بھی ہے جو اپنے ہاتھوں میں علم کی شمع لئے ہوئے لاکھوں پاکستانیوں کو منزل مقصود کی طرف رواں دواں رکھتے ہیں مگر خود ایک ایسی تاریک جگہ پر کھڑے ہیں جہاں وہ کسی کو نظر نہیں آتے خاص کر حکومت کی نظریں تو ان کی طرف اٹھتی ہی نہیں ہیں ۔وہ طبقہ نجی تعلیمی اداروں میں پڑھانے والے اساتذہ کرام ہیں۔ان کی حالت دیہاڑی دار مزدوروں سے کسی طور مختلف نہیں۔ مثلاً بیماری کی صورت میں یا کسی اور ایمر جنسی کی صورت میں اگر ان کو چھٹی کرنی پڑ جائے تو ان کی اس دن کی تنخواہ کاٹ لی جاتی ہے۔اگر خدا نخواستہ بیماری چند دنوں تک رہے تو پھر اسے ملازمت سے بر خواست کیا جاتا ہے اگر اسے امتحان یا کسی اور ضروری کام کے لئے ہفتہ یا اس سے زیادہ دن چھٹی کی ضرورت پڑ جائے تو پھر بھی اسے ایک لیٹر ہاتھ میں تھما دیا جاتا ہے جس میں لکھا ہوتا ہے کہ ۔۔ ادارے کو آپ کی خدمات کی مزید ضرورت نہیں ، ،الغرض اگر وہ دیہاڑی کرلے، مزدوری کرلے تو اجرت مل جائیگی ورنہ نہیں ملے گی۔عموماً چھٹیوں کے دوران بھی کسی نہ کسی بہانے ان کو سکول کالج میں بلا لیا جاتا ہے۔کام نہ بھی ہو تو ان کے لئے کام پیدا کر دیا جاتا ہے کیونکہ اس طرح تعلیمی اداروں کے

مالکان کو تسکین و قرار حاصل ہوتا ہے۔ گویا وہ قوم کے معمار نہیں، کسی عمارت کے معمار ہیں۔ لیکن ان تمام باتوں کے علاوہ جو بات سب سے زیادہ قابل افسوس ہے وہ یہ ہے کہ ان کو جو دیہاڑی یعنی تنخواہ ملتی ہے وہ روزانہ اجرت کی بنیاد پر کام کرنے والے مزدور سے بھی کم ملتی ہے۔ آج کل ایک مزدور کم از کم تین سو روپے ایک دن کی اجرت لیتا ہے اگر وہ تین چار چھٹیاں بھی کر لیتا ہے تو پھر بھی تقریباً آٹھ ہزار روپے ایک مہینے میں کما ہی لیتا ہے۔ مگر افسوس کہ ماسوائے چند ایک نجی تعلیمی اداروں کے زیادہ تر تعلیمی اداروں میں اس لکھے پڑھے مزدور طبقے کو ایک ماہ کی اوسط تنخواہ صرف پانچ ہزار روپے ملتی ہے۔، خواتین اساتذہ کی تنخواہیں تو اس سے بھی کم ہیں۔ مگر حکومت کو اس طبقے کا ذرہ بھر بھی خیال نہیں۔ ایک طرف حکومت ان لکھے پڑھے نوجوانوں کو روزگار دلانے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتی جبکہ دوسری طرف ان کو سرمایہ داروں کے استحصال سے بچانے کے لئے کوئی ضابطہ، قانون یا رولز ریگولیشن بنانے سے بھی قاصر ہے حکومت نے ان لکھے پڑھے نوجوانوں سے آنکھیں پھیر رکھی ہیں اور ان کو نجی تعلیمی اداروں کے مالکان کے رحم و کرم پر چھوڑ رکھا ہے۔ حالانکہ یہ وہ طبقہ ہے جس کی کارکردگی سرکاری تعلیمی اداروں میں پڑھانے والے اساتذہ کرام سے کئی گنا بہتر ہے۔ ہر سال بورڈ کے امتحانات میں نجی تعلیمی اداروں کا نتیجہ سرکاری تعلیمی اداروں سے زیادہ بہتر ہوتا ہے جو مذکورہ لکھے پڑھے مزدور طبقے

کے محنت، مشقت اور بہتر صلاحیتوں کا واضح ثبوت ہے۔ بے شک وطن عزیز میں ایسے تعلیمی ادارے بھی موجود ہیں جو اپنے اساتذہ کرام کو معقول تنخواہیں اور سہولیات دیتے ہیں مگر ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ زیادہ تر تعلیمی اداروں کے مالکان ان لکھے پڑھے نوجوانوں کے استحصال کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

اندریں حالات یہ حکومت کا فرض بنتا ہے کہ وہ اس لکھے پڑھے مزدور طبقے کے حقوق کا تحفظ کرے۔ نجی تعلیمی اداروں کے لئے کوئی قانون، کوئی قاعدہ کوئی ضابطہ وضع کرے۔ کوئی موثر کنٹرول اتھارٹی قائم کرے۔ سرکاری اساتذہ کے لئے مقرر کردہ پے اسکیلز کے طرز پر ان کے لئے بھی پے اسکیلز بنائے جائیں۔ اگر وہ پڑھانے کا مقدس فریضہ بخوبی انجام دے رہے ہیں تو ان کے حقوق کا تعین بھی ضرور کیا جانا چاہیے۔ کیونکہ لاکھوں طلبا کو پڑھانے والے اساتذہ اگر فرسٹریشن، ذہنی دباؤ اور مالی کسمپرسی کا شکار رہینگے تو پوری قوم ترقی و خوشحالی کی منزل پر کبھی نہیں پہنچ سکے گی۔ بلاشک و شبہ اقوام و افراد کی ترقی کا انحصار علم و تعلیم پر ہے اور علم و تعلیم کا انحصار درسگاہوں میں پڑھانے والے اساتذہ کرام پر ہے۔ اگر حکومت یا معاشرہ ان کا خیال نہیں رکھے گی تو یقیناً قدرت بھی ان کا خیال کبھی نہیں رکھے گی۔۔۔

پاکستان ابھی تک کیوں قائم ہے؟

آ یئے آج اس بات کا تجزیہ کرتے ہیں کہ ہماری لاکھ سیاہ کاریوں کے باوجود یہ پیارا پا
کستان اب تک کیوں
قائم ہے؟ حالانکہ ہم نے اس کو برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ پورے ملک کا منظر عجیب سماں پیش کر رہا ہے۔ ملک مکمل طور پر امریکہ کے رحم و کرم پر نظر آتا ہے ۔ہم نے تاریخ کے صفحات پر ابھی تک یہ نہیں پڑھا کہ کسی ملک نے دوسرے ملک کو یہ کبھی اجازت دے رکھی ہو کہ وہ آ کر ان کے نہتے اور معصوم باشندوں پر بم برسا ئے، میزائل پھینکے اور بچوں، بوڑھوں اور خواتین کا ناحق خون بہائے مگر ایک ہما ری حکومت ہے جس نے امریکہ کو کھلی چھوٹ دے دی ہے کہ جب چاہیں، جس وقت چاہیں اور جتنا چاہیں۔ڈرون طیاروں کے ذریعے پاکستانی باشندوں کو موت کے گھا ٹ اتار دیں اور اب تو وہ اتنے دلیر ہو گئے کہ لاہور جیسے گنجان آباد شہر میں دن دیہا ڑے امریکی شہری پاکستانی شہریوں کو گولیوں سے بھون دیتے ہیں۔ گویا ہم نے خود ہی امریکہ کی غلامی کا طوق اپنے گردن میں ڈال دی ہے۔ ملک کے اندرونی حالات اس سے بھی زیادہ بدتر ہیں۔ حکمرانوں کے کرپشن کے قصے نہ صرف اندرون ملک زد زبان عام ہیں بلکہ پوری دنیا میں اس کے چرچے ہیں۔علاوہ ازیں بدامنی کی

مخدوش صورت حال، مہنگائی کا نہ رکنے والا طوفان اور غریبوں کی خودکشیاں الغرض کو
نسی خرابی ہے جو ہم میں نہیں ہے؟ ایسی کونسی خرابی ہے جو اس ملک کے باسیوں میں
موجود نہیں؟ مگر اس کے باوجود یہ ملک قائم ودائم ہے۔

آخر کیوں؟ حالانکہ بظاہر اس ملک کے قائم نہ رہنے کے تمام اسباب موجود ہیں۔ تر
یسٹھ سالوں سے ہر کوئی اس کو لوٹ رہا ہے۔ حکمرانوں نے تو ہر چیز سیل پر لگا رکھی ہی
ہے مثلاً پاکستان ریلوے سیل، واپڈا سیل، سٹیل مل سیل، کسٹم سیل اور پراپرٹی سیل و
غیرہ مگر سچی بات یہ ہے کہ عوام بھی اس جرم کبیرہ میں برابر کے شریک ہیں۔ وہ اس
طرح کہ جب وہ اپنے لئے گائے، بیل اور بھینس خریدتے ہیں تو ان کی نسل تک کو پر
کھتے ہیں مگ جب وہ ووٹ دیتے ہیں اور ملک و قوم کی عزت و ناموس اور قسمت و تقد
یر کی باگ ڈور جن لوگوں کو سونپتے ہیں تو پھر وہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ کس نسل سے
تعلق رکھتے ہیں ان کے آباؤاجداد نے پاکستان کی کونسی خدمت کی ہے؟

حکمرانوں اور عوام کی ان تمام ترخطاؤ ں اور غلطیوں کے باوجود اس ملک کا قائم رہنا
کسی معجزے سے کم نہیں۔ لیکن یہ معجزہ کیوں ہو رہا ہے اس پر اگر ہم غور کرلیں تو وجہ
سامنے آہی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ یہ ملک برصغیر کے مسلمانوں کے لئے اللہ تعالی کا انعام
ہے، ایک نعمت ہے دنیا میں کوئی

اور ایسا ملک نہیں جو مذہب اسلام کے نام پر وجود میں آیا ہو۔اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کو اپنے بندوں کی غلطیوں اورخطاؤں کی وجہ سے ان سے چھینتا نہیں ہے۔ہمارے لاکھ غلطیوں کے باوجود اللہ کی ذات ہم سے پانی کی نعمت نہیں چھینتا، ہوا کی نعمت نہیں چھینتا، ہمارے کھیتوں کو بنجر نہیں بناتا، بادل برسانا بند نہیں کرتا گویا اللہ تعالیٰ ہماری غلطیوں کی وجہ سے اپنی نعمتوں کے دروازے ہم پر بند نہیں کرتا۔ وہ اپنا عطا کیا ہوا انعام واپس نہیں لیتا۔ پس یہی وجہ ہے کہ ہمارا یہ پیارا پاکستان اب تک قائم ودائم ہے۔

البتہ ایک بات ضرور ہے کہ وہ ہمیں ہماری حد سے گزری خطاؤں پر وارننگ ضرور دیتا ہے۔جو کبھی زلزلہ کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی سیلاب کی صورت میں آتا ہے۔اس کی ذات ہمیں خبر کرتی رہی ہے کہ اے مسلمانوں ! سنبھل جاؤ ، میں نے تریسٹھ سالوں سے تمہیں ڈھیل دے رکھی ہے۔ تمھارے پاس ایک خوبصورت اور بھرپور وسائل کی زمین موجود ہے۔ تمھارے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ۔اعلیٰ فوج، قدرتی وسائل، دریا، نہریں، ہرے بھرے کھیت، معدنیات، تیل ،گیس، کوئلہ اور سب سے بڑھ کر سونا اگلنے والی زمین موجود ہے۔ اگر ہمت کرو تو تم کسی چیز کے محتاج نہیں ہو۔پس ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اللہ کی دی ہوئی اس نعمت کی قدر کریں ۔اس کو اپنے ہاتھوں سے برباد نہ کریں بلکہ اسے پھلے

چھونے کا عہد کریں۔۔۔۔۔۔۔

ایسی جمہوریت تو جمہوریت کی رسوائی ہے

بے شک فی زمانہ جمہوریت ایک بہترین طرز حکمرانی سمجھا جاتا ہے اور وطن عزیز میں بھی بظاہر جمہوریت ہی قائم ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ وہی جمہوریت ہے جس کی دنیا گن گاتی ہے؟اور ہمارے سیاسی قائدین،ارکان پارلیمنٹ،وزیراعظم اور صدر مملکت اٹھتے بیٹھتے جس جمہوری نظام کے قائم ہونے اور اس کے خاطر قربانیاں دینے کا ورد کرتے رہتے ہیں، کیا اسی کو جمہوریت کہتے ہیں؟ ذرا سوچئے ! جس نظام میں سرمایہ دار، جاگیر دار اور امراء کے چہروں پر رونق غریبوں اور مفلسوں کی خون کی سرخی اور حرارت سے حاصل ہو ان کے محلات اور غیر ملکی اکاؤنٹس غریبوں کے ہڈیوں سے کشید کی گئی ہوں۔ان کے رہائش کے نئے نئے انداز اور طرز بود و باش ملکی خزانے کے مرہون منت ہوں۔ان کے ٹھاٹ باٹ، گاڑیاں اور بنگلے غریبوں کے خون پسینے سے استوار ہوں ، غریب طبقہ ہی خون پسینہ ایک کرکے کارخانوں اور کھیتوں کی پیداوار کو یقینی بنائیں، لیکن اپنی تمام تر توانائیاں استعمال کرنے کے باوجود وہ زندگی کے آسائشوں سے محروم ہوں یہاں تک کہ ان کو زندگی کی بنیادی ضروریات بجلی، گیس ،پانی، تعلیم اور طبی سہولیات بھی حکومت مہیا نہ کرسکے،کیا اسی کا نام جمہوریت ہے ؟ جس نظام میں امرائ، وزراء

اور ایلیٹ طبقہ تو عیش و عشرت کی زندگی گزارے مگر غریب عوام کو دو وقت کی روٹی بھی نصیب نہ ہو، پارلیمنٹ جس کا بنیادی فرض قانون بنانا ہوتا ہے۔ وہ جب بھی قانو ن بنائے، دہرے معیار کا بنائے، عوام کے لئے کچھ اور خواص کے لئے الگ،ان کا بنا ہوا ہر قانون ان ہی کے مفاد کے تحفظ کے لئے ہی ہو۔ان کی تمام سرگرمیاں، ان کے شب وروز اپنے آپ کو، عزیزوں، رشتہ داروں اور دوستوں کو مالی فوائد پہنچانےاور تحفظ دلانے کے لئے وقف ہوں۔کیا اسی کو جمہوریت کے نام سے پکاریں گے ؟

اس وقت ہر شخص موجودہ حالات پر آنسو بہارہا ہے مگر مصراور تیونس کی عوام کی طر ح گھروں سے باہر نہیں نکل رہا ہے۔ موجودہ نظام کے خلاف سینہ سپر نہیں ہوتا۔ عوا م تو طاقت کا سرچشمہ ہوتا ہے اگر وہ آنسو بہانے کی بجائے طاقت کا استعمال کرے تو یقیناً سرمایہ داروں اور حکمرانوں کے محلات میں زلزلہ برپا ہوگا،اس سلسلے میں میڈیا بڑااہم کردار ادا کرسکتا ہے اور ایک حد تک وہ یہ کردار ادا بھی کر رہا ہے ۔البتہ صحافتی میدان میں بعض کالی بھیڑیں قلم کے تقدس اور حرمت کو مجروح کر رہی ہیں ۔آج کے ایک معروف روزنامہ میں ایک سینئر صحافی اپنے کالم میں کچھ اس طرح حکومت وقت کے لئے رطب اللسان ہیں، لکھتے ہیں، یہ جمہوریت ہی ہے جس نے کرپشن پر ہاتھ ڈالا، وزیر نکالے گئے،ان پر مقدمات بنائے گئے اور عدلیہ کے

ذریعے خرد برد کی گئی اربوں کی رقوم خزانے میں واپس لائی گئیں، یوں لگتا ہے ایک صحافی کا قلم نہیں بلکہ پیسہ بول رہا ہے۔اس بیچارے کو چیونٹی نظر آ رہی ہے مگر ہاتھی نظر نہیں آتا۔۔

مگر حکمرانوں اور تمام اہل زر کو اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیے کہ ہمارا بیمار جمہوری عمل،زوال پذیر قومی ادارے اور کرپٹ منتخب حکمران اور ان کی مسلسل بڑھتی کرپشن ہمیں کسی انقلابی تبدیلی سے مستقل محفوظ رکھ سکتی ہے۔ ملک میں کرپشن جس سطح پر پہنچ گئی ہے اسے کم کرنے میں ہمارے جمہوریت کے دعویدار حکمران جتنے بے حس واقع ہوئے ہیں ۔امن وامان کی جو کیفیت ہے، بے قابو مہنگائی جس بری طرح عام آدمی کی معمول کی زندگی کو متاثر کر رہی ہے اور بے روزگاری جس تیزی سے بڑھ رہی ہے وہ آج کے نام نہاد جمہوریت کو تباہ کرنے کا سبب ضرور بنے گی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ موجودہ نظام میں اپنے وجود کو قائم رکھنے کی طاقت باقی نہیں ہے یہ استحصالی نظام اپنی موت آپ مر جائے گا۔دنیا میں عوامی تحریکیں زوروں پر ہیں۔ مصر اور تیونس میں عوام کا احتجاج تازہ ترین مثالیں ہیں۔لوگوں میں اپنے حقوق حاصل کرنے کا شعور دنیا میں بیدار ہو چکا ہے، اب جہاں جہاں بھی شخصی حکومتیں ہیں یا جمہوریت کے نام پر کسی

نے شخصی حکومت قائم کر رکھی ہے، وہ کچھ بھی کر لیں، ان کو مزید پنپنا غیر فطری بات ہو گی۔ میری ناقص رائے میں جو جمہوریت زندگی میں کسی مثبت قدر کے فروغ کا باعث نہیں بن سکتی، جس جمہوریت کا مقصد پیسہ حاصل کرنے کے لئے اپنے ہم وطنوں کے حقوق پائمال کرنا ٹھہرا ہو، وہ جمہوریت، جمہوریت نہیں بلکہ جمہوریت کے نام پر گالی ہے جس سے ناطہ توڑنا ہی دانائی ہے۔

روپیہ راج کرے آدمی بن جائے غلام۔ ایسی جمہوریت تو جمہوریت کی رسوائی ہے۔

عمرہ کی سعادت

بلاشک و شبہ ہر مسلمان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت حاصل کرلے۔یقیناً وہ لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں جنھیں مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ جانے اور وہاں خانہ کعبہ اور روضہ رسول پر حاضری دینے کا موقع ملتا ہے۔ پچھلے دنوں مجھے بھی عمرہ ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔جس کے لئے میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے بھتیجے ڈاکٹر حاجی محمد اقبال کے تعاون کا بھی شکر گزار ہوں۔ جنھوں نے مالی مدد فراہم کرکے مجھے یہ موقعہ عطا کرنے میں تعاون کیا۔اللہ تعالیٰ اسے اسے اس کا اجر عطا فرمائے۔ تحریر ہذا کا مقصد یہ ہے کہ اسے پڑھ کر شاید کسی کے دل میں خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کی زیارت کرنے کے طلب میں اضافہ اور شوق دیدار میں جنون پیدا ہو جائے۔

بفضل خدا ہم ایک ہی گھر سے چار افراد یعنی میرا بڑا بھائی محمد غلام، بھابی،اقبال اور خاکسار اسلام آباد سے جدہ روانہ ہوئے، اسلام آباد ائیر پورٹ پر ہی احرام باندھے۔ احرام باندھتے ہی انسان اندر سے ایک خاص قسم کی تبدیلی کے آثار محسوس کرنے لگ جاتا ہے۔ جدہ ائیر پورٹ پر اترنے کے بعد ہم

ایک بس میں مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔رات تقریباً دو بجے پہنچے،اپنا سامان ہوٹل کے کمرے میں رکھا اور حرم شریف کی طرف روانہ ہو گئے جو صرف چند سو گز کے فاصلے پر واقع تھا، چند منٹوں میں ہم حرم شریف کے شاہ عبدالعزیز گیٹ پر پہنچ گئے،اندر داخل ہوئے،خانہ کعبہ پر نظر پڑی تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔جس مقام کی طرف بچپن سے منہ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے،جس مقام کے متعلق کتابوں میں بہت کچھ پڑھ رکھا تھا۔آج وہ مقام آنکھوں کے سامنے تھا،یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

جیسے یہ سب کچھ ہم خواب میں دیکھ رہے ہوں۔دعا کے لئے ہاتھ اٹھے مگر ہونٹ لرز رہے تھے،بدن پر کپکپی طاری تھی،ایک عجیب سی کیفیت تھی جسے لفظوں میں بیان کرنا میرے لئے ممکن نہیں۔طواف، نفل، سعی اور حلق وغیرہ کی ادائیگی کے بعد فجر کی نماز وہاں خانہ کعبہ میں ادا کی تو اس کا لطف ہی کچھ اور تھا۔

مکہ مکرمہ میں تین دن قیام کے بعد ہم مدینہ منورہ روانہ ہو گئے، مدینہ منورہ مکہ سے چار سو پچاس کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے،وہاں پہنچے تو تقریباً عصر کا وقت ہو چکا تھا اپنا سامان ہوٹل کے کمرہ میں رکھنے کے بعد فوراً مسجد نبوی کا رخ کیا، عصر کی نماز وہا، ں پڑھی،اور روضہ رسول

پر حاضری دی ،البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پیش کرتے ہوئے میری حالت غیر ہو چکی تھی،آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔زبان پر درود شریف کا ورد جاری تھا،ایک عجیب سی کیفیت تھی،جسے لفظوں میں بیان کرنا ممکن ہی نہیں ۔مدینہ میں ہم نے کوئی آٹھ دن گزارے۔وہاں مقیم ہمارے گاؤں (ڈیلی میلہ) کے باسی جناب شعیب صاحب، محترم زیور جان،اصل خان اور اصغر وغیرہ نے ہمارے قدر دانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی،انہوں نے حق کلی والی اور حق خشکی ادا کیا۔اللہ انہیں جزائے خیر دے۔اس دوران ایک محیر العقول واقعہ کا بھی ہم نے مشاہدہ کیا جس کا بیان کرنا خالی از دلچسپی نہیں ۔ہوا یوں کہ شعیب صاحب نے ایک دن ہمیں کہا کہ کل تمھیں ایک ایسی جگہ نہ لے چلوں؟ جہاں انسانی عقل جواب دے جاتی ہے؟ہم نے کہا،ضرور لے چلئے۔خیر اگلے دن صبح آٹھ بجے کا ٹائم طے ہوا۔اگلے دن وہ ہمیں مدینہ سے کوئی پچیس کلومیٹر دور ایک ایسے علاقہ میں لے گئے جس کو عرف عام میں َوادی جن ،،کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

ایک جگہ جہاں اترائی تھی،اس نے گاڑی روک دی اور کہا کہ اب ملاحظہ کیجئے،یہاں پر گاڑی خود بخود نیوٹرل گیئر میں ریورس ہو کر چڑھائی پر چڑھے گی۔ہم نے بڑے غور سے اور دلچسپی کے ساتھ دیکھا کہ گاڑی واقعی خود بخود پیچھے کی طرف چلنے لگی ہم حیران،گاڑی کی ڈرائیور سیٹ میں نے خود سنبھالی

مگر وہی ہوا جو پہلے ہوا تھا۔آگے وہ ایک ایسی جگہ ہمیں لے گیا جہاں گاڑی کو روک کر، اس نے نیوٹرل گیئر میں ڈالا، گاڑی خود بخود روانہ ہوئی ،کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد گاڑی کا سوئچ آف کیا مگر گاڑی کی رفتار بڑھتے بڑھتے ایک سو بیس کلومیٹر تک جا پہنچی۔ واضح رہے کہ سڑک بالکل ہموار تھی ،ڈھلوان نہیں تھی۔ہم یہ سب کچھ دیکھ کر انگشت بدانداں تھے۔یہاں میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ عرب کی مقدس سرزمین پر جگہ جگہ معجزاتی اور کرشماتی نظارے دیکھنے کو ملتے ہیں۔جہاں عقل بالکل دنگ رہ جاتی ہے۔قدم قدم پر اللہ کی رحمتیں برستی ہیں۔ خانہ کعبہ اور روضہ رسول پر انسان کی جو ذہنی کیفیت بنتی ہے اسے تو احاطہ تحریر میں لانا ممکن ہی نہیں۔۔

میں اپنے تمام قارئین سے یہ گزارش کرتا ہوں کہ زندگی میں جب بھی حرمین شریفین کی زیارت کی توفیق مل جائے تو فوری طور پر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ جانے کا پروگرام بنائیں، سننے، پڑھنے اور دیکھنے میں بہت بڑا فرق ہے۔وہاں جا کر مختلف مقامات کی زیارت کرنے سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے، وہ حیران کن اور ناقابل بیان ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو بار بار حرمین شریفین کی زیارت نصیب فرمائے۔آمین

پاک فوج ہوشیار باش

پاک فوج پر پاکستانی قوم جتنا بھی فخر کرے، کم ہوگا۔ ہر کڑے وقت میں پاک فوج نے پاکستانی عوام کی بھرپور مدد کی ہے۔پاک فوج کا شمار دنیا کی بہترین افواج میں ہوتی ہے۔پاکستان کے تریسٹھ سالہ زندگی میں وطن عزیز کے لئے ان کی خدمات اور قربانیاں سنہرے حروف میں رقم کرنے کے قابل ہیں۔ہمارے دشمنوں کو (خواہ بیرونی دشمن ہوں یا اندرونی) اس بات کا بخوبی علم ہے کہ پاک فوج کے ہوتے ہوئے وہ پاکستان کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے۔یہی وجہ ہے کہ گزشتہ ایک عرصہ سے ہمارے دشمن اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح پاک فوج کو کمزور کیا جائے،انہوں نے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے پاکستان کے اندر اور باہر ایسے دوست تلاش کر لئے ہیں جو پاک فوج کو کمزور کرنے کے لئے ان کا بھرپور ساتھ دے رہے ہیں۔
واضح رہے کہ تاریخ عالم ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ مسلمانوں کی بہادر افواج کو ہمیشہ اس وقت شکست دی گئی جب انہی میں سے بعض لوگ دشمنوں کے ساتھ مل گئے، دور مت جایئے،۱۸۵۷ کی جنگ آزادی کا مطالعہ کیجئے،انگریزوں نے بعض مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملایا اور یوں برصغیر

پر مکمل قبضہ جمانے میں کامیاب ہو گئے۔ انگریزوں کا ساتھ دینے والے اور مسلمانوں کے ساتھ غداری کے مرتکب افراد کو انگریزوں نے بڑی بڑی جاگیریں عنایت کیں۔ آج ان کی اولاد دولت کے بل بوتے پر اقتدار کی کرسیوں پر براجمان ہیں اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ جس طرح ہمارے آباؤ اجداد نے انگریز آقاؤں کا ساتھ دے کر بے شمار فوائد حاصل کیے اسی طرح ان کے نقش قدم پر چل کر، غیر ملکی آقاؤں کی تابعداری کر کے ہی ہم منزل مراد حاصل کر سکتے ہیں۔ بناء برایں وہ آج بھی غیر ملکی آقاؤں کے اشاروں پر چل رہے ہیں۔ ان کے غیر ملکی آقاء آج ان کو یہی سبق دے رہے ہیں کہ تمہارے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ پاک فوج ہے۔

اگر پاک فوج کو کسی طرح کمزور کیا جائے تو دنیا کی کوئی طاقت تمہارے سے عنان اقتدار چھین نہیں سکتی۔

اگر ہم گزشتہ چند سالوں کا جائزہ لیں تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ بیرونی قوتوں کے علاوہ کچھ اندرونی طاقتیں بھی ایسی ہیں جو پاک فوج کو بدنام کرنے اور ان کی طاقت میں ضعف پیدا کرنے کی دانستہ کوشش کر رہے ہیں۔ آئی ایس آئی جو دنیا کی بہترین انٹیلیجنس ادارہ ہے، اسے کمزور کرنے کے لئے ماضی میں جو چالیں چلائی گئیں ان سے

ہماری افواج اور عوام بخوبی واقف ہیں۔
حال ہی میں ایبٹ آباد میں امریکی اپریشن کے بعد حکومتی اہلکاروں نے دیدہ دانستہ جس طرح پاک فوج کو بدنام کرنے اور سارا گند پاک فوج کے سر پر تھوپنے کی کوشش کی، وہ بھی سب کو پتہ ہے۔ان کیمرہ بریفنگ کے دوران ہی وزیر اطلاعات فردوس عاشق اعوان صاحبہ نے جس بھونڈے انداز میں آئی ایس آئی کے سرینڈر ہونے کا اعلان کیا۔وہ قابل افسوس اور قابل توجہ تھا۔سرینڈر کا لفظ بار بار استعمال کرکے وہ عوام کو کیا پیغام دینا چاہتی تھیں، یہ سب کچھ گہری سوچ و فکر کی متقاضی ہیں۔
بلا شک و شبہ پاک فوج کا سیاست میں دخل نہ دینے کا عزم قابل تحسین ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ ملک کے حکمران طبقہ پاکستان کو گھر کی لونڈی سمجھے اور جو چاہے، جیسا چاہے، سلوک کرے اور ملک کی اصل طاقت یعنی پاک فوج کو اسے کمزور کرنے کی اجازت دی جائے۔
ہمارے فوجی جرنیلوں اور سپہ سالاروں کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ہمارے بیشتر سیاستدان و حکمران، چالاکی، فریب، دھوکہ اور نظر بندی میں اپنی مثال آپ ہیں ۔لہذا ان سے بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی

ضرورت ہے، ہمارے آرمی چیف جنرل کیانی ایک سمجھدار مگر شریف آدمی ہیں۔ مگر ہر کوئی شریف آدمی کی قدر نہیں کرتا بلکہ اسے ورغلانے کی کوشش کرتا ہے۔ وقت گزرنے کے بعد پھر شریف روتا اور ذلیل ہنستا ہے۔ خدا نہ کرے کہ پاکستان کے دشمن، خواہ وہ بیرون ملک ہوں یا اندرون ملک، اپنے مقاصد کے حصول میں کامیاب ہو جائیں۔ مگر خطرہ ضرور موجود ہے۔ لہذا جاگنے اور مستعد رہنے کی ضرورت ہے اور ہر اس کوشش کو ناکام بنانے کی ضرورت ہے جو پاک فوج کو کمزور کرنے کے لئے کی جا رہی ہو۔ اپنے ملک کے سیاستدان تو عوام کا اعتماد مکمل طور پر کھو چکے ہیں اگر خدا نخواستہ پاک فوج بھی اپنا اعتماد کھو بیٹھے تو اس کے نتائج نہایت تباہ کن ہونگے۔ لہذا پاک فوج کے سجیلے جوانوں کے میر کارواں سے گزارش ہے کہ

ہشیار باش رہو، ہشیار باش رہو۔

ایکشن لینے کا وقت گزر ہی نہ جائے

وطن عزیز کی تشویشناک حالت کو دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ میرے بس میں اس کے سوا ہے بھی کیا کہ قلم اٹھا کر ایک دو صفحے سیاہ کر ڈالوں۔ موجودہ اندھی اور بہری حکومت سے تو یہ امید نہیں کہ وہ کسی کے بات پر کان دھر لے گی البتہ بعض مقتدر لوگ ایسے بھی ہونگے جو دیگر بے شمار محب وطن لوگوں کی طرح بے چین ہونگے اور ان کے دل و دماغ میں لاوہ پک رہا ہوگا۔ان مقتدر لوگوں کی خدمت میں عرض ہے کہ اس وقت اٹھانوے فی صد عوام حکمرانوں کی لوٹ مار اور نا اہلی سے نالاں ہے۔ تمام محب وطن اور دانشور بار بار یہ بات دہرا رہے ہیں کہ موجودہ حکمران نا اہل ہیں، کرپٹ ہیں، ملکی معاملات کو سلجھانے کی بجائے الجھا رہے ہیں۔ چترال سے لے کر کراچی تک پاکستانی شہری قتل ہو رہے ہیں،ان کا ناحق خون بہایا جا رہا ہے۔ ملک کے خلاف ایک خطرناک کھیل کھیلا جا رہا ہے جس میں ملکی اور غیر ملکی دونوں طرح کے کھلاڑی شامل ہیں۔ جس نام نہاد جنگ میں ہم امریکہ کے حلیف ہیں، وہی یکطرفہ دراندازی پر تلا ہوا ہے۔ پرائی آگ میں ہم بھسم ہو رہے ہیں اور بچاؤ کی کوئی صورت ، کوئی ترکیب نظر نہیں آ رہی ہے۔ جن لوگوں کے حاتھ میں ملک کی باگ ڈور ہے، محشر کی اس گھڑی سے انصاف نہیں کر

پا رہی ہے۔ سر جوڑ کر بیٹھنے کی بجائے ٹامک ٹوئیوں سے کام چلانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ عام آدمی کا کوئی پرسان حال نہیں، شتر بے مہار مہنگائی نے متوسط طبقہ ختم کر دیا ہے، غربت کی شرح میں خطرناک حد تک اضافہ ہو گیا ہے۔ لوگ بھوک کے مارے خودکشیاں کر رہے ہیں، اپنے بچوں کو مار رہے ہیں۔ سارا ملک زخموں سے چور چور ہے، امن و امان تہہ و بالا ہے۔ اندھیر نگری کا سماں ہے۔ سارا حکومتی نظام مفلوج ہو چکا ہے۔ جنگل کے قانون کی عملداری ہے۔ جن کے ہاتھ میں لاٹھی ہے وہی ہر بھینس کو ہانک کر لے جاتا ہے۔ قانون اور انصاف کے سب دعوے محض افسانے ہیں۔ معیشت بیٹھ چکی ہے۔ افراط زر کا دیو تباہی مچا رہا ہے۔ مہنگائی اور بجلی کی لوڈ شیڈنگ نے عوام کا جینا حرام کر دیا ہے۔ محدود آمدنی والے گھرانے بدحال ہو گئے ہیں۔ سفید پوشی کا بھرم رکھنا ممکن نہیں رہا۔ پیٹ کاٹتے کاٹتے بھی پوری نہیں پڑتی۔ سرکار کو ان کے خیر خواہوں نے ایک ہی نسخہ ازبر کرایا ہے کہ نرخ بڑھائے جاؤ، سبسیڈی ختم کرو۔ رعایا پہ جو گزرتی ہے، اس کی پرواہ نہ کرو، اپنی تجوریاں بھرتے جاؤ۔ بیرونی قرضے چڑھتے چڑھتے کوہ ہمالیہ کا روپ دھار چکے ہیں۔ پورا ملک تباہ حال ہے۔ مگر حکمرانوں کے شاہانہ ٹھاٹ باٹ بدستور قائم ہیں، اللے تللے وہی ہیں۔ شاہ خرچیوں میں چنداں فرق نہیں پڑا۔
مگر مذکورہ بالا باتوں کے علاوہ سب سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ ملک کی

سلامتی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔اندرونی اور بیرونی سازشیں عروج پر ہیں ۔سندھ کے سابق وزیر داخلہ ذوالفقار مرزا کی حالیہ پریس کانفرنس نے لوگوں کی تشویش میں خطرناک حد تک اضافہ کر دیا ہے۔یوں محسوس ہوتا ہے کہ ارباب اختیار و اقتدار نے اپنی اپنی دکان چمکانے کے لئے پاکستان کو بازیچہ اطفال بنا رکھا ہے۔اگر یہ کھیل اسی طرح جاری رہا تو (خاک بدہن) پاکستان کا زیادہ دیر تک قائم رہنا مشکل ہو جائیگا۔

لہٰذا موجودہ حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے مقتدر، طاقتور اور بااختیار حلقہ کو آگے بڑھ کر فوری ایکشن لے لینا چاہیئے۔مزید انتظار نہ کریں، ورنہ بعد ازیں حالات کو قابو میں رکھنا ممکن نہیں رہے گا۔جس طرح 1971 میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے وقت ہوا تھا۔ قبل اس کے کہ پانی سر سے گزر جائے، آگے بڑھ کر ایکشن لیں اور سارے گند کو صاف کرکے اس مملکت خداداد پاکستان کو صحیح معنوں میں ایک فلاحی ریاست بنا ڈالیں۔۔۔۔۔

ایک زرداری، سب پر بھاری

اگر سیاست چالاکی، جھوٹ اور فریب کا نام ہے تو آصف علی زرداری پاکستان کے کامیاب ترین سیاستدان ثابت ہوئے ہیں۔

انہوں نے دوسری سیاسی جماعتوں مثلاً اے این پی، ایم کیو ایم، جے یو آئی، مسلم لیگ فنکشنل گروپ، ن لیگ اور ق لیگ گویا تمام قابل ذکر جماعتوں کو اس طرح کا دانہ ڈالا کہ وہ اسے چگتے چگتے یوں مصروف عمل ہو گئیں کہ اسے زرداری کا کوئی عمل بد دکھائی ہی نہ دے سکا۔ بلکہ ان اتحادی جماعتوں کو دانہ چگنے میں اتنا لطف آنے لگا کہ وہ یہ بھی بھول چکی ہیں کہ بطور سیاسی جماعت انہوں نے کل کو ووٹ مانگنے پھر عوام کے پاس جانا ہوگا۔ وقتی طور پر ان سیاسی جماعتوں نے مالی فائدہ تو اٹھایا مگر جو سیاسی نقصان مستقبل میں انہیں پہنچنے والا ہے، شاید ان سیاسی جماعتوں کو اس کا اندازہ ہی نہیں ہے۔ گویا صدر زرداری نے ایک تیر سے دو شکار کئے،ایک یہ کہ ان سیاسی جماعتوں کو ہڈی ڈال کر انہیں اپنے کرتوتوں سے بے خبر رکھا یا کم از کم بے نیاز کئے رکھا اور دوم یہ کہ ان کو سیاسی طور پر نقصان پہنچا کر ان کے ووٹ بنک کو آگ لگا دی۔

پاکستان میں عموماً حکمران سیاسی جماعت کو فوج سے خطرہ یا دھڑکا سا لگا رہتا ہے مگر صدر زرداری کا کمال ملاحظہ کیجئے کہ انہوں نے آرمی چیف کی سروس میں تین سال کا مزید اضافہ کیا۔اور یوں آرمی چیف کے دل میں اپنے لئے کم از کم سافٹ کارنر پیدا کرنے میں کامیاب رہے اور اگر آرمی چیف پر فوج ہی کی طرف سے اندرونی دباؤ آیا اور اسکا ذکر انہوں نے جناب زرداری صاحب سے کیا تو انہوں نے فوراً آرمی چیف کو دلاسہ دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ پالیسی بنائیں،آپ جیسے چاہیں کریں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا،ہم تو آپ کے تابعدار ہیں۔اور یوں پاکستان کا ناکام ترین حکمران ہو کر بھی فوج کے عتاب سے اپنے آپ کو بچائے رکھا۔حالانکہ اتنی خرابی، اتنی کرپشن،اتنی بیڈ گورنس اور عوام کی اتنی بے زاری کبھی کسی نے کبھی نہیں دیکھی۔

دنیاکے سب سے بڑے بد معاش یعنی امریکہ سے یہ کہہ کران سے اپنی دوستی قائم و دائم رکھی کہ جو جی میں آئے، کرتے جاؤ،ڈرون حملے،زمینی حملے یا فضائی حملوں پر مجھے کوئی اعتراض نہیں،ایبٹ آباد واقعہ پر تو خصوصی مبارکباد بھیجی اور اپنی وفاداری اور تابعداری کا یقین دلایا یوں امریکہ کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا۔

ملک کے عدلیہ خصوصا سپریم کورٹ کے چیف جسٹس سے کچھ خطرہ سا تھا۔ان سے بچنے کے لئے ایک بڑے شیطان یعنی بابر اعوان کی ڈیوٹی لگا دی اور یہ تو آپ کو پتہ ہے کہ شیطان بڑے بڑے نیک لوگوں کو بھی رام کرنے میں خصوصی مہارت رکھتا ہے۔لہذا نہ صرف یہ کہ ان کے ترازو میں تولنے سے بچے رہے بلکہ اپنے خلاف قائم بے شمار مقدمات سے بری ہونے میں بھی کامیاب رہے۔

علاوہ ازیں بھی انہوں نے بے شمار کمالات دکھائے ہیں جو ان کے اقتدار سے ہٹ جانے کے بعد عوام کے سامنے آئینگے۔مگر فی الحال یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ایک زرداری سب پر بھاری ہے۔پاکستان کی تاریخ میں اگرچہ ان کا نام ناکام ترین حکمران کی حیثیت سے لکھا جائیگا مگر سیاست کے میدان میں ان کا شمار نہایت چالاک اور کامیاب ترین سیاستدانوں میں سے ہوگا۔

"پاکستان کا مستقبل، " مستقبل پاکستان

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ وطنِ عزیز میں سیاست کا کھیل اتنا پراگندہ ہو چکا ہے کہ با کردار، شریف اور با اخلاق لوگ اس کھیل کے میدان مین اترنے سے کتراتے ہیں خوف محسوس کرتے ہیں، وہ دل میں کڑھتے ضرور ہیں۔ اپنے ملک کے مستقبل کے حوالہ سے بڑے تشویش میں بھی مبتلا ہیں، فکر مند بھی بہت ہیں مگر وہ سیاست کے میدان میں کودنے سے گریزاں ہیں۔ ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو موجودہ تمام سیاسی جماعتوں سے مکمل طور پر مایوس ہو چکے ہیں اور وہ کسی ایسے مسیحا کے تلاش میں ہیں جو دیانت دار ہو، با صلاحیت ہو اصول پسند ہو اور اپنی مٹی سے خلوص نیت کے ساتھ پیار کرنے والا ہو۔

عام آدمی کی اس خواہش اور آرزو کو مد نظر رکھتے ہوئے ضلع چینوٹ کے ایک سپوت " ندیم ممتاز قریشی" نے ایسے لوگوں کے لئے ایک پلیٹ فارم مہیا کرنے کا تہیہ کیا اور "مستقبل پاکستان" کے نام سے ایک سیاسی پارٹی کی بنیاد رکھی اور فروری 2011 میں پارٹی کو با قاعدہ رجسٹرڈ کروایا۔ پہلے پہل انٹرنیٹ پر پارٹی کو متعارف کروایا تا کہ پڑھے لکھے لوگوں تک رسائی حاصل ہو جائے۔ نہایت قلیل عرصہ میں ہزاروں لوگ اس پارٹی کے رضاکاروں میں شامل

ہو گئے۔ بعد اریں جب پارٹی کے چیئر مین اپنے پارٹی کا پیغام لے کر صوبہ پنجاب کے جنوبی اضلاع میں نکلے تو عوام کی طرف سے زبر دست پزیرائی ملی۔اور انھوں نے اب تک اسلام آباد میں اپنا مرکزی دفتر قائم کرنے کے علاوہ چاروں صوبوں میں ریجنل دفاتر قائم کئے۔ صوبہ خیبر پختونخواہ میں پشاور کے مشہور شاہراہ یونیورسٹی روڈ پر اپنا صوبائی دفتر قائم کیا اور ایک باصلاحیت، ہونہار اور محنتی نوجوان عامر شہزاد کو صوبائی کوآرڈینیٹر مقرر کیا۔

چند دن قبل اس نوزائیدہ پارٹی کے چیئر مین ندیم ممتاز قریشی سے میری ملاقات ہوئی ۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اس وقت پاکستان میں جہاں پہلے سے سو سے زیادہ سیاسی پارٹیاں موجود ہیں ،آپ پارٹیوں کے اس ہجوم میں اپنی پارٹی کو مقبول بنانے اور قابل ذکر مقام دلانے میں کس طرح کامیابی کی امید رکھتے ہیں؟انھوں نے جواب میں کہا کہ ان تمام سیاسی پارٹیوں نے ہم سب کو سخت مایوس کیا ہے۔پاکستان اس وقت غیر مستحکم ہے، خطرے میں ہے، ملک کی سلامتی اس وقت داؤ پر لگی ہوئی ہے اگر ہم اندریں حالات بھی خاموش رہے تو ہماری یہ خاموشی روز محشر کو مجرمانہ فعل تصور ہو گا۔ بناء بر ایں میں نے ان لوگوں کو ایک پلیٹ فارم مہیا کرنے کے لئے سیاسی پارٹی کی بنیاد رکھی ہے جو سیاست سے الگ تھلگ رہتے ہیں کیونکہ وہ موجودہ

سیاست کو پسند نہیں کرتے مگر وطن عزیز کے لئے درد دل رکھتے ہیں انہوں نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ہم روایتی سیاستدان نہیں، ہمارا سیاست سے بس دور کا ہی واسطہ رہا ہے لیکن اب موجودہ حالات اس بات کا متقاضی ہیں کہ باہر نکل کر اپنے ملک کی سلامتی، ترقی و خوشحالی کے لئے کمر باندھ لیں۔ہم پاکستان میں طرز سیاست کو کلی طور پر تبدیل کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ہم کسی بھی ایسے شخص کو الیکشن کے لئے پارٹی ٹکٹ نہیں دینگے جو اس سے پہلے کبھی اسمبلیوں کا ممبر رہا ہو۔ہمارے تمام امیدوار لکھے پڑھے اور پیشہ ور خوتین و حضرات ہونگے، کوئی استاد ہوگا، کوئی انجینئر، کوئی وکیل اور کوئی ڈاکٹر۔

اس ملک کو بچانے کے لئے اب ہمیں اپنا حصہ ڈالنا ہے کیونکہ یہ وقت عمل کرنے کا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ نا عاقبت اندیشوں کے ہاتھوں سے ملک تباہ ہو جائے، بہت دیر ہو جائے اور ہمارے ہاتھ سے سب کچھ نکل جائے۔۔

الغرض پاکستان کے مستقبل سنوارنے کے لئے "مستقبل پاکستان" کے چیئرمین ندیم ممتاز قریشی سے گفتگو کرتے ہئے یہ بات میں نے نوٹ کی کہ پاکستان کے طرز سیاست میں تبدیلی لانے کے لئے وہ پر عزم ہیں۔اب دیکھنا یہ ہے کہ مستقبل میں ان کا "مستقبل پاکستان" کیا رنگ لاتا ہے اور ان کی جدو

جہد، خلوص نیت اور عزم پاکستان کے مستقبل کو بدلنے میں کیا کردار ادا کرتا ہے۔ ہما
ری تو یہ خواہش ہے اور دعا بھی ہے کہ کوئی مرد قلندر میدان میں آئے اور موجودہ
قومی لٹیروں، مگرمچھوں اور کرپٹ سیاستدانوں سے ہماری جان چھوڑائے۔

صوبائی حکومت کا نصابی کتب شائع کرنے کا کارنامہ

خیبر پختونخوا کے تمام قابل ذکر اخبارات میں گزشتہ روز خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ کی طرف سے شائع شدہ ایک بڑا خوبصورت اشتہار پڑھنے کو ملا۔ اشتہار کے دائیں کونے پر وزیر اعلیٰ جناب امیر حیدر خان کی تصویر لگی ہوئی تھی جبکہ بائیں کونے پر صوبائی وزیر تعلیم سردار حسین بابک کی تصویر چھپاں تھی۔ اشتہار میں تعلیمی سال 2011-2012 کے لئے کے جی تا جماعت نہم تک ٹیکسٹ بک بورڈ کی تیار کردہ نصابی کتب کی فہرست درج تھی۔ اور ساتھ ہی اسے خیبر پختونخوا حکومت کا ایک تاریخی کارنامہ قرار دیا گیا تھا اور خیبر پختونخوا کے بچوں کو تعلیمی ترقی کا نیا دور شروع ہونے پر مبارک باد دی گئی ہے۔

اگر ہم نظام تعلیم کی ماہیت پر غور کریں تو اس کی عمارت چار ستونوں پر کھڑی نظر آتی ہے، نصاب تعلیم، تعلیمی ماحول، طریقہ تعلیم و تدریس اور نظام امتحانات، گویا ایک مضبوط تعلیمی عمارت کے لئے ان چاروں ستونوں کا اپنی جگہ پر مضبوطی قائم و دائم ہونا ہی ایک مفید اور مضبوط نظام تعلیم کی ضمانت دے سکتا ہے مگر ان چاروں ستونوں میں سب سے اہم اور لازمی جزو نصاب تعلیم ہے۔ لیکن مقام افسوس ہے کہ ہمارے ماضی اور حال کی حکومتوں نے کبھی

نصاب تعلیم کو اہمیت نہیں دی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے ہاں قومی نصاب جیسی کو ئی چیز سرے سے ہے ہی نہیں۔ہر نئی حکومت سرکاری اسکولوں میں اپنی مرضی کے مطابق نیا نصاب مرتب کرتی ہے،اور پھر اگلی حکومت اسے منسوخ کرکے نیا نصاب جاری کرکے اسے ایک کارنامہ قرار دیتی ہے۔جو عموماً پہلے والے نصاب کا چربہ ہی ہوتا ہے۔ کسی حکومت نے نصاب تعلیم کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔نجی تعلیمی اداروں میں ہر ایک کا اپنا اپنا نصاب ہے،جس سے یہ تاثر ملتاہے کہ وہ لوگ حکومتی نصاب سے مطمئن نہیں ہیں اور ان کے نزدیک حکومت کا وضع کردہ نصاب تعلیم تشنگی تعلیم کو دور کرنے کے لئے ناکافی ہے۔حکومت کی عدم توجہی کے باعث نجی تعلیمی اداروں نے اس کام کو خالص تجارتی بنیادوں پر شروع کر رکھا ہے اور معیار کو پس پشت ڈال رکھا ہے کیونکہ اکثر (صرف چند کے سوا) نجی تعلیمی اداروں کا اپنا نصاب تعلیم وضع کرنے میں ان کا ذاتی مفاد قدرے پیش پیش ہوتا ہے،وہ بچوں سے منہ مانگی قیمت وصول کرتے ہیں۔

صوبہ خیبر پختونخوا کی تعلیمی ترقی کے لئے صوبائی حکومت کی کوششوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا خیبر پختونخوا

ٹیکسٹ بک بورڈ کی مرتب شدہ کتب صوبے کے تمام تعلیمی اداروں میں پڑھائی جائینگی یا صرف سرکاری اسکولوں میں پڑھائی جائینگی جہاں صرف غریب غربا کے بچے پڑھتے ہیں ؟کیا صاحب اقتدار اور امرا کے بچے بھی انہی کتابوں سے بہرہ ور ہونگے ؟ جواب یقیناً نفی میں ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک میں یا کم از کم صوبائی سطح پر تمام سرکاری اور نجی تعلیمی اداروں میں یکساں نصاب تعلیم نافذ کیا جائے۔

کیونکہ طبقاتی اور مختلف النوع نصاب تعلیم نے وطن عزیز میں مساوات کی روح کو کچل کر رکھ دیا ہے۔آج پوری قوم مختلف نصاب تعلیم کی وجہ سے ہی انتشار کا شکار ہے۔ ایک قوم ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے حریف بنے ہوئے ہیں۔ کوئی مغرب کا دلدادہ اور مغربی قوتوں کا دوست ہے اور کوئی مشرقی روایات پر مر مٹنے کو تیار ہے۔جس کی وجہ سے آج ملکی سالمیت خطرے سے دوچار ہے۔

بنا بر ایں حکومت سے گزارش ہے کہ وہ ایک ہی نصاب تعلیم کی موثر تشکیل وتنفیذ،علاقائی، قومی اور اسلامی تہذیب و تمدن کی روشنی میں تیار کرکے تمام سرکاری اور نجی تعلیمی اداروں میں یکساں طور پر نافذ کرے۔تاکہ قومی

یک جہتی اور اتحاد کو فروغ حاصل ہو اور حکومت کی کوششیں واقعی ایک تاریخی کارنامہ ثابت ہو جائے۔

کچھ باغباں ہیں برق وشرر سے ملے ہوئے

پچھلے دنوں ایک نجی ٹی وی چینل پر ناظرین سے ان کی رائے پوچھی گئی تھی کہ وطن عزیز (پاکستان) کو سب سے زیادہ نقصان کس نے پہنچایا؟ امریکہ نے یا اپنے حکمرانو ں نے؟ میں نے بھی اپنا خیالی گھوڑا دوڑایا تو یہ بات سامنے آئی کہ بڑی طاقت کسی بھی ملک کی آزادی سلب کرنے یا اس پر قبضہ جمانے کے لئے مختلف حکمت عملیاں بناتی ہیں۔ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ اعلان جنگ کرکے یا اعلان جنگ کئے بغیر زیر ہدف ملک پر زمینی یا فضائی حملوں کی یلغار کر دی جائے اور ملک کی قیادت کو مار کر یا قید کرکے پورے ملک پر قبضہ جما لیا جائے جیسے عراق اور افغانستان میں ہوا۔اگرچہ تا ریخ کا سبق یہ ہے کہ غاصبوں کے لئے ایسا قبضہ ہمیشہ ایک مہنگا سودا ثابت ہوتا ہے۔ عراق اور افغانستان میں جو صورت حال دکھائی دے رہی ہے وہ بھی ایسی ہی ہے، جہاں ہزاروں انسانوں کا جانی اور کھربوں
ڈالرز کا مالی نقصان ہو چکا ہے۔اس کے باوجود ہزیمت اور شکست امریکہ اور اتحادیو ں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھور رہی ہے۔
ملک فتح کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ زیر ہدف ملک کے اندر بے تحاشہ سر

مایہ کاری کی جائے، تجارت پر قبضہ جمایا جائے اور اسے ناک تک قرضوں میں اس طرح ڈبویا جائے کہ اس کی قیادت بالکل مفلوج ہو جائے۔اس کی مثال انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی ہے، جس نے ہندوستان پر اسی حکمت عملی کے ذریعے قبضہ کر لیا تھا۔

کسی ملک پر قبضہ جمانے کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ زیر ہدف ملک کے ایلیٹ اور با اختیار طبقہ کے ذہنوں کو مغلوب کرتے ہوئے اس ملک کو معاشی طور پر اتنا کمزور کیا جائے کہ ان کا اپنا جھنڈا اور قومی ترانہ تو موجود ہو،ایوان بالا اور ایوان زیریں بھی موجود رہے جس کے اندر قائد حزب اقتدار اور قائد حزب اختلاف بھی متحرک نظر آ ئیں۔صدر، وزیر اعظم اور دیگر وزراء اپنے کاروں پر جھنڈے لہراتے نظر آئیں مگر در حقیقت وہ آزاد نہیں ہوتے بلکہ ان کا پورا کنٹرول بیرونی طاقتوں کے ہاتھوں میں ہو تا ہے۔ایسے ملکوں میں بھوک وافلاس اور افراتفری کو باقاعدہ ایک منصوبے کے تحت جاری رکھا جاتا ہے تاکہ مقروض زیر ہدف ملک بیرونی امداد کا ہمیشہ محتاج رہے اس لیے اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ دیگ کے نیچے اتنی آگ ہمیشہ دھکتی رہے جس سے دیگ کے اندر کا مواد ابلتا رہے۔۔

وطن عزیز (پاکستان) ایسے ہی حملے کی ذد میں ہے۔مگر دکھ کی بات یہ ہے کہ

ہمارے عوام بالکل بے نیازی اور بے بسی سے اپنے ملک پر بیرونی تسلط کو مضبوط ہوتا دیکھ رہی ہیں مگر پھر بھی خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی بیرونی طاقت کسی ملک کے ارباب اختیار واقتدار کی اجازت اور آشیرباد حاصل کیے بغیر کسی کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کر سکتی ہے؟

جواب یقیناً نفی میں ہے۔اس لئے ہمیں شکایت امریکہ سے نہیں بلکہ اپنے ارباب اختیار اور حکمرانوں سے ہے مگر یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ آج جو آگ ہمارے گلستان میں پھیلائی جارہی ہے کل کو جب یہ بھڑکنا شروع ہو جائیگی تو باغ میں شعلے ضرور اٹھیں گے۔

اور مفاد پرست جعلی باغبان اڑ کر بیرون ملک اپنے محفوظ گھونسلوں میں گھس جائینگے مگر اٹھارا کروڑ عوام تو یہاں ہی رہینگے۔اس لئے یہ دکھی قوم اسمبلیوں میں بیٹھے ان بہن بھائیوں سے (جو پاکستان کا تھوڑا بہت درد رکھتے ہیں) التجا کرتی ہے کہ خدارا! ان افراد سے ناطہ توڑ ڈالئے جو بیرونی مداخلت کو دعوت دے کر قومی سلامتی کو داو پر لگا چکے ہیں۔اگر ایک طرف امریکہ للچائی ہوئی نظروں سے ہماری پاک سرزمین پر نظریں گاڑے ہوئے ہے تو دوسری طرف ہمارے اپنے بھی اس پاک سرزمین کو نقصان پہنچانے میں

برابر کے ذمہ دار ہیں۔اللہ کرے میرے ان خدشات میں کوئی صداقت نہ ہو مگر۔۔۔۔

بے وجہ تو نہیں ہیں چمن کی تباہیاں
کچھ باغباں ہیں برق و شرر سے ملے ہوئے

ایجنسیاں اور ایک تاریخی حقیقت

آج سے تقریبا پچیس سو سال جب آریہ خاندان نے متحدہ ہندوستان پر حملہ کیا تھا تو انہوں نے موجودہ پاکستان کے قبائلی علاقوں کو استعمال کیا۔ وفاق کے زیر انتظام یہ قبائلی علاقہ تقریبا 27220 مربع کلومیٹر پر مشتمل ہے، جس کی آبادی چالیس لاکھ کے لگ بھگ ہے۔

پاکستان کے شمال سے جنوب کی طرف پھیلا ہوا یہ علاقہ سات ایجنسیوں پر مشتمل ہے۔ تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ جب نو سو ساٹھ عیسوی میں محمود غزنوی قبائلی علاقوں سے داخل ہو کر پنجاب پر حملہ آور ہوا تو یہاں اسلام کی شمع روشن ہوئی۔ بعد ازیں غوری، چنگیز خان اور تیمور خان بھی انہی قبائلی علاقوں سے ہوتے ہوئے ہندوستان میں داخل ہوئے۔ ان سارے اسلامی لشکروں کو ہندوستان میں داخل کرنے والا ہراول دستہ ہمیشہ قبائلی لوگوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ مگر ان قبائلیوں نے کبھی کسی کو اپنے علاقے پر حکمرانی کا حق کسی کو نہیں دیا۔

بابر، اکبر، جہانگیر یا شاہجہان جیسے حکمرانوں کو بھی یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ

ان علاقوں کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیتے۔ رنجیت سنگھ نے تقریبا چالیس سال تک اپنا پورا زور لگایا لیکن وہ اپنے عنان حکومت کو پشاور اور بنوں سے آگے نہ لے جا سکا۔ انیسویں صدی کی ابتداء میں جب روسیوں نے وسط ایشیائی ریاستوں پر قبضہ جمانا شروع کیا تو ہندوستان میں موجود انگریزوں کو فکر لاحق ہوئی اور انہوں نے روس کی یلغار کو روکنا چاہا۔ افغانستان جاتے ہوئے تو ان کو قبائلی راستوں پر سے گزرنے کی جرات نہ ہوئی بلکہ بلوچستان کے راستے افغانستان داخل ہوئے۔ جب افغانیوں نے ان کا جینا حرام کر دیا تو انہوں نے واپسی کا سوچا۔ چونکہ انہیں جلدی تھی اس لئے انہوں نے مختصر راستے کا انتخاب کیا اور بارہ ہزار لشکر کے ساتھ پشاور روانہ ہوئے۔ جب وہ موجودہ قبائل کے پہاڑوں میں داخل ہوئے تو قبائلوں نے انہیں گھیر ان کے پورے بارہ ہزار فوج کو تہ تیغ کر دیا۔ بعد ازیں انگریز کمانڈر انچیف آک لینڈ اور لارڈ کرزن نے ان قبائل کو مطیع کرنے کی لاکھ کوشش کی مگر بے سود، وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

1947 میں جب پاکستان وجود میں آیا تو قبائل نے خوشی کے ساتھ پاکستان کے ساتھ الحاق کیا مگر شرط یہ رکھی کہ حکمرانی کا طرز وہی رہے گا جو وہاں ہزاروں سال سے چل رہا ہے۔ واضح رہے کہ بھارت سے جب ہماری پہلی جنگ ہوئی تو قبائل نے ڈنڈے، کلہاڑے اور گھریلو ہتھیار لے کر کشمیر پہنچے اور

ہمیں موجودہ آزاد کشمیر کے آزاد کرنے میں بھرپور مدد فراہم کی۔1979 سے تک روس کو افغانستان سے نکالنے کے لئے قبائلی علاقہ ہی جہادیوں کا لانچنگ 1991 پیڈ تھی۔

نائن الیون کے بعد امریکیوں اور ان کے اتحادیوں نے قبائلیوں پر مغرب سے حملے کئے جبکہ مشرق سے پاکستان کی سیکیوریٹی افواج کو بد قسمتی سے ان کا سامنا کرنا پڑا۔اب ڈرون حملوں کی وجہ سے ان علاقوں میں امریکہ کے خلاف سخت نفرت پائی جاتی ہے۔ یہ علاقہ سنگ مرمر،تانبا، لائم سٹون اور کوئلے کی نعمتوں سے مالامال ہے مگر افسوس صد افسوس کہ ہماری حکومتیں ان قبائلی علاقوں کی ترقی کے لئے کچھ بھی نہ کر سکے۔امریکہ اور ان کے اتحادی ان بہادر قبائلیوں کے حوصلوں کو کسی طریقے سے پست نہیں کر سکا اور نہ کر سکے گا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان قبائلیوں کو آج تک نہ تو کوئی شکست دے چکا ہے اور نہ ہی اسے کوئی محکوم بنا سکے گا۔لہٰذا امریکہ کو چاہیے کہ وہ قبائلیوں سے معافی مانگتے ہوئے اپنے وطن لوٹ جائے۔اسی میں اس کی بھلائی ہے اور یہی سینکڑوں سال کا سبق ہے۔۔۔۔۔

تعلیمی ادارے انسانیت کو بچائیں

اپنی تریسٹھ سالہ زندگی میں میں نے لاتعداد شعبوں میں جو بے مثال ترقی و تبدیلیاں دیکھی ہیں، وہ نا قابل بیاں اور نہایت حیران کن ہیں۔انسان نے اپنی ذہانت کے استعمال اور جستجوئے پیہم کے باعث زمین کے کتنے ہی خزینے دریافت کیے ہیں۔ موبائل فون، انٹرنیٹ کی ایجاد نے جغرافیائی فاصلوں کو حیرت انگیز طور پر کم کر دیا ہے۔بلکہ آج کا انسان تو گھر بیٹھے بیٹھے دنیا کے مختلف ممالک میں ہونے والے واقعات کو بچشم خود دیکھ سکتا ہے۔ترقی یافتہ ممالک میں تو آج بھی انسان کا جذبہ تحقیق و جستجو اب بھی فراواں ہے اور وہ یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین نظر آتا ہے کہ ہر بند دریچے کے پیچھے کون سا عالم آباد ہے؟ پہاڑ کی دوسری جانب زندگی میں کیا کیا نیرنگیاں سمیٹے ہوئے ہے؟ بحر و بر کے نہاں خانوں کیا کچھ پوشیدہ ہے؟افق کے اس پار کونسی دنیا آباد ہے؟اس طرح کے لاتعداد سوالوں کے جوابات ڈھونڈنے کی کوشش آج بھی جاری و ساری ہے۔مگر افسوس صد افسوس کہ ہم نہ صرف یہ کہ نت نئی ایجادات میں زیرو ہیں ۔بلکہ بطور انسان باقی دنیا سے ہم بہت پیچھے ہیں۔ہمارے ہاں دولت کی ہوس نے انسان کو انسانی احساسات اور خواہشات سے بے بہرہ کر دیا ہے۔ ہمارے ہاں بڑے لوگ کھلے عام چھوٹے لوگوں کو فریب دے رہا

ہے۔انہیں پریشان رکھتا ہے،ان کا استحصال کرتا ہے۔اپنی حیثیت سے نا جائز فائدہ اٹھاتا ہے اور اپنی عیش کوشی کی خاطر ہر ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ ہوس زر اتنا بڑھ گیا ہے کہ غریب طبقہ اپنے ہی لیڈروں کے خلاف نفرت وآلام کی آگ میں بے طرح جل رہا ہے۔

ایک طویل عرصہ تک میں شعبہ تعلیم وتدریس سے وابستہ رہا ہوں اور مجھے نجی تعلیمی اداروں میں خاص طور پر یونیورسٹیوں سے فارغ نئے نوجوان اساتذہ سے واسطہ پڑا ہے۔ میں نے یہ بات بڑی شدت اور افسوس کے ساتھ نوٹ کی ہے کہ ان اعلیٰ نوجوان اساتذہ میں بہت ساری ذہنی اور اخلاقی کوتاہیاں پائی جاتی ہیں ۔جس کی وجہ غالبا یہ ہے کہ ہمارے تعلیمی اداروں میں فرد کی روحانی تربیت کا پہلو نظرانداز کیا جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ملک کی موجودہ نہایت تکلیف دہ حالت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں تعلیمی اداروں میں معاشرتی انداز فکر اور اخلاقی قدریں سکھانے کا کوئی طریقہ کار موجود نہیں۔ایک فرد نے گھر میں گھر والوں کے ساتھ کیسے رہنا ہے ٗ؟ محلے اور گاؤں والوں کے ساتھ کیسے رہنا ہے؟ اپنے کولیگز کے ساتھ کیسے رہنا ہے؟ اپنی قومی ذمہ داریوں کو کیسے نبھانا ہے؟ یہ انہیں نہیں سکھایا جاتا۔

اس افسوسناک صورت حال کی اصلاح کے لئے میری یہ تجویز ہے کہ وہ تمام افراد جو تعلیمی اداروں میں یا زندگی کے دوسرے شعبوں میں مصروف عمل ہیں۔ان تمام کی اس طرح باضابطہ رہنمائی ہونی چاہیۓ کہ وہ باہم زندگی بسر کرنے کے اصول اور ضابطے سیکھ سکھیں۔

اس ضمن میں خاص طور پر تعلیمی اداروں کا فرض ہے کہ وہ انسانیت کی تدریس و تعلیم زور دیں۔ان کی تعلیم سے افراد مین صحت مند معاشرتی اور اخلاقی انداز فکر پیدا کیا جا سکتا ہے۔اساتذہ کرام صرف نصابی مضامین پڑھا کر، رٹا لگوا کر تعلیم نہ دیں بلکہ نصابی مضامین کے ذریعے طلبہ کے کردار کی تعمیر و تشکیل کریں۔مثلاً ریاضی میں بچوں کو نہ صرف گھڑی دیکھ کر وقت بتانا سکھایا جائے بلکہ انہیں وقت پر کام کرنے کی تربیت بھی دی جائے۔جب دوسرے ممالک یا اقوام کی معلومات دی جائیں تو ان کے دلوں میں رواداری اور یگانگت کے جذبات بھی پیدا کئے جائیں۔انگریزی ، اردو یا کوئی بھی زبان کی تعلیم دیتے وقت انہیں کلام اور زبان کا درست استعمال بھی سکھائیں کہ کس طرح دوسروں سے بات چیت اور کلام کے موزوں استعمال سے دیگر افراد کے ساتھ بہتر تعلقات استوار کرنے میں مدد ملتی ہے۔

پولیٹیکل سائنس پڑھاتے وقت انہیں قانون کا احترام اور فرائض کی انجام

دہی بھی سکھائیں۔

ان مثالوں سے مقصود یہ ہے کہ اس وقت ہماری بے چینی اور تکالیف کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے تعلیمی اداروں میں انسانیت کا سبق نہیں سکھایا جاتا۔ میری گزارش یہ ہے کہ تعلیمی ادارے دوسرے مضامین کے ساتھ ساتھ انسانیت سکھانے کی طرف بھر پور توجہ دیں اگر انسانی قدریں بحال رہینگی۔ تو یقیناسکون و خوشحالی میسر آئیگی۔ پورے ملک میں امن اور خوشحالی کا دور دورہ ہوگا۔۔۔

ایک کالم، طلباء کے نام

تعلیم وتدریس میرا اڑھنا بچھونا رہا ہے اور قلم کا استعمال میرا مشغلہ ،جب سے یہ مشغلہ یعنی قلم کو ہاتھ میں لیا ہے تب سے ملکی حالات، سیاست ، کرنٹ افیئرز اور دیگر کئی موضوعات پر ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کئی قومی اخبارات میں سینکڑوں کالم لکھ چکا ہوں۔آج دل چاہتا ہے کہ اپنے ملک کے پیارے پیارے طالبعلموں کے نام ایک کالم لکھ دوں۔کیونکہ طلباء اکثر مباحثوں میں یہ کہتے ہیں کہ قلم کی کاٹ تلوار سے زیادہ ہوتی ہے۔ویسے بھی آپ کو پتہ ہے کہ ہماری تلوار توآج کل میان میں چلی گئی ہے۔تو قلم کا استعمال ضروری ہوگیا ہے اور اگر قلم کا کو دل کے لہو میں ڈبو کے لکھا جائے تو یقیناوہ قلم دودھاری تلوار سے بھی زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔

پیارے طلباء ! تم جس درسگاہ میں بھی تعلیم حاصل کر رہے ہو، وہ تمھارے اور ہمارے لئے قابل فخر ہیں۔کیونکہ آپ اور ہم اس پر بھروسہ کرتے ہیں۔یہاں سے علم کی نہریں جاری ہوتی ہیں جن کو میں دودھ کی نہریں کہتا ہوں اور کہتا رہونگا۔اس لئے کہ ایک ماں نے آپ کو جنم دیا ہے وہ آپ کی جنم کی ماں ہے مگر آپ کی دوسری ماں وہ مدرسے، اسکولز اور کالجز ہیں جو آپ

کو تعلیم اور تربیت کے زیور سے آراستہ کرتے ہیں ،آگہی کا شعور کا لباس عطا کرتی ہیں اور دنیا میں جینے کے قابل بناتے ہیں۔ اس لئے جس طرح آپ اپنے ماؤ ں کا احترام کرتے ہیں جنھوں نے آپ کو جنا ہے اسی طرح آپ کو ان مادر علمی کا بھی احترام کرنا چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں پڑھایا جاتا ہے، سکھایا جاتا ہے، سمجھایا جاتا ہے، اسے دل و دماغ میں جگہ دو۔ دل لگا کر اور خوب محنت کرکے علم حاصل کرو۔ نقل یا کسی بھی ناجائز ذرائع سے اگر پاس ہو بھی جاؤگے تو سکون اور تسلی کبھی نہیں مل سکے گی۔اگر کسی طریقے سے کوئی اوپر آ بھی جائے تو وہ ملک کو انحطاط کی طرف ہی لے جا ئیگا جیسے آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ نقل خوروں اور نااہل لوگوں کی وجہ سے ملک کی سالمیت ہی خطرے میں پڑ چکی ہے۔اور یہ جو بعض طلباء سوچتے ہیں کہ ہم باہر کسی ملک یورپ وغیرہ چلے جائینگے۔مگر یاد رکھو جو لوگ اپنے وطن میں کچھ نہیں کر سکتے وہ باہر جا کر غسل خانے صاف کرتے ہیں، جھاڑو دیتے ہیں یا گھاس کاٹتے ہیں۔ کھوٹا سکہ کہیں بھی نہیں چلتا۔لہذا تعلیم حاصل کرنے کو ایک مشن سمجھیں اگر حصول علم کو مشن سمجھ کر حاصل نہیں کروگے تو پھر علم کا اجالا کبھی نہیں پھیلے گا۔آپ نے اپنے اساتذہ سے سنا ہوگا، کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ جب غار حرا میں بقعہ نور کے آگے منبع جود وسخا کے پاس حضرت جبرائیل وحی لے کر

آئے تو سب سے پہلے انہوں نے فرمایا تھا،، اقراء ،، یعنی پڑھ ، علم کی روشنی پھیلا، دل کو اس نور سے منور کر، اٹھ اور اس شمع کو جلا، اس کے جلائے بغیر کائنات میں اجالا نہیں ہو سکتا۔ جہالت کی تاریکی دور نہیں ہو سکتی۔ گویا علم حاصل کی روشنی حاصل کیے بغیر انسان زندگی کی سفر میں صحیح راستے کا انتخاب نہیں کر سکتا بلکہ تاریک راہوں میں بھٹکتا پھرتا ہے۔۔

آخری بات جو آپ کے چشم گزار کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ آپ کے اساتذہ آپ کے روحانی والدین ہوتے ہیں۔ان کا مرتبہ کسی طرح بھی آپ کے جسمانی والدین سے کم نہیں ہوتا اور نہ ان کے احسانات ان کے احسانات سے کم ہوتے ہیں۔اساتذہ کی ہمیشہ یہ تمنا ہوتی ہے کہ آپ بڑے آدمی بن جائیں ۔ کسی نے آپ کو ایک حرف بھی پڑھایا تو اپنے آپ کو اس کا مقروض سمجھیں۔استاد دینے والا ہوتا ہے۔اساتذہ وہ چشمے ہیں جو کبھی نہیں سوکھتے، یہ وہ دریا ہیں جو ہمیشہ بہتے رہتے ہیں۔یہ دودھ کی نہریں ہیں۔یہ صدقہ جاریہ ہیں۔اس لئے آپ ان کی قدر کریں ۔آپ کے والدین آپ کو اچھا یونیفارم پہناتے ہین ،اچھا خوراک کھلاتے ہین ،بستہ پکڑاتے ہیں لیکن جب آپ سکول پہنچتے ہیں تو آپ کے اساتذہ ہی آپ کی روحانی پرواخت اور ذہنی نشوونما شروع کر دیتے ہیں اور آپ کے ذہن کو اس موڑ پر لے جاتے ہیں جہاں سے آپ کو اور آپ کے والدین کے خوابوں کو تعبیر ملتی ہے۔استاد کے لبوں پر ہمیشہ یہ شعر

ہوتا ہے کہ

پھلے پھولے سدا یا رب ! چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں۔

اگلے عام انتخابات کے بعد کیا ہو گا؟

الیکشن کب ہو نگے ؟ الیکشن میں کو ن جیتے گا؟ الیکشن کے بعد پاکستان کی صورت حال میں بہتری آ ئیگی یا ابتری ؟

مہنگائی، بجلی اور گیس کی لوڈ شیڈنگ اور بے روز گاری کا بھی کو ئی علاج ہو گا یا نہیں ؟ یہ ہیں وہ سوالات ، جو اس وقت عوام کے ذہنوں میں گردش کر رہے ہیں اور امید و بیم کی حالت میں ان کے شب و روز بسر ہو رہے ہیں ۔ غیب کا علم تو خدا ہی بہتر جا نتا ہے۔ ہم تو موجودہ حالات و واقعات کو پیش نظر رکھ کر مستقبل کی ایک دھندلی سی تصویر ہی پیش کر سکتے ہیں ۔

قرین قیاس یہ ہے کہ عام انتخابات اسی سال ماہ نومبر میں ہو نگے مگر عام انتخابات کے انعقاد سے زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ اگلے عام انتخابات میں کونسی سیاسی پارٹی قو می اسمبلی میں سب سے زیادہ سیٹیں جیت کر حکومت بنانے کی پوزیشن میں ہو گی؟ اس سلسلے میں ایک عام خیال تو یہ ہے کہ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) نے بیسویں آئینی ترمیم کے ذریعے ابھی سے مک مکا کر لیا ہے۔ دونوں جماعتوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ انتخابات سے قبل جو نگران حکومت بنے گی وہ دونوں کی مرضی و منشاء کے مطابق ہو گی، اگر ایسا ہوا تو

اس بات کا پھر قوی امکان ہے کہ انتخابات میں دھاندلی ہو گی، مسلم لیگ (ن) کو اگرچہ واضح اکثریت تو نہیں مل سکے گی مگر دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ اکثریت کی حامل جماعت بن سکتی ہے۔اسکے بعد پیپلز پارٹی، پی ٹی آئی اور دیگر سیاسی جماعتیں با الترتیب قومی اسمبلی میں حصہ بقدر جثہ کی مالک بنیں گی۔یہ ایک ایسی کھچڑی ہو گی جس میں ہر پارٹی سے تھوڑی بہت مقدار شامل ہو گی۔نتیجتاً ایک کمزور حکومت وجود میں آئیگی۔

عین ممکن ہے، مسلم لیگ (ن) حزب اقتدار اور پیپلز پارٹی حزب مخالف پارٹی بن کر سامنے آ جائیں۔اگر ایسا ہوا تو ملک کی موجودہ صورت حال اور آنے والے دور میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہوگا اگرچہ موجودہ حکمران جماعت کی کرپشن، نا اہلی اور ہوس زر کے مقابلہ میں کمی ہوگی مگر کسی انقلابی تبدیلی کا امکاں نظر نہیں آتا کیونکہ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) میں شامل تمام اہم اراکین ایک ہی کلاس سے تعلق رکھتے ہیں اور نظریاتی طور پر ایک ہی خیال کے مالک ہیں اور ایک ہی مقصد ان کے پیش نظر ہے اور وہ ہے مال کمانا اور غریب عوام پر اپنی حاکمیت قائم و دائم رکھنا۔لہٰذا اگر مسلم لیگ ن) اور پیپلز پارٹی کی گٹھ جوڑ سے اگر آئندہ عام انتخابات میں مسلم لیگ (ن) بطور) حکمران جماعت اور پیپلز پارٹی بطور اپوزیشن پارٹی بننے میں کامیابی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں پھر پاکستانی عوام

کے مصائب و مشکلات جوں کے توں رہیں گے۔

لیکن ایک اور خیال یہ ہے کہ آئندہ عام انتخابات میں بالکل مختلف اور ڈرامائی صورت حال پیش آ سکتی ہے۔ کیونکہ عوام موجودہ برسر اقتدار اور اپوزیشن پارٹی سے سخت بیزار ہو چکے ہیں، ان کے ذہنوں میں ان کے خلاف ایک لاوہ ابل رہا ہے۔ عوام کا سیاسی شعور بھی اب کافی بالغ ہو چکا ہے۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ عوام اس مرتبہ تیسرا آپشن استعمال کرے اور عوام کے پاس تیسرا آپشن عمران خان کی صورت میں پاکستان تحریک انصاف ہی ہے۔۔۔ماضی میں بالکل اسی قسم کی صورت حال ہم 1970 میں دیکھ چکے ہیں۔ پیپلز پارٹی 1976 میں وجود میں آئی۔1970 کے عام الیکشن کے وقت وہ ایک نوزائیدہ پارٹی تھی مگر لوگ چونکہ سابقہ حکومت سے بیزار تھے اس لئے انہوں نے بھاری اکثریت سے پاکستان پیپلز پارٹی کو کامیاب کرایا۔ حالانکہ اس وقت پیپلز پارٹی کی پوزیشن بالکل ایسی تھی جیسے آج تحریک انصاف ہے یعنی اس وقت پی پی پی میں وڈیروں، جاگیرداروں، صنعتکاروں اور سرمایہ راروں کی بہتات نہیں تھی۔ مگر جب الیکشن ہوئے تو پی پی پی غیر متوقع طور پر بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گئی کیونکہ عوام ماضی کی حکومتوں سے مایوس ہو چکی تھی۔ اس وقت بھی یہی صورت حال ہے۔ عوام آزمائے ہوئے سیاسی پارٹیوں سے مایوس ہو چکی ہے اور وہ کسی مسیحا کی تلاش میں ہے۔ لہٰذا اس امر کا بھی امکان ہے کہ تا

رخ ایک دفعہ پھر اپنے آپ کو دہرائے اور پاکستان تحریک انصاف انتخابی میدان کا شہسوار بن جائے۔ اگر ایسا ہوا تو پھر توقع کی جا سکتی ہے کہ پاکستان کی سیاست میں ایک ڈرامائی تبدیلی آ ئیگی۔ موجودہ نام نہاد جمہوریت کے دعویدار کمزور پڑ جائینگے۔ وہ عمران خان کو اپنے شیشے میں اتارنے کی بھرپور کوشش کرینگے۔ پھر یہ عمران خان کے قائدانہ صلاحیتوں پر منحصر ہوگا کہ وہ فیوڈل لارڈ کے پریشر کا کس انداز میں مزاحمت کر تے ہیں۔ مگر یہ امید رکھی جا سکتی ہے کہ پاکستان تحریک انصاف کی حکومت ماضی کی حکو متوں سے مختلف ہوگی اور موجودہ حالات میں کافی بہتری آنے کے امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ وطن عزیز میں جس طرح چند خاندانوں نے دولت کے بل بوتے پر غریب عوام کو ورغلانے اور ان سے ووٹ لینے کا جال بچھا رکھا ہے اس کا حصار توڑنا بھی آسان کام نہیں۔ اس لئے اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟ اس کا صحیح اندازہ ابھی سے لگانا ممکن نہیں۔ بہر حال ہمیں بہتری کی امید رکھنی چاہیے۔ انشا اللہ (اگر عوام جاگتے رہے) تو اگلے عام انتخابات پاکستانی عوام کے لئے خوشحالی کا پیش خیمہ ثابت ہونگے۔۔۔۔۔۔

پٹرول اور سی این جی بم ایک ساتھ

پچھلے چار سال سے شاید ہی کوئی ایسا دن گزرا ہو، کہ الیکٹرانک یا پرنٹ میڈیا پر ہمیں کسی نہ کسی چیز کی قیمت بڑھنے کی نوید نہ سنائی دی ہو،آئے روز عوام پر مہنگائی کی گولی یا چھوٹے موٹے میزائل فائر کرنا موجودہ حکومت کا محبوب مشغلہ رہا ہے مگر اس مرتبہ یکم اپریل کو حکومت وقت نے ایک ساتھ دو ایسے بم گرادیئے ہیں۔جس سے عوام کی کمر بالکل ٹوٹ جائیگی اور مکمل طور پر معذور ہو جائینگے۔پٹرول کی قیمت میں آٹھ اعشاریہ دو پیسے جبکہ سی این جی کی قیمت میں گیارہ روپے اٹھاون پیسے کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔گویا تاریخ میں مرتبہ پٹرولیم مصنوعات کی سنچری مکمل کرنے کا اعزاز موجودہ حکومت نے حاصل کر لیا ہے۔اب پٹرول 108 روپے 86 پیسے جبکہ سی این جی 88 روپے 70 پیسے فی کلو دستیاب ہو گی۔

لوگ حیران و پریشان ہیں کہ یہ کیسی حکومت ہے؟ یہ کیسے منتخب عوامی نمائندے ہیں؟ جن کو اپنے عوام پر اس قسم کے بم گرانے میں کوئی ہچکچاہٹ یا شرم محسوس نہیں ہوتی۔عوام تو پہلے سے ہی مہنگائی کی آگ میں بھسم ہو رہے ہیں،ان کا برا حال ہے،وہ پہلے سے ہی زخم خوردہ ہے۔بجلی کی لوڈ شیڈنگ،گیس

کی لوڈ شیڈنگ، بے روزگاری اور اشیائے ضرورت کی قیمتوں میں اضافے نے عوام کا پہلے سے کچو مر نکال دیا ہے جو تھوڑی بہت کسر باقی تھی وہ اب اس ظالمانہ اقدام کے نتیجہ میں نکل جائیگی۔ابھی پرانے زخم جو ناسور بن چکے ہیں وہ مندمل نہیں ہوئے مگر موجودہ حکومت کو پھر بھی عوام پر ترس نہیں آتا۔پرانے زخموں کا مداوہ کرنے کی بجائے وہ ہر بار نئے زخم لگ ائے چلی جارہی

ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ حکوت کو کبھی عوام کے زخموں کو مندمل کرنے کی فکر دامن گیر ہی نہیں ہوئی۔افراط زر کا دیو تباہی مچا رہا ہے۔

عوام کا جینا دو بھر ہوگیا ہے۔متوسط طبقہ پر سب سے بڑھ کر عذاب نازل ہوا ہے۔سفید پوشی کا بھرم رکھنا ممکن ہی نہیں رہا۔محدود آمدنی والے گھرانے بدحال ہو چکے

ہیں۔جس کی وجہ سے جرائم میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔بجلی، گیس اور دیگر ضروریات زندگی کا بل آتا ہے تو رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔یہ سوچ کر دماغ ماؤف ہو جاتا ہے کہ بل ادا کریں یا آٹا دال خریدیں۔بل ادا کریں تو کھانے کو کچھ نہیں بچتا

بازار کو آگ لگی ہوئی ہے۔نرخ پہلے سے ہی آسمان کو چھو رہے ہیں۔پیٹ کاٹ کر بھی پوری نہیں ہوتی اور حکومت ہے کہ مہنگائی پر مہنگائی کرتی جارہی ہے۔ایسے لگتا ہے جیسے حکومت کو ان کے اتحادی جماعتوں اور ہم نوالوں نے

ایک ہی نسخہ ازبر کرایا ہے وہ یہ کہ نرخ بڑھاتے جاؤ، سبسیڈی ختم کرو۔ عوام پر جو گز رتی ہے اس کی پرواہ نہ کرو۔۔۔

عوام یہ بھی جانتی ہے کہ بعض اوقات حکومت کو مشکل فیصلے کئے بغیر چارہ نہیں ہو تا، مگر عوامی قیادت، جس کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور ہے، محشر کی اس گھڑی میں ا نصاف نہیں کرپارہی ہے۔ایک طرف اگر ہم (خصوصا خیبر پختونخواہ کے عوام) پرائی آ گ میں بھسم ہو رہے ہیں تو دوسری طرف اپنی ہی حکومت کے لگائے گئے زخموں سے چور چور ہیں۔

موجودہ حکومت کو کوئی مشورہ دینا تو بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف ہوگا ۔لہٰذا میں عوام سے یہ گزارش کرونگا کہ خدارا! آنے والے انتخابات میں اپنے وو ٹ کا صحیح استعمال کریں۔گذشتہ چند برسوں کے دوران اخبارات، انٹرنیشنل میگزین، قومی اور بین الاقوامی تحقیقی اداروں کی طرف سے پیش کی جانی والی رپورٹس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ موجودہ ابتر صورت حال کی ذمہ دار صرف حکومت اوراپوز یشن ہی نہیں بلکہ خود عوام بھی ہے۔کیونکہ عوام اپنے ووٹ کا صحیح استعمال نہیں کرتی۔ آنے والے عام انتخابات میں عوام کوپاکستان تحریک انصاف اور مستقبل پاکستان جیسی سیاسی پارٹیوں کا آپشن بھی موجودہے۔پھر بھی اگر عوام نے اپنی ذمہ داریوں

کا احساس نہیں کیا تو مہنگائی، بے روزگاری، بد امنی اور بد حالی ان کا مقدر ہو گا۔۔۔۔۔

سڑکوں پر آنا ہی پڑے گا

پاکستانی عوام کی اکثریت اپنے قومی لیڈر شپ سے نالاں اور مایوس ہو چکی ہے۔آپ کسی سے بھی یہ سوال کریں کہ پاکستان کے حالات کو کیسے ٹھیک کیا جا سکتا ہے؟تو اس کا جواب ہوگا کہ پاکستان کے حالات ایک خونی انقلاب کے بغیر ٹھیک نہیں ہو
سکتے۔ مشہور ضرب المثل ہے کہ زبان خلق نقارہ خدا، اگرچہ ہم ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ پاکستان میں کوئی خونی انقلاب آئے مگر حالات و واقعات سے آنکھیں بند کرکے منہ پھیرنا بھی کوئی دانشمندی نہیں۔پاکستان کو قائم ہوئے نصف صدی سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔اس دوران کئی حکومتیں آئیں اور گئیں ہر کسی نے ترقی و خوشحالی کا دعویٰ تو کیا مگر درحقیقت ہم اوپر چڑھنے کی بجائے نیچے تنزلی اور رسوائی کے طرف جا چکے ہیں۔آج جو حال پاکستان کا ہے اسے دیکھ کر ہر محب وطن شخص کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ ملک کے تمام اہم ادارے تباہ ہو چکے ہیں۔
ہر ریاست کے تین بڑے ستون ہوتے ہیں ۔مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ۔ ان میں سے مقننہ اور انتظامیہ تو زمین بوس ہو چکے ہیں ۔ عدلیہ بھی بے بس ہے۔ملک کی معیشت تباہ ہو چکی ہے مگر حکمرانوں کے اللوں تللوں میں کوئی فرق آیا ہے

نہ آیگا بلکہ اس میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے جس کا ثبوت حال ہی میں وزیروں کے تعداد میں بے مقصد اضافہ ہے۔ قومی غیرت و حمیت کا جنازہ نکل چکا ہے۔۔

اگر کسی بھی ملک کے حالات اتنے گھمبیر ہو جائیں تو تاریخ کا سبق یہی ہے کہ اس ملک میں پھر کچھ نہ کچھ ہو کر رہتا ہے۔اور اگر تبدیلی پارلیمنٹ کے ذریعے نہیں آتی تو پھر دوسرا راستہ خونی انقلاب کا ہی رہ جاتا ہے۔اس کی مثال 1789 میں ہمیں فرانس میں ملتی ہے۔ وہاں کیا تھا؟ وہاں ایک مراعات یافتہ طبقے نے ملکی وسائل پر قبضہ جمارکھا تھا۔ وہ عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے تھے جبکہ عوام بھوکوں مر رہی تھی۔آخر جب عوام کا صبر کا پیانہ لبریز ہوگیا تو وہ سڑکوں پر نکل آئے، گلیوں میں پھیل گئے،انصاف اور مساوات کے لئے انہوں نے بھرپور آواز اٹھائی۔ جس کا نتیجہ ایک بہت بڑے انقلاب کی صورت میں نکل آیا۔ مراعات یافتہ اور استحصالی طبقے کے سر کاٹ دیئے گئے۔

غریبوں کا چوسا ہوا خون جب استحصالی ٹولے کی رگوں سے نکال دیا گیا تو پھر وہ رنگ لے آیا۔ ملکی وسائل پر غریب عوام کا حق تسلیم کیا گیا۔اور نہ صرف یہ کہ فرانس دنیا کا ایک ترقی یافتہ ملک بن گیا بلکہ پورے یورپ پر اس کا

اثر ہوا اور اگر یہ کہا جائے کہ آج اگر یورپ ترقی یافتہ ہے تو اس کی بڑی وجہ انقلاب فرانس ہے۔

مگر پاکستانی عوام کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ انقلاب خود بخود نہیں آتے، قوموں کی تقدیریں خود بخود نہیں بدلتیں، اس کے لئے جد و جہد کرنی پڑتی ہے۔ قربانی دینی پڑتی ہے۔ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے کہ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے۔

حکیم الامت شاعر مشرق علامہ محمد اقبال کا نے بھی اسی بات کو شعر کے قالب میں ڈھالتے ہوئے فرمایا ہے، اس قوم کی حالت کبھی نہیں بدلی۔ نہ ہو خیال جس کو اپنے آپ بدلنے کا۔۔۔۔۔۔ گویا یہ بات طے شدہ ہے کہ اپنی حالت بدلنے کے لئے کوشش اور جد وجہد لازمی امر ہے۔ پاکستانی عوام گھروں، کارخانوں، حجروں۔ دفتروں اور چائے خانوں میں اس تمنا کا اظہار تو کرتے ہیں یا اللہ ! پاکستان میں کوئی خمینی پیدا کر، ورنہ ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے۔،، مگر عملی جد و جہد کے لئے میدان میں نہیں نکلتے۔

جبکہ اب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ باقی نہیں رہا۔ کیونکہ دوسرا راستہ پارلیمنٹ کے ذریعے انقلاب کا ہوتا ہے، جو ناممکن ہے۔ ہمارا انتخابی طر

یقنہ کارہی ایسا ہے کہ پارلیمنٹ میں صرف مراعات یافتہ طبقے کا فرد ہی شامل ہو سکتا ہے۔اور پاکستان کے مراعات یافتہ طبقے سے انصاف اور مساوات کی توقع رکھنا عبث ہے۔اگرچہ اس وقت عوام کی نظریں اگلے عام انتخابات پر لگی ہوئی ہیں اور وہ کسی معجزے کے منتظر ہیں۔لیکن اگر ماضی کی طرح اگلے عام انتخابات میں چاچا کی جگہ بھتیجا اور ماما کی جگہ بھانجا ہی پالیمنٹ میں پہنچے تو پھر موجودہ نظام میں کسی تبدیلی کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔بنا بر ایں اگر پاکستانی عوام نے اپنی حالت بدلنی ہے، اور دنیا میں ایک باغیرت، باہمت اور ترقی یافتہ قوم کی شکل میں زندہ رہنا ہے تو پھر موجودہ نظام سے بغاوت ہی اس کا حل ہے اور اس کے لئے سڑکوں پر آنا ہی پڑے گا۔۔۔

پرائیویٹ ملازمین کا حال ناپرسان

پشتو زبان کا ایک مقولہ ہے کہ "نوکری دہ پلار ھم خانہ وی،، یعنی ملازمت باپ کی بھی اچھی نہیں ہوتی۔ملازمت آخر ملازمت ہی تو ہوتی ہے۔کچھ اچھائیاں اور کچھ برائیاں، کبھی نرمی کبھی گرمی ملازمت کا خاصہ ہوا کرتی ہے۔ لیکن ایک بے روزگار شخص سے ملازمت کی قدر پوچھئے تو وہ ملازمت کے حصول کو زندگی کا واحد مقصد اور بہت بڑی تمنا قرار دے گا۔ لیکن ملازمت کرنے والوں سے پوچھئے تو وہ ملازمت کی ہزاروں برائیاں ایک ہی سانس میں سنا دے گا۔ خصوصاً اگر وہ کسی پرائیویٹ ادارے کا ملازم ہو۔ کیونکہ ہمارے ہاں عموماً دو قسم کی ملازمتیں پائی جاتی ہیں۔ سرکاری ملازمت اور پرائیویٹ اداروں کی ملازمت۔جہاں تک سرکاری ملازمت کا تعلق ہے اس میں تو مزے ہی مزے ہیں۔کام کرو یا نہ کرو۔ تنخواہ اور الاؤنسز کھرے، ریٹائرمنٹ کے وقت ایک معقول پنشن اس کے علاوہ، البتہ اتنا ضرور ہے کہ سرکاری ملازمت کا حصول آجکل جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔پاکستان بننے کے بعد دو تین عشروں تک سرکاری ملازمت بغیر کسی سفارش کے میرٹ پر مل جاتی تھی۔ بعد ازیں سفارش کا سلسلہ شروع ہوا اور کسی ایم پی اے، ایم این اے یا اثر و رسوخ والے شخص کی سفارش پر سرکاری ملازمت مل ہی جاتی تھی مگر اب تو وہ سلسلہ بھی تقریبا ختم ہو چکا ہے۔ اب تو سرکاری

ملازمت کے ہر پوسٹ کے دام مقرر کیئے جاتے ہیں اور قائد اعظم کے تصویروں کا نذرانہ پیش کیئے بغیر نوکری ملنا محال ہے۔لہٰذا ان دگرگوں حالات میں اگر کسی کو سرکاری ملازمت ملتی ہے یا پہلے سے سرکاری ملازمت کر رہے ہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنا چاہیئے۔۔۔۔۔

اب آیئے دوسری قسم کی ملازمت یعنی پرائیویٹ اداروں کی ملازمت کی طرف۔اگرچہ پاکستان میں اس وقت لاکھوں کی تعداد میں نوجوان ہاتھوں میں ڈگریاں لئے ہوئے ملازمت کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں اور پرائیویٹ اداروں میں ملازمت حاصل کرنا بھی آسان کام نہیں رہا۔

مگر اس صورت حال سے پرائیویٹ اداروں کے مالکان خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں۔وہ اس طرح کہ وہ اونے پونے داموں پڑھے لکھے لوگوں کی خدمات خرید لیتے ہیں۔مگر جن بدقسمت (خوش قسمت تو وہ ہیں جو سرکار کی ملازمت کر رہے ہیں) لوگوں کا وسیلہ روزگار نجی اداروں میں ملازمت ہے۔ان لوگوں کا حال نہایت قابل رحم ہے۔ان کو جو تنخواہ ملتی ہے وہ سرکاری ملازمین کے مقابلے میں کئی گنا کم ہوتی ہے۔کام ان سے تین گنا زیادہ لیا جاتا ہے۔ان کے عزت نفس کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا۔ان کو جاب سیکیوریٹی حاصل نہیں ہوتی۔

وہ اپنا حق مانگنے کا حق بھی استعمال نہیں کر سکتے۔ کسی ملازم کا کوئی تنقیدی جملہ اگر ادارے کے مالک کے کانوں میں پہنچ جائے تو بہ یک قلم جنبش اس کی ملازمت ختم کی جاتی ہے۔پرائیویٹ ملازمین کو اس وقت تک ملازمت پر برقرار رکھا جاتا ہے جب تک وہ مالک کے لئے سود مند ہے۔ بیماری یا کسی ناگزیر وجوہات کی بناء پر وہ ایک دن بھی اگر اپنی خدمات پیش نہ کر سکے تو اس کی تنخواہ کاٹ دی جاتی ہے۔

یہ پرائیویٹ ملازمین عموماً نجی تعلیمی اداروں، دکانوں، ہوٹلوں، ورکشاپوں یا چھوٹے چھوٹے کارخانوں میں کام کرتے ہیں۔

بڑے بڑے کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کے بھی اگرچہ ایام بڑے تلخ ہوتے ہیں مگر ان کے مفادات کے تحفظ کے لئے ذوالفقار علی بھٹو (مرحوم) نے ایک ادارہ قائم کیا تھا۔ جس کا نام ای او بی آئی ہے۔جو ابھی تک قائم ہے۔اس ادارے کے قانون کے مطابق جو کوئی بھی شخص کم از کم پانچ سال ملازمت کسی رجسٹرڈ ادارے میں مکمل کرلے اور اس کی عمر ساٹھ سال کو پہنچ جائے تو وہ کم از کم پنشن ،جو کہ آجکل تین ہزار روپے ماہوار ہے، کا حقدار بن جاتا ہے۔جسے عموماً ضعیف العمری یا بڑھاپا پنشن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

مگر ضعیف العمر مزدوروں کے ساتھ ہونے والی زیادتی ملاحظہ کیجئے کہ پچھلے سال تمام سرکاری ملازمین کے پنشن میں پندرہ تا بیس فی صد اضافہ کیا گیا تھا مگر ان ضعیف العمر مزدوروں کے پنشن میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا تھا۔اس وقت ای او بی آئی کے پاس اربوں روپے پڑے ہوئے ہیں جو ضعیف العمری پنشن میں اضافہ کرنے کی بجائے نام نہاد عوامی نمائیندوں کے جیبوں اور بنکوں میں جا رہے ہیں پرائیویٹ اداروں میں کام کرنے والے ملازمین کا اس وقت کوئی پوچھنے والا نہیں، ان کا کوئی پرسان حال نہیں، حکومت کو چاہئیے کہ وہ پرائیوٹ اداروں کے ملازمین کے لئے باقاعدہ ایک ریگولیٹری اتھارٹی قائم کرے جو ان کے مفادات کا تحفظ یقینی بنائے۔اور ان کو ان کے حقوق دلوائے۔۔۔۔۔۔۔۔

عوام جھتر کھانے کے لئے تیار رہے

موجودہ حکومت نے جس طریقے سے پاکستانی عوام پر مہنگائی ،لوڈ شیڈنگ، بجلی ، تیل اور دیگر اشیائے ضرورت کی قیمتوں میں بے تحاشہ اضافہ کی صورت میں بار بار بم گر ائے ہیں اور عوام اسے بر داشت کرتے آ رہے ہیں ۔اسے دیکھ کر مجھے ایک پرانی کہانی یاد آ رہی ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں ۔

پرانے وقتوں کی بات ہے، کسی ملک میں ایک بادشاہ رہتا تھا، ڈٹ کر کھاتا تھا۔ ملکی دولت کو بے دریغ لٹاتا تھا،آخر اس کی نا عاقبت اندیشی اور عیاشی کی وجہ سے ملک ما لیاتی بحران کا شکار ہو گیا۔ بادشاہ نے بنکوں اور مالیاتی اداروں سے قرضہ بھی لیا۔ لیکن ملک کی حالت نہ سدھری۔ اس نے اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے وزیروں، مشیروں کا اجلاس بلایا اور اس مسئلہ کو سامنے رکھ دیا۔ اس کابینہ میں ایک سمجھدار وزیر بھی تھا، اس نے بادشاہ کو یہ مشورہ دیا کہ ظل سبحانی ! آپ ملک سے با ہر جانے والے ہر شخص پر دو روپیہ ٹیکس لگا دیں ، انشاللہ خزانے کی کمی پوری ہو جائیگی۔ بادشاہ کو تجویز پسند آئی اور عوام پر یہ نیا ٹیکس اگلے روز سے لاگو ہو گیا۔ لو گوں نے بڑے آسانی کے ساتھ یہ ظلم بر داشت کر لیا۔ کچھ عرصہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا مگر کرپٹ

وزیروں اور خود اس کی کرپشن اور عیاشیوں کی وجہ سے ملک دوبارہ معاشی بحران کا شکار ہوا۔ بادشاہ سلامت نے دوبارہ کابینہ کی میٹنگ طلب کی۔ مشیر سر جوڑ کر بیٹھے تو اس مشیر نے پھر بادشاہ کو یہ مشورہ دیا کی اس مرتبہ ملک کے اندر آنے والوں پر بھی دو روپیہ ٹیکس لگا دیں، بادشاہ نے اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا کہ اس طرح عوام بہت ناراض ہو جائیں گے۔ لیکن وزیر نے اپنی بات پر اصرار کیا اور کہا، میں اس ملک کے لوگوں کی نفسیات سے واقف ہوں، میں دعوے سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ لوگ اس پر کوئی رد عمل ظاہر نہیں کرینگے۔ بادشاہ نے بات مان لی اور ملک میں آنے والوں پر بھی ٹیکس لگا دیا۔ نتائج بڑے حیرت انگیز نکلے، کسی جگہ سے کسی رد عمل کا اظہار نہیں ہوا کچھ عرصہ تک ملک کی مالی حالت درست رہی لیکن بہت جلد ملک کی معاشی حالت دوبارہ بگڑ گئی۔ اب بادشاہ سلامت دلیر ہو گئے تھے انہوں نے ٹیکسوں کی بھر مار کر دی، مہنگائی اتنی بڑھ گئی کہ لوگوں کو سانس لینا مشکل ہو گیا۔ لوگ آپس میں اس ناروا سلوک پر چہ مگوئیاں کرنے لگے تو بادشاہ سلامت نے اس دانا وزیر کو طلب کرکے پوچھا کہ،، عوام اس ظلم کے خلاف بغاوت تو نہیں کرینگے؟ اس سمجھدار وزیر نے کہا، حضور، ان لوگوں میں پلٹ کر جھپٹنے کا حوصلہ ہی نہیں ہے یہ وہ گدھے ہیں جن کی پشت پر اگر ایک من کی بجائے چار من وزن لاد دیا جائے تو یہ سہار لیں گے، ان کی ٹانگیں ٹوٹ جائینگی مگر یہ بوجھ اٹھانے سے انکار نہیں کرینگے۔ بادشاہ نے وزیر کو کہا، یار

کہیں مروا نہ دینا،، وزیر نے جواب دیا، بادشاہ سلامت، فکر نہ کریں، بس آپ ایک اور آرڈر جاری کر دیں، خزانے پر بڑا مثبت اثر پڑے گا۔ بادشاہ نے کہا، ہاں ہاں ، بتاؤ ، کیا کریں۔ وزیر نے کہا، حکم صادر فرمائیں کہ کل سے جو بھی شخص بازار سے سودا سلف خریدنے جائیگا۔ وہ بیس روپیہ ٹیکس دے گا اور ساتھ ہی اس کو دو دو چھتر بھی لگائے جائینگے۔ یہ سن کر بادشاہ نے کہا، نہیں نہیں، یہ ظلم رعایا برداشت نہیں کریگی، بغاوت ہو جائیگی۔ مگر دانا وزیر اپنی تجویز پر بضد رہا۔ آخر بادشاہ نے اس کی تجویز مان لی اور فوری طور پر حکم جاری فرمایا کہ کل سے عوام ٹیکس کے ساتھ ساتھ چھتر کھانے کے لئے گھر سے تیار ہو کر نکلیں۔ اگلے روز بادشاہ کے حکم کے مطابق ہر گلی، ہر بازار اور ہر چوراہے پر سرکاری اہل کاروں نے عوام کو کانوں سے پکڑ کر چھتر مارنے شروع کر دیئے۔ ایک روز بادشاہ شہر کے دورے پر نکلا تو دیکھا کہ ہر شہری کی پشت لہو لہان ہو چکی ہے۔ بادشاہ نے سوچا، کہ چھتر بازی کا یہ سلسلہ اگر بند نہ ہوا تو عوام اٹھ کھڑے ہونگے، بغاوت ہو جائیگی۔ شاہی محل واپس پہنچا تو دانا وزیر کو بلا کر کہا کہ وہ چھتر مارنے کی سزا کو فوری طور پر واپس لینے کا اعلان کرنا چاہتا ہے۔ سمجھدار وزیر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا اور بااعتماد لہجے میں بولا،، بادشاہ سلامت ! آپ چھتر مارنے کا حکم واپس لینا چاہتے ہیں تو بے شک لے لیں مگر کسی قاعدے قانون کے تحت واپس لیں۔ بادشاہ نے قاعدہ قانون پوچھا تو مشیر بولا،، حضور ! آپ

ایک کھلی کچہری میں لوگوں کو جمع کریں، پھر ان سے پوچھیں، کسی کو تکلیف تو نہیں؟ یا کسی کا کوئی مطالبہ تو نہیں؟ لوگ لازمی طور پر چھترباری کی شکائت کرینگے۔اس وقت پھر آپ سزا کے خاتمے کا اعلان فرمادیں۔

بادشاہ کو یہ تجویز پسند آئی۔اگلے روز ایک کھلی کچہری منعقد کروائی گئی۔جس میں بے شار لوگ شریک ہوئے۔بادشاہ نے وزیر کے تجویز کے مطابق سوال پوچھنے شروع کر دیئے لیکن عوام سر جھکا کر بیٹھے رہے۔بادشاہ نے محسوس کیا کہ شاید لوگ مارے خوف کے بول نہیں رہے سو بادشاہ سلامت نے لوگوں کو جان کی امان دیتے ہوئے جب لوگوں کو اپنے مسائل بتانے پر اصرار کیا تو مجمع سے ایک لاغر اور کمزور شخص اٹھا اور بادشاہ کو مخاطب ہو کر بولا، ظل الہی ! عوام کا ایک دیرینہ مطالبہ ہے اگر آپ کرم فرمالیں تو ہم سکھ کا سانس لے سکتے ہیں،، بادشاہ نے خوش ہو کر سوچا۔اب فریادی چھترباری کی سزا معاف کرنے کو کہے گا۔ لہٰذا خوش ہو کر بادشاہ بولا، بولو بولو، آج تمھارا ہر مطالبہ مان لیا جائیگا۔فریادی نے سانس بھرا اور ہاتھ جوڑ کر بولا، ظل سبحانی ! حکومت نے چھتر مارنے کے لئے بہت کم لوگ رکھے ہیں، مہربانی کرکے ان کی تعداد بڑھائی جائے، کیونکہ ہمیں اپنی باری کے انتظار کے لئے بڑی دیر تک لائنوں میں کھڑا رہنا پڑتا ہے،،۔۔۔

قارئین کرام ! اس کہانی کا مقصد یہ ہے کہ اگلی باری پھر زرداری کی اگر ہو گئی (جس کے لئے اتحادی جماعتوں کے ساتھ ابھی سے ساز باز ہو رہی ہے) تو پھر پاکستانی عوام صرف مہنگائی، لوڈ شیڈنگ اور بے روزگاری جیسے عذاب ہی کے لئے نہیں بلکہ جھتر کھانے کے لئے بھی تیار رہے کیونکہ بقول حکیم الامت ،، ہے جرم ضعیفی مرگِ مفاجات

''

قومی زبان یا قوم کی تقسیم

شاید بہت کم لوگوں کو اس بات کا علم ہو گا کہ پچھلے مہینے قومی اسمبلی میں حکومتی بنچوں پر بیٹھنے والے بائیس ارکان اسمبلی نے اپنا تیار کردہ ایک آئینی ترمیمی بل کا مسودہ پیش کیا ہے تاکہ آئین کے آرٹیکل 251 میں ترمیم کی جا سکے۔ واضح رہے کہ آئین کے آرٹیکل 251 میں یہ بات درج ہے کہ پاکستان کی قومی زبان اردو ہے۔ بائیس حکومتی ارکان اسمبلی کی طرف سے پیش کردہ مسودہ بل پر چونکہ حکومت کی طرف سے کوئی اعتراض نہیں کیا گیا۔ اس لئے ضابطہ کے مطابق اسے ایوان کی متعلقہ قائمہ کمیٹی کے سپرد کیا گیا تاکہ غور کے بعد اسے باقاعدہ طور پر اسمبلی میں منظوری کے لئے پیش کیا جا سکے۔ اس مسودہ میں جو نکات درج ہیں وہ ملاحظہ فرمایئے۔

ا: بلوچی، پنجابی، پشتو، شنا، بلتی، سندھی، سرائیکی اور اردو (آٹھ زبانیں) پاکستان کی قومی زبانیں ہونگی۔

۲: انگریزی اس وقت تک دفتری زبان رہیگی جب تک قومی زبانیں متبادل قرار پا سکیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت ملک کی باگ ڈور جن ہاتھوں میں ہے ،وہ کئی لحا ظ سے قابل بھروسہ نہیں رہے، ان کے کرپشن کے قصے بہ زبان عام ہیں ، ملکی ادارے زوال پذیر ہیں ۔ مگر پاکستانی عوام یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ان کو ایسے دن بھی دیکھنے پڑیں گے کہ ملک کی باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آ جائے گی، جن کے اذہان تذبذب باختہ، مفلوج، عصبیت زدہ اور عاقبت نا اندیش ہوں گے۔

ان کے ضمیر مردہ ہو چکے ہونگے اور دیدہ بینا سے محروم و بے بصر مریضان احساس کمتری اور صرف مغرب کی دریوزہ گری پر ثابت قدم ہو کر رہ جائینگے۔ ہوس زر میں اوسان کھو بیٹھیں گے اور صرف آپس میں دست و گریباں ہو کر اپنے ہی ملک کو ذلیل و رسوا کرکے رکھ دیں گے۔ اب رہی سہی کسر وہ قوم کو تقسیم کرکے شاید نکا لنا چا ہتے ہیں ۔کیا انہیں یہ نہیں معلوم کہ قومی زبان کا حق صرف اس زبان کو حاصل ہے جو ملک کے طول و عرض میں رابطہ کی زبان کی صلاحیت رکھتی ہو اور جسے لوگ بول اور سمجھ سکتے ہوں۔کیاں انہیں یہ نہیں معلوم کہ قائد اعظم ،جو خود اردو اچھی طرح بول بھی نہیں سکتے تھے، انہوں نے اردو کو کیوں قومی زبان قرار دیا تھا۔کیا انہیں قومی مزاج کا بھی علم نہیں ؟

ابھی کل ہی کی بات ہے جب نئے وزیر اعظم راجہ پرویز اشرف نے وزیر اعظم ہا

وس کی چھت سے وزیر اعظم ہاوس آنے والے لوگوں سے پوٹھوہاری زبان میں خطاب کرنا شروع کیا تو عوام نے مطالبہ کیا کہ وہ قومی زبان ،،اردو،، میں خطاب کرے۔جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اردو زبان ہی عوام کی پسندیدہ اور قابل قبول زبان اور ہر نوع کی علاقائی اور جغرافیائی نسبت سے بالاتر اور ماوراہے۔

ہمیں یہ بات ہرگزنہیں بھولنی چاہئے کہ قومی مفادات اور قائداعظم کے فرمودات کے صریحامنافی مذکورہ آئینی ترمیم کا مسودہ تاحال قائمہ کمیٹی میں زیر غور ہے۔اور آج ملکی حالات نے جو رخ اختیار کیا ہے اس کی پاداش میں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم تسبیح کے دانوں کی طرح بکھر کر رہ جائیں ۔پاکستان کی بنیاد ایک قوم ایک قومی زبان پر قائم و دائم ہے۔آٹھ زبانوں کو قومی زبان قرار دینے والے لوگ پاکستان کے شاید حصے بخرے کرنا چاہتے ہیں۔کیونکہ مذکورہ مجوزہ آئیی ترمیم نہ صرف آئین کے روح کے منافی ہے بلکہ قومی سلامتی کے لئے خوفناک ترین مضمرات کی حامل ہے۔

قومی اتحاد کے باغی،حب الوطنی کے تقاضوں سے عاری،پاکستان جیسی نعمتوں سے مالامال ملک کے نعمتوں کے منکر اور تعصب و کوتاہ بینی کے آسیب میں مبتلا جن لوگوں کو یہ خبر نہیں ،کہ بین الاقوامی منڈی میں ان کی جو او

نچی بولیاں لگائی جاتی ہیں ، وہ ان کی پذیرائی نہیں بلکہ رسوائی ہے۔ان کو ہوش کے نا خن لینے چاہئیں ۔اس وقت وطن عزیز میں متعدد ادارے نہ صرف قومی زبان اردو کے لئے گراں قدر خدمات سر انجام دے رہ ہیں بلکہ وطن عزیز میں بولی جانے والی علاقائی زبانوں کے فروغ اور ارتقاء کے لئےمسلسل سر گرم عمل ہیں ۔

اندریں حالات ہم سمجھتے ہیں کہ آئین کی ایک بنیادی شق کو سبوتاژ بلکہ منہدم کرنے کے لئے جو شر انگیز تجویز کو سامنے لایا گیا ہے،وہ قوم کو تقسیم کرنے کے مترادف ہے لہٰذا اس کا موثر اور فوری تدارک کیا جائے۔۔۔۔۔

ہے جرم ضعیفی مرگ مفاجات

نیٹو سپلائی لائن آخر کھل گئی، اسے آخر کھلنا ہی تھا، کب تک ایک بھکاری اپنی جھوٹی انا کو جھولی میں سموئے رکھتا۔ آخر ایک بھکاری کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے ؟ وہ تو اپنے داتا ہی کو اپنے زندگی کا محور اور ذریعہ سمجھتا ہے۔ اگرچہ غیرت ہی بڑی چیز ہے دنیا کے تگ و دو میں ، مگر غیرت کبھی کسی کے کشکول میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ اب دیکھئے نا ! جس پارلیمنٹ کے بارے میں ہماری حکومت یہ گردان گردانتے تھکتی ہی نہیں کہ پارلیمنٹ سپریم ہے، پارلیمنٹ سپریم ہے، اس پارلیمنٹ نے بانگ دہل یہ قرارداد منظور کی تھی کہ جب تک امریکہ سلالہ واقعہ پر با قاعدہ معافی نہیں مانگے گا، ڈرون حملے بند کرنے اور پاکستانی علاقے میں دراندازی نہ کرنے کا وعدہ نہیں کرے گا تب تک نیٹو سپلائی لائن بند رکھی جائیگی۔ مگر اب کیا ہوا، کیا امریکہ نے معافی مانگ لی؟ کیا ڈرون حملے بند ہونے یا دراندازی نہ کرنے کا کوئی معاہدہ طے پا گیا؟ نہیں ، کچھ بھی تو نہیں ہوا۔ اگر ہوا تو اتنا ہوا کہ امریکہ نے سلالہ واقعہ پر افسوس کا اظہار کیا جس طرح کسی جگہ ناگہانی حادثہ پیش آجائے تو اس پر عموماً افسوس کا اظہار کیا جاتا ہے۔ گویا امریکہ نے سلالہ چیک پوسٹ پر چوبیس پاکستانیوں کی شہادت کو ایک ناگہانی حادثہ قرار دیتے ہوئے اس پر افسوس کا

اظہار تو کیا مگر اسے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے معافی نہیں مانگی۔ بلکہ صرف ،، سوری کا لفظ استعمال کرتے ہوئے افسوس کا اظہار کیا۔۔ دوسری بات ڈرون حملوں کی بندش ،، کی ہے،اس کے بارے میں امریکہ نے بار بار اپنے اس عزم کو دہرایا ہے کہ ڈرون حملے ہوتے رہینگے، خواہ پاکستان چیں کرے یا چوں،ڈرون حملوں سے ہمارا ہاتھ کوئی نہیں روک سکتا۔یہی وجہ ہے کہ نیٹو سپلائی لائن تو کھول دی گئی ہے مگر پاکستانی حکمرانوں کی زبانی ڈرون حملوں کا ذکر ہی سنائی دے رہا ہے۔

اسی طرح پاکستانی سرحدوں پر امریکہ کی دراندازی یا سلالہ چیک پوسٹ جیسے واقعات کو دوبارہ نہ ہونے کی یقین دہانی بھی نظر نہیں آتی۔

اس کے بارے میں امریکہ کا ایک واضح موقف ہے اور وہ یہ کہ انہیں اپنے کسی بھی دشمن کا پیچھا کرنے کا حق حاصل ہے اور یہ حق ہم سے کوئی لے نہیں سکتا۔

قصہ مختصر،پاکستانی پارلیمنٹ کی منظور شدہ قراداد کی حیثیت محض دکھاوے کا ایک کاغذ کا ٹکڑا ثابت ہوا۔ مگر کیوں ؟ اس کا جواب بھی بڑا واضح ہے،اس کا جواب حکیم الامت شاعر مشرق علامہ اقبال کے فرمودہ اس شعر کے مصرع میں تحریر ہے کہ" ہے جرم ضعیفی مرگ مفاجات ،، ہم کمزور ہیں ،ہمارا حوصلہ

پست ہے۔ ہمارے حکمران سمجھتے ہیں کہ امریکہ جیسے عالمی طاقت سے لڑنا تو در کنار ان سے مدد لئے بغیر ہم جی ہی نہیں سکتے، ان کے دست کرم کے بغیر ہم امور مملکت چلا، ہی نہیں سکتے۔ ہمارے حکمرانوں کے دل و دماغ پر چھائے اس خوف نے پوری قوم کو اتنا ضعیف بنا دیا ہے کہ اب بیسا کھیوں کے بغیر چلنے کی ہمت ہی باقی نہیں رہی۔

یہ سات مہینے جو نیٹو سپلائی لائن بند رہی یہ بھی ہمارے نام نہاد جمہوری حکمرانوں کے اعصاب پر بہت بھاری رہی۔ وہ تو یہ بھی نہیں چاہتے تھے مگر پاک فوج کے سپہ سالار جنرل کیانی سلالہ چیک پوسٹ واقعہ پر اتنے رنجیدہ تھے کہ وہ سپلائی لائن بند کرنے پر بضد رہے۔

اور امریکہ کی طرف سے با قاعدہ معافی نہ مانگنے کی صورت میں سپلائی لائن بحال کر نے پر آمادہ نہیں ہو رہے تھے۔ اس سات ماہ کے دوران صدر محترم آصف علی زرداری صاحب اور ان کے حواری آرمی چیف جنرل کیانی کو بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر اپنی معاشی بدحالی اور امریکہ کی مدد کی اہمیت بتاتے رہے، آخر وہ بھی راضی ہو ہی گئے۔ تاکہ کل کو اس پر یہ الزام نہ لگے کہ فوج سیول حکومت کو آزادانہ فیصلے کر نہیں دیتی۔ لہذا با ضابطہ طور پر معافی مانگے بغیر صرف لفظ " سوری " پر ہی اکتفا کیا گیا۔

نیٹو سپلائی لائن بحال کرنے سے پاکستانی عوام کو کیا فائدہ حاصل ہوگا ؟ کیا سرحدوں پر متعین ہمارے سیکیورٹی اہلکاروں کی سر بریدہ ، جلی ، کٹی ہوئی لاشیں گھر آنا بند ہو جا ئینگی ؟ کیا ہمارے غیور قبائلی پٹھانوں پر ڈرون حملے اور میزائل برسانا بند ہو جا ئینگے ؟ کیا نیٹو سپلائی لائن پر جانے والے کنٹینرز میں بند اسلحہ اور بارود پاکستانی قوم کے فرزندوں پر استعمال نہیں کیا جائیگا ؟ مہنگائی، بے روزگاری اور لوڈ شیڈنگ کا تدارک کیا جا ئیگا ؟ نہیں ، اگر ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے تو پھر سپلائی لائن کھولنے کا پاکستانی قوم کو کیا فائدہ ؟

فائدہ ہوگا تو امریکہ کو ہوگا، ہمیں تو نقصان ہی نقصان ہے۔ہم تو جیتے جی ہی مر چلے کیوں کہ ہمارے حکمران کمزور ہیں، ضعیف ہیں۔

،،اور بقول حکیم الامت علامہ اقبال

”ہے جرم ضعیفی مرگ مفاجات“

اب حیدر ہوتی بھی ٹینٹ ہی لگا دے

اس شدید گرمی کے موسم میں بجلی نہ ہو، تو جس قسم کے عذاب سے گزرنا پڑتا ہے، اسے صرف وہی لوگ ہی محسوس کر سکتے ہیں جو اس عذاب سے گزر رہے ہوں۔ حکمران طبقہ یا اہل زر لوگ لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے ملنے والے دکھ، درد اور مشکلات کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے اس لئے کہ انسانی فطرت ہے کہ محسوس وہی کچھ ہوتا ہے جو اپنے آپ پر گزرے، دوسروں پر گزرنے والے مصائب کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو خود ان پر گزر رہی ہو یا کبھی ان پر گزری ہو۔

صوبہ خیبر پختونخواہ میں برسر اقتدار حکمران جماعت عوامی نیشنل پارٹی جس عام انتخابات کے بل بوتے پر اقتدار کے مزے لوٹ رہی ہے اس عام انتخابات سے پہلے (اگر ان کو یاد ہو) ان کا عوام سے یہ وعدہ تھا کہ اگر عوام نے انہیں ووٹ دیئے اور وہ برسر اقتدار آئے تو نہ صرف یہ کہ لوڈ شیڈنگ ختم کر دی جائیگی بلکہ سو یونٹ تک بجلی عوام کو مفت فراہم کی جائیگی۔ بھولے بھالے عوام نے ان کے باتوں پر یقین کر لیا، ووٹ دیئے اور عوامی نیشنل پارٹی کو مسند اقتدار تک پہنچا دیا۔ مگر اب صورت حال کیا ہے ؟ اس کا اندازہ شاید صوبے کے حکمرانوں کو نہیں ہے۔ دیہاتوں کا تو ذکر ہی کیا، وہاں تو بجلی

کبھی کبھار آتی ہے اور رخ محبوب کی طرح اپنے عاشقوں کو ترسا کر چلی جاتی ہے۔۔ میں نے پچھلے چار دن اپنے آبائی گاؤں موضع ڈیلی میلہ (ضلع کرک) میں گزارے ہیں ۔یقین کیجئے، کہ ان چار دنوں میں مجھے ٹھنڈا پانی پینا نصیب نہ ہوا، کیونکہ ریفریجریٹر تو تھے مگر بجلی نہیں تھی، میں کسی دوپہر کو سو نہ سکا کیونکہ پنکھے تو تھے مگر بجلی نہیں تھی، رات کو چین نہ پایا کیونکہ مچھروں سے لڑائی بغیر بجلی کے ممکن ہی نہ تھی۔ مگر صوبہ خیبر پختونخواہ کے دل پشاور کا حال بھی دیہاتوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ہر ایک گھنٹے کے بعد ایک گھنٹہ کی لوڈ شیڈنگ تو معمول ہے ہی، مگر اس کے علاوہ بھی چار چار گھنٹے، دو دو گھنٹے بجلی کا غائب ہونا معمول بن چکا ہے۔ پشاور جو پورے صوبے کا اہم تجارتی مرکز ہے، لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے بری طرح متاثر ہو رہا ہے۔

بعض لوگ تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق گھروں سے نکل کر سڑکوں پر احتجاج بھی کر لیتے ہیں ۔اگر چہ ان کا سننے والا یا احتجاج کا نوٹس لینے والا تو کوئی نہیں مگر وہ بیچارے دل کا غبار نکالنے سڑکوں پر آ ہی جاتے ہیں مگر صوبے کی نوے فی صد آبادی تو احتجاج کرنے کو بھی بے معنی اور لا حاصل پریکٹس اس لئے سمجھتی ہے کہ ان کو اپنے حکمرانوں سے یہ امید ہی باقی نہیںن رہی ہے کہ وہ ان کے احتجاج پر کان دھرینگے یا ان کے دکھ کو وہ دکھ محسوس کرینگے۔

کچھ عرصہ پہلے صوبہ پنجاب کی بھی یہی حالت تھی۔لوڈ شیڈنگ نے عوام کا جینا دو بھر کر رکھا تھا، وہ سڑکوں پر نکلے،احتجاج کیا تو ان کے وزیر اعلی شہباز شریف نے ان کے دکھ کو محسوس کیا اور انھوں نے بھی احتجاجا اپنا دفتر ایر کنڈیشنڈ کمروں سے اٹھا کر مینار پاکستان کے سائے تلے ٹینٹ لگا کر چلچلاتی دھوپ میں امور سلطنت چلانا شروع کیا۔لیکن جب وفاقی حکومت کے کان پر جوں تک نہ رینگی تو وہاں سے ٹینٹ اکھاڑ کر راولپنڈی چلے گئے اور وہاں ٹینٹ میں کام کرنا شروع کر دیا تاکہ اسلام آباد میں ایر کنڈیشنڈ کمروں میں بیٹھے حکمرانوں کو صوبہ پنجاب کے عوام کا احتجاج اور دکھ پہنچا سکے۔ان کی یہ کوشش کامیاب ہوئی۔نئے وزیر اعظم راجہ پرویز اشرف نے صوبہ خیبر پختو نخواہ کے حصے سے بجلی کاٹ کر صوبہ پنجاب کو دی۔یوں پنجاب کے عوام نے تھوڑا بہت سکھ کا سانس لیا مگر صوبہ خیبر پختو نخواہ کے عوام پر اضافی بوجھ ڈال کر مزید اندھیروں میں دھکیل دیا گیا۔اور اب حالت یہ ہے کہ پشاور جیسے بڑے کاروباری مرکز میں سولہ سولہ گھنٹے لوڈ شیڈنگ ہو رہی ہے جو کسی بہت بڑے عذاب سے کم نہیں۔

چونکہ ہمیں یقین ہے کہ عوام کے احتجاج کا وفاقی حکومت پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔اس لئے ہم صوبہ خیبر پختو نخواہ کے وزیر اعلیٰ جناب امیر حیدر خان

ہوتی سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ صوبے میں ہونے والے ناروا لوڈ شیڈنگ سے نجات پانے صوبہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ کی تقلید کرتے ہوئے جناح پارک میں ٹینٹ لگا کر احتجاج ریکارڈ کر وادے۔شاید اس طرح وفاقی حکومت کو کچھ رحم آ جائے اور لوڈ شیڈنگ میں کمی آ جائے۔۔۔۔۔۔۔۔

کیا پھر بھی موجودہ حکمرانوں کو ہی ووٹ دو گے؟

وطن عزیز کو وجود میں آئے ہوئے پینسٹھ سال کا طویل عرصہ گزرنے کو ہے۔اس دوران کئی حکومتیں آئیں اور گئیں۔فوجی جرنیلوں نے بھی عنانِ اقتدار سنبھالی اور سیاسی لیڈروں نے بھی اقتدار کے مزے لوٹے۔پاکستانیوں کی ایک بڑی تعداد جو اس وقت زندہ ہے، نے ان گزرے ہوئے حکمرانوں کا طرزِ حکومت اور اندازِ حکمرانی دیکھا،پرکھا۔مگر سچی بات یہ ہے کہ موجودہ حکمرانوں نے (جو پیپلزپارٹی اور ان کے اتحادی جماعتوں پر مشتمل ہے) جس طرح حکومت چلائی، جس طرح کرپشن کے نئے ریکارڈ قائم کئے، جس طرح عام آدمی کا جینا دوبھر کیا، اس طرح ماضی میں کبھی نہ دیکھا، نہ بھالا۔

آج آپ اخبار اٹھائیں یا ٹی وی کھول کر دیکھیں، ہر طرف ایک ہی پکار، ایک ہی فریاد پڑھنے اور سننے کو ملے گی، لوڈشیڈنگ، مہنگائی اور بے روزگاری۔آدھی سے زیادہ قوم تو نفسیاتی مریض بن چکی ہے مگر افسوس کہ موجودہ حکمرانوں کو عوام کے مسائل اور مشکلات کے حل کرنے میں کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے۔ان کو فکر ہے تو اپنی تجوریاں بھرنے کی اور عرصہ اقتدار کو طول دینے کی فکر ہے۔عوام کے مشکلات اور مصائب کا حل ڈھونڈنا ان کے ترجیحات میں شامل

ہی نہیں ۔وزرائ، سینیٹرز، وزیر اعظم اور صدر سب عوام سے جھوٹ بول رہے ہیں۔
چند دن پہلے ماہ رمضان کے دوران افطار اور سحری کے اوقات میں بجلی کی لوڈشیڈنگ نہ کرنے کے دعوے اور اعلانات کیے گئے تھے۔مگر حقیقت کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ بجلی کی لوڈشیڈنگ میں کمی کے بجائے مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔روزہ داروں کو افطار، سحر اور نماز تراویح کے دوران ہی اندھیرے، قیامت خیز گرمی اور شدید حبس کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ عوام اپنے غصے کا اظہار سڑکوں پر نکل کر، رکاوٹیں کھڑی کرکے تو کر لیتے ہیں، واپڈا دفاتر میں توڑ پھوڑ بھی کر لیتے ہیں مگر موجودہ حکمرانون پر اس احتجاج کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔بلکہ الٹا اسے سازش یا شہباز شریف کا کیا دھرا سمجھتے ہیں ۔گو یا حکمرانوں کے خیال میں لوڈشیڈنگ سے عوام کو کوئی خاص تکلیف ہی نہیں۔ سڑکوں پر ان کا احتجاج کسی اور کا ان کو اشتعال دلانے کا نتیجہ ہے۔
موجودہ وزیر اعظم جناب راجہ پرویز اشرف جب پانی و بجلی کے وزیر تھے تو ایک دفعہ نہیں کئی مرتبہ بڑے وثوق سے اعلان کرتے رہے کہ ملک میں 13 دسمبر 2009 کو بجلی کی لوڈشیڈنگ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی۔اس وقت موجودہ حکومت پانچ سال پورے کرنے والی ہے مگر لوڈشیڈنگ تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ نہ صرف اپنی جگہ موجود ہے بلکہ اس میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے۔

بجلی کی لوڈ شیڈنگ کے علاوہ مہنگائی، بے روزگاری اور بدامنی جیسے مسائل نے عوام کا جینا دوبھر کر رکھا ہے۔ایسا بھی نہیں ، کہ ان مسائل کا کوئی حل موجود نہیں ، حل موجود ہے۔ مثلاً صرف تھر کول کے منصوبے سے پچاس ہزار میگا واٹ بجلی پیدا کی جا سکتی ہے مگر موجودہ حکمران عوام کے مسائل حل کرنے میں حقیقتاً کوئی دلچسپی ہی نہیں لے رہے ہیں۔ وہ صرف ان منصوبوں پر کام کرنا چاہتے ہیں جس میں اربوں روپوں کا کمیشن مل سکے۔

اب اگلے عام انتخابات سر پر ہیں۔سیاسی پارٹیوں نے انتخابات کی تیاری شروع کر رکھی ہے۔پاکستان پیپلزپارٹی اور اس اتحادی سیاسی پارٹیاں آئیندہ عام انتخابات میں اپنے ناکامیوں، جھوٹ اور فریب کے ساتھ انتخابی میدان میں اتریں گے اور عوام کے سامنے جلسوں میں اپنے بے بسی کا رونا روئیں گے۔ جلسوں میں ہاتھ اٹھا اٹھا کر، گلا پھاڑ پھاڑ کر کہیں گے کہ ہم آپ کے لئے اس لئے کچھ نہ کر سکے کہ عدلیہ ہمارے خلاف تھی، فوج ہمارے خلاف تھی، بیوروکریسی نے ہمارے ہاتھ پاؤں باندھ رکھے تھے، ورنہ ہم تو آسمان کے تارے توڑ کر تمہارے قدموں میں رکھ دیتے۔اگر اس دفعہ آپ نے ہمیں ووٹ دیئے تو ہم یہ کریں گے، وہ کریں گے۔کیا پاکستانی عوام ان کے باتوں کا یقین کر لے گی؟کیا پاکستانی عوام پھر بھی موجودہ حکمرانوں کو ہی ووٹ دے گی؟ یہی وہ سوال ہے جو محب وطن، پڑھے لکھے اور سمجھدار لوگوں کے دل و دماغ پر چھایا

ہوا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ خدانخواستہ اگر ایسا ہی ہوا اور عوام نے ملتان میں ہونے والے ضمنی الیکشن کی طرح موجودہ حکمرانوں کو ہی ووٹ دیئے تو پھر خدا سے گلہ کریں نہ زرداری سے شکایت۔ بلکہ اپنے آپ کو ذمہ دار اور قصوروار سمجھیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تمنا ایک عید کی مگر۔۔۔؟

ایک ہی روز عید منانے کی تمنا ہر مسلمان کے دل میں موجود ہے، ہر کوئی چاہتا ہے کہ دنیا کے تمام مسلمان ایک ہی دن مسلمانوں کے سب سے بڑے تہوار یعنی عیدین کو ایک ہی دن منائیں ، تمام مسلمانوں کا ایک ہی ہجری کیلنڈر ہو، یا کم از کم وطن عزیز، پاکستان، میں ایک ہی روز عید ہونی چاہیئے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ ماضی پر نظر دوڑائیں تو ایسا بہت کم ہوا ہے کہ ہمارے ہاں پورے ملک میں ایک ہی روز عید منائی گئی ہو۔ بلکہ یہاں تو تین تین عیدیں منانے کی رسم بد بھی دیکھی گئی ہے۔ اس سال خوش قسمتی سے ماہ رمضان کا آغاز ایک ہی روز کیا گیا لہٰذا یہ توقع بھی پیدا ہوئی کہ آنے والی عید بھی انشا اللہ پورے ملک میں ایک ہی روز منائی جائے گی۔ مگر یہ آس ایک خوش فہمی کے علاوہ شاید کچھ نہ ہو۔ کیونکہ محکمہ موسمیات نے پیشین گوئی کی ہے، جس کی تشہیر میڈیا پر کی گئی ہے کہ 18 اگست بروز ہفتہ عید کا چاند نظر آنے کا امکان بہت کم ہے لہٰذا عید الفطر 20 اگست بروز پیر منانے کا قوی امکان ہے۔ حکومت وقت نے بھی عید کی تعطیلات کا اعلان 20،21 اور 22 اگست یعنی پیر، منگل اور بدھ کے دن عام تعطیلات کا اعلان کیا ہے جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ عید 20 اگست بروز پیر ہی منائی جائیگی۔

اگر ہم محکمہ موسمیات کی پیشینگوئیوں پر نظر ڈالیں تو اس پر بہت کم ہی یقین کیا جا سکتا ہے۔اس سال انہوں نے ملک میں 20 فی صد زیادہ بارش ہونے کی پیشین گوئی کی تھی جو بالکل غلط ثابت ہوئی بلکہ 20 فی صد زیادہ کی بجائے 20 فی صد کم بارشیں ہوئیں ہیں۔ اسی طرح میں نے روزانہ کی بنیاد پر پشاور کے موسم کے بارے میں محکمہ موسمیات کی پیشین گوئی انٹرنیٹ پر ملاحظہ کی ہے اور میں نے یہ بات نوٹ کی ہے کہ محکمہ موسمیات کی پچھتّر (75) فی صد پیشین گوئیاں غلط ثابت ہوئی ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ محکمہ موسمیات کی پیشین گوئیاں صحیح ہوتی ہیں اور ہمیں اس پر یقین رکھنا چاہیے۔بوجہ ازیں ہمیں یہ مفروضہ بھی نہیں مان لینا چاہئے کہ عید کے چاند سے متعلق ان کی بات ہی درست ہو گی۔

جہاں تک مرکزی رویت ہلال کمیٹی کا تعلق ہے تو ان کے فیصلے قبل ازیں عموماً متنازعہ رہے ہیں ۔ خصوصاً پشاور کے مسجد قاسم علی خان میں عید کے چاند سے متعلق فیصلہ کرنے والے علماء کرام ہمیشہ ان سے اس بات شاکی رہے ہیں کہ مرکزی رویت ہلال کمیٹی ان کے ہاں پیش ہونے والے گواہان اور شہادتوں کو تسلیم نہیں کرتے۔جس کی وجہ سے ملک میں دو دن عید منانے کی نوبت آتی ہے۔

مذکورہ بالا حالات و واقعات کے تناظر میں ہم حکومت اور علماء کرام سے پر زور گزارش کرتے ہیں کہ عوام کی خواہش اور آرزو کو مد نظر رکھتے ہوئے وہ اس بات کا اہتمام کرے کہ پورے ملک میں ایک ہی روز عید منائی جائے۔جس کے لئے چند تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

اول یہ کہ اگر ممکن ہو تو حرمین شریفین (سعودی عرب) کے ساتھ عید منانے پر اتفاق کیا جائے یا پھر سعودی عرب میں عید کے دوسرے دن یہاں عید منانے پر علماء کرام کے درمیان اتفاق رائے پیدا کی جائے۔اور اگر یہ بھی نہیں کیا جا سکتا تو پھر ہم مرکزی رویت ہلال کمیٹی اور ملک کے دیگر علماء کرام سے عاجزانہ گزارش کرتے ہیں کہ وہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے عید کے چاند کے متعلق فیصلہ کرتے وقت عوام کی تمنا کو مد نظر رکھتے ہوئے کوشش کریں کہ عید پورے ملک میں ایک ہی روز منائی جائے۔ اسے اپنی انا کا مسئلہ ہر گز نہ بنایا جائے۔یاد رکھیں کہ اپنے اس سب سے بڑے تہوار یعنی عید کو دو دنوں میں تقسیم کرنے پر ہم نہ صرف اپنے ہم وطنوں کے آرزو کا گلا گھونٹتے ہیں بلکہ جگ ہنسائی کا باعث بھی بنتے ہیں اور غیر مسلموں کی کی تضحیک کا نشانہ بھی بنتے ہیں ۔لہٰذا ہماری بس اتنی اپیل ہے کہ عید اتوار کے روز ہو یا پیر کے دن، مگر ایک ہی روز ہو،یہی ہماری تمنا ہے یہی اٹھارہ کروڑ عوام کی آرزو ہے۔۔۔۔۔

پٹرول بم حملے، حکومت کا ظالمانہ رویہ

پچھلے چند سالوں سے ٹی وی کھول کر دیکھیں یا اخبار کھول کر پڑھیں تو دل جلا دینے والی خبروں کے علاوہ کچھ سننے کو ملتا ہے نہ پڑھنے کو۔

دل چاہتا ہے، ٹی وی کھول کر دیکھوں نہ اخبار خرید کر پڑھوں، مگر پھر سوچتا ہوں کہ اگر کبوتر بلی دیکھ کر آنکھیں بند بھی کرلے تو بلی اسے کھانے سے باز تو نہیں آئیگی۔ ہم ٹی وی دیکھیں یا نہ دیکھیں، اخبار پڑھیں یا نہ پڑھیں، حکمرانوں کی بے حسی اور ظالمانہ سلوک سے ہم بچ تو نہیں سکتے۔ اب گزرے شام کو ٹی وی کھول کر دیکھا یا ابھی چند لمحے پہلے اخبار کھول کر نظر دوڑائی تو ایک ہی سر چکرا دینے والی خبر دیکھنے اور سننے کو ملی۔ کہ پٹرول 7.77 روپے ڈیزل 5.94 روپے فی لیٹر اور سی این جی 7.11 فی کلو مہنگا کر دیا گیا۔

عید کی چھٹیاں ابھی ختم نہیں ہوئی تھیں کہ حکومت نے پٹرولیم مصنوعات اور سی این جی کی قیمتوں میں اضافے کا اعلان کرکے گویا عوام پر پٹرول بم گرا دیا۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کی

وجہ سے تمام اشیائے ضرورت کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے جو ہمیشہ عام آدمی کو متاثر کرتی ہے۔ ڈیزل کا استعمال بھاری گاڑیوں اور جنریٹروں میں ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے ٹرانسپورٹ کے کرایوں اور دوسرے اخراجات میں اضافہ نا گزیر ہو جاتا ہے۔ رکشوں، ٹیکسیوں اور دیگر چھوٹی گاڑیوں میں عموماً سی این جی کا استعمال ہوتا ہے۔ جس کا اثر بھی عام آدمی پر ہی پڑھتا ہے۔ ابھی صرف ایک ذہفتہ ہی گزرا ہے کہ حکومت نے دوسری مرتبہ تمام پٹرول مصنوعات اور سی این جی کی قیمتوں میں اضافے کا اعلان کر دیا اور عالمی منڈی میں نرخوں میں اضافے کا سارا بوجھ پہلے سے بوجھ تلے کمر توڑ عوام پر ڈال دیا گیا۔

یہاں یہ بتاتا چلوں کہ پٹرولیم مصنوعات کے قیمتوں میں پے در پے، ہر ہفتے اضافہ حکومت کی مجبوری ہر گز نہیں ہے۔ بلکہ ایک ظالمانہ اقدام ہے۔ حکومتی خزانہ میں رقم بھرنے کا چونکہ یہ ایک آسان ذریعہ ہے۔ اس لئے حکومت بڑی بے رحمی کے ساتھ محصولات بڑھانے کے لئے پٹرولیم مصناعات میں اضافہ کر لیتی ہے۔ ورنہ حکومت کے پاس محصولات بڑھانے کے اور کئی ذرائع موجود ہیں۔

مگر افسوس کہ موجودہ حکومت کو نہ تو کرپشن کے ذریعے قومی خزانے کو پہنچانے والے بھاری نقصان کی پرواہ ہے اور نہ ہی وسائل پر قابض

اشرافیہ سے ٹیکسوں کی وصولی ان کی ترجیحات میں شامل ہے۔جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ حکومت اور اپوزیشن بنچوں پر بیٹھنے والے زیادہ تر افراد کا تعلق اسی طبقہ سے ہے۔ لے دے کے حکومت نے ایک ہی طریقہ اختیار رکھے ہوئے ہے کہ پٹرولیم مصنوعات میں اضافہ کرکے، مہنگائی اور افراط زر کا سہارا لیا جائے جو محصولات کی بدترین اور انتہائی ظالمانہ صورت ہے۔حالانکہ ہمارے پاس بے شمار معدنی دولت موجود ہے،انہیں بروئے کار لایا جاسکتا ہے،حکومت اپنے شاہانہ اخراجات میں کمی کرکے یا اپنے وزراء کی تعداد میں کمی کرکے حکومتی خزانے میں اضافہ کیا جاسکتا ہے مگر افسوس کہ حکومت ایسا کرنے کو تیار ہی نہیں ۔اپنی صنعت،زراعت اور تجارت کو سہارا دینے کی بھی کوئی حکمت عملی بھی نہیں ۔ غبن ، لوٹ مار، کک بکس، کمیشن، بھتہ وصولی،ملازمتوں کی فروخت اور املاک پر ناجائز قبضوں کی روک تھام حکومت کے امکان سے باہر کی چیزیں تو نہیں ہیں۔دنیا بھر میں تیل کے نرخوں میں اضافے کے باعث اگر کئی چیزیں مہنگی ہوتی ہیں تو وہ غذائی اشیاءکے قیمتوں کو عام آدمی کے رسائی میں رکھنے کی تدبیر کرتے ہیں ۔ اور ان کی قیمتوں پر سخت کنٹرول رکھا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں ماضی میں غذائی اشیاءکے نرخوں میں معمولی اضافے کا بھی نوٹس لیا جاتا تھا۔کابینہ اور ایکنک کا اجلاس بلا کر صورت حال پر قابو پانے کی تدابیر کی جاتی تھیں مگر

موجودہ حکومت کو عوام کے مشکلات کا کوئی احساس ہی نہیں۔اور بڑی بے رحمی کے ساتھ عوام پر مسلسل پٹرول بم گرا رہی ہے۔ مگر موجودہ حکمرانوں کو یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہیے کہ 18 ' فروری 2008 کے انتخابات میں انہیں برسر اقتدار لانے والے عوام اپنے حالات میں اچھی تبدیلی کی توقع رکھتے تھے۔ آنے والے عام انتخابات میں انہیں پھر عوام کے پاس جانا ہے۔اس لئے عوام پر مزید بوجھ بڑھانے سے اجتناب برتیں۔ بار بار پٹرول بم گرانے سے باز آ جائیں۔ خلق خدا کا بہت زیادہ امتحان ہو چکا ہے۔اب بس کریں۔ کوئی ایسی تدابیر اختیا کریں، جن کے ذریعے غریب اور متوسط طبقے کے لئے کچھ تو سانس لینے کی گنجائش موجود ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تاریخ سے لاعلم پاکستانی قیادت

عام طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ جمہوری نظام ایک بہترین نظام حکومت ہے کیونکہ جمہوریت وہ طرز حکومت ہے جو عوام کے ذریعے اور عوام کے لئے ہی ہوتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ہاں جمہوری حکومت نے عوام کو جمہوریت سے بدظن اور اور مایوس کر دیا ہے۔ وطن عزیز میں حکمران طبقہ نہ تو جمہوری نظام کی روح سے شنا سا ہے اور نہ ہی اپنے آباء و اجداد کی تعلیمات و عملیات سے واقف ہے۔

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے کہا تھا" میں بڑھاپے میں اس لئے جد و جہد نہیں کر رہا کہ سرمایہ دار اور اعلیٰ بیوروکریسی کو ملک کے وسائل لوٹنے کا موقعہ ملے بلکہ میری جد و جہد اس لئے ہے کہ میں غریبوں، محتاجوں، بیواؤں، یتیموں اور محروم الوسائل عوام کی مدد کر سکوں،، سردار دوجہاں سرور کائنات ﷺ نے اپنا کل اثاثہ اپنے خالق و مالک اور رب رحیم کے پاس جانے سے پہلے غریبوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ آپ کی رحلت کے وقت گھر میں چراغ جلانے کے لئے تیل بھی موجود نہ تھا۔ آپ کی ازدواج مطہرات اور صحابہ کرام کا بھی معمول تھا کہ گھر آئے مہمان کو کھانا کھلائے بغیر جانے نہیں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ مہمان کو بے خبر رکھنے کے لئے کہ

وہ خود کھانا نہیں کھا رہے ہیں، اپنے گھر کا چراغ بجھا دیتے تھے تا کہ وہ بے خوف و خطر پیٹ بھر کر کھانا کھا لیں۔۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔"کہ مومن غریبوں اور حاجت مندوں کو اپنی جان پر ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ خود تنگ دست ہوں،، حضرت عمر بن عبد العزیز جنہیں پانچواں خلیفہ راشد بھی کہا جاتا ہے، اپنا منصب سنبھالنے سے پہلے اس قدر مالدار تھے کہ ان کے خزانوں کی چابیاں اونٹوں کی قطار پر لاد کر لے جائی جاتی تھیں لیکن منصب سنبھالنے کے بعد انہوں نے فقیرانہ زندگی اختیار کر لی، جب سرکاری کام ختم ہو جاتا تھا تو سرکاری لیمپ بجھا دیتے اور تیل جلا کر اس کی روشنی میں ذاتی کام کرتے۔ایک دفعہ کھانے میں ان کی زوجہ محترمہ نے انہیں کچھ میٹھا پیش کیا۔آپ نے پوچھا، یہ کہاں سے آیا ہے؟ زوجہ محترمہ نے بتایا کہ بیت المال سے روزانہ ملنے والے راشن سے چٹکی چٹکی آٹا بچا کر یہ میٹھا بنایا ہے۔آپ نے اسی وقت حکم دیا کہ کل سے بیت المال سے اتنا راشن کم آیا اور ہلا کرے، جتنا آپ نے میٹھا بنانے پر صرف کیا ہے۔

دور کیوں جایئے، مغلیہ خاندان کے آخری بڑے حکمران اورنگ زیب عالمگیر ٹوپیاں سی سی کر اور قرآن مجید کی کتابت کر کے اپنی ضروریات پوری کرتے تھے۔

ہمارے اپنے بانی پاکستان حضرت قائدا عظم ایک ایک پائی کا حساب رکھتے تھے۔اور جہاں بھی کوئی غلطی کرتا یا قائدا عظم کے اندازے سے زیادہ خرچ کرتا تا اس کی سخت باز پرس کرتے۔ان کے سیکرٹری جناب کے ایچ خورشید ان کی ہدایات پر سختی سے عمل کرتے۔ایک روز' جب قائدا عظم زیارت میں زیر علاج تھے۔خلاف معمول بڑی رغبت سے کھانا کھایا اور پوچھا یہ کھانا کس نے بنایا؟

آپ کو بتایا گیا کہ فلاں پرانا باورچی جو آپ کے ذوق اور مزاج کو سمجھتا ہے، اسی نے یہ کھانا بنایا ہے، قائدا عظم سخت ناراض ہوئے اور پوچھا" کہ آپ نے کس کی اجازت سے اسے کراچی سے بلایا ہے؟ قائدا عظم کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح خاموش رہیں،، آپ نے حکم دیا کہ اس کو واپس بھیجو اور اس کی آمد و رفت پر اٹھنے والے اخراجات میری جیب سے ادا کردو۔ قائدا عظم کی کس کس ادا کا ذکر کیا جائے۔

ایک دفعہ آپ ڈھاکہ کے انتہائی ضروری کام پر جانا چاہتے تھے۔آپ کو بتایا گیا کہ حکومت کے پاس جو جہاز ہیں وہ ایک ہی پرواز میں ڈھاکہ نہیں پہنچ سکتے۔ایک ہی پرواز میں ڈھاکہ پہنچنے کے لئے دوسرا جہاز خریدنا پڑے گا۔ قائدا عظم نے کہا" میں اس غریب ملک کا پیسہ نئے جہاز کے انتظام پر خرچ کرنا نہیں چاہتا۔،، قائدا عظم ایوان صدر کے اخراجات پر کڑی نظر رکھتے اور

کسی کو ان سے تجاوز کی اجازت نہ دیتے۔ فالتو بتیاں بند کروا دیتے۔ اپنے کپڑوں پر اٹھنے والے اخراجات کا باقاعدہ حساب رکھتے۔ مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کو سختی سے ہدایت تھی کہ اخراجات پر کڑی نظر رکھیں اور جو بھی خلاف ورزی کرے اس کی سخت بازپرس کی جائے۔

اگر موجودہ حکمرانوں کے اللے تللوں پر نظر دوڑائی جائے تو حیرانگی ہوتی ہے اور یوں لگتا ہے کہ وہ اپنے آباء اجداد، اسلاف اور بانیٔ پاکستان کے طور طریقوں اور معمولات سے بالکل نابلد ہیں۔ وہ تاریخ کا مطالعہ نہیں کرتے۔ انہیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ جو حکمران تاریخ سے لاعلم ہوتے ہیں، تاریخ سے سبق نہیں سیکھتے، وہ نہ صرف خود تباہ ہو جاتے ہیں بلکہ اپنے ساتھ پوری قوم کو ڈبو دیتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پرائیویٹ سکولز ریگولیٹری بل۔ ویلڈن صوبائی کابینہ

عصر حاضر میں پاکستان میں تعلیم اور صحت کو ایک بہترین کاروبار سمجھا جاتا ہے۔اس لئے کہ یہ دونوں شعبے دراصل عوام کی دکھتی رگیں ہیں۔ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی اولاد بہتر سے بہتر تعلیم حاصل کرے تاکہ اس کا مستقبل سنور سکے۔اسی طرح صحت کو درست حالت میں رکھنا اور بیماری کی صورت میں علاج کروانا ہر شخص کی مجبوری ہوتی ہے یوں ان دونوں دکھتی رگوں پر ہاتھ رکھ کر کوئی بھی جتنی مرضی ہو، رقم نکال سکتا ہے۔اور اگر حکومت کا ان دونوں شعبہ جات پر کوئی کنٹرول نہ ہو تو مطلب پرست لوگ لوٹ مار کا بازار گرم کر لیتے ہیں۔جیسے کہ آج کل ہو رہا ہے۔دونوں میدانوں میں یعنی تعلیم اور صحت کے شعبوں میں بڑے پیار و محبت کے ساتھ لوگوں کے جیبوں پر ڈاکے ڈالے جا رہے ہیں۔بہ ایں وجہ میں اس سے قبل کئی بار حکومت سے اپیل کر چکا ہوں کہ نجی اسکولوں کو کنٹرول کرنے کے لئے ریگولیٹری اتھارٹی ضرور ہونی چاہیئے تاکہ ان کو اپنے ناجائز من مانیوں سے روکنے کے لئے کوئی ایک ہاتھ تو موجود ہو۔

خیر دیر آید درست آید،اب خیبر پختونخواہ کی صوبائی کابینہ نے متفقہ طور پر " پرائیویٹ سکولز ریگولیٹری اتھارٹی بل،، کی منظوری دی ہے۔جو

پرائیویٹ سکولوں کو کنٹرول کرے گا۔ان کے نصاب کا تعین کرے گا،ان کی فیس مقرر کرے گا،چھٹیوں کے بارے میں فیصلہ بھی ریگولیٹری اتھارٹی کرے گا۔اس کے علاوہ پرائیویٹ اسکولوں کی رجسٹریشن،اساتذہ کے لئے تعلیمی معیار اور تنخواہ کا تعین بھی ریگو لیٹری اتھارٹی ہی کرے گا۔اس بل میں موجود کسی بھی شق کی خلاف ورزی پر پچاس ہزار سے دو لاکھ روپے تک جرمانہ یا چھ ماہ سے دو سال تک قید کی سزا بھی دی جا سکے گی۔

حقیقتِ حال یہ ہے کہ اس وقت اگر ایک طرف بعض نجی تعلیمی ادارے تعلیم کے فروغ کے لئے نہایت اہم رول ادا کر رہے ہیں تو دوسریطرف بے شمار نجی تعلیمی ادارے خالصتا تجارتی بنیادوں پر چل رہے ہیں ۔ان کے مالکان کے پیشِ نظر بچوں کا مستقبل ہر گز نہیں بلکہ مالی فائدہ حاصل کرنے کے لئے وہ نت نئے حربے استعمال کرتے ہیں ،پانچ ، مرلے، دس مرلے یا ایک کنال پر محیط گھروں میں سکولز اور کالج چلا رہے ہیں ، اساتذہ کو اتنی کم تنخواہیں دے رہے ہیں جسے بتاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ فیسیں اتنی زیادہ رکھی ہیں کہ ہر مہینے ان اداروں کے مالکان کے ذاتی اکاونٹ میں دوگنا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔پھر اس پر طرہ یہ کہ فیسوں میں آئے روز اضافہ کرتے رہتے ہیں ۔ میں حال ہی میں اس کی مثال پیش کرونگا۔ میرا نواسہ ورسک روڈ کے ایک نجی سکول میں پریپ کلاس میں زیر تعلیم ہے۔

ماہ اپریل میں اس کی ماہانہ کل فیس بارہ سو روپے مقرر کی گئی تھی، گزشتہ سکول کی طرف سے حکم موصول ہوا کہ ماہ ستمبر سے اب پندرہ سو روپے فیس لی جائیگی۔یعنی تعلیمی سال کے شروع میں بارہ سو روپے اور تین ماہ گزرنے کے بعد یکدم تین سو روپے کا اضافہ۔ اس طرح اخلاقی اور قانونی طور پر بالکل ناجائز کاروائیاں نجی تعلیمی اداروں کا معمول بن چکا ہے۔ اندریں حالات میں صوبائی کابینہ کا زیر بحث منظور شدہ بل یقینا ایک بڑا مستحسن اقدام ہے۔

اس نیک کام میں اپنا حصہ بقدرِ جثہ ڈالنے کے لئے مختصر طور پر چند تجاویز پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اول یہ کہ نجی تعلیمی ادارہ کھولنے کے لئے باقاعدہ قاعدہ قانون وضع کیا جائے اور جب تک وہ قاعدہ قانون مکمل نہ ہو، کسی کو کلاسیں شروع کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔دوم یہ کہ پورے صوبے میں درسی کتابیں ایک جیسی ہونی چاہئے۔اس وقت سرکاری اور نجی سکولوں میں پڑھائی جانے والی کتب میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔بلکہ اس وقت ہر نجی سکول کا اپنا ہی نصاب ہے۔سوم یہ کہ تمام نجی سکولوں کے لئے ایک جیسا یونیفارم مقرر کیا جائے اور آخری

گزارش یہ کہ جب یہ بل منظور ہو جائے تو اس کو عملی جامہ پہنانے کی بھرپور کوشش کی جائے کیونکہ اکثر نجی سکولوں کے مالکان بڑے اثر و رسوخ رکھنے والے لوگ ہیں اور وہ ایکا کرکے گورنمنٹ کی چلنے نہیں دیتے۔

البتہ پرائیویٹ سکولوں کے جائز مطالبات کو بھی ضرور زیر غور لانا چاہیئے۔اور حکومت کو ان کی ہر جائز مدد کرنی چاہیئے۔کیونکہ تعلیم ان کا کاروبار ہی سہی، لیکن کاروبار اگر ایمانداری اور خلوصِ نیت سے کیا جائے تو پھر اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔بلاشک و شبہ اگر عوامی نیشنل پارٹی نے عوامی مفاد کے اس بل کو عملی جامہ پہنایا تو صوبہ خیبر پختونخواہ کے باسی انہیں مدتوں یاد رکھیں گے اور صوبہ خیبر پختونخواہ کے اہل قلم حضرات انہیں " ویلڈن صوبائی کابینہ،، ضرور کہیں گے اور لکھیں گے۔۔

وطن کی فکر کر ناداں ! مصیبت آنے والی ہے

بانی پاکستان قائد اعظم نے کہا تھا کہ میری جیب میں کھوٹے سکے ہیں، وقت نے یہ ثابت کر دیا کہ ان کی بات بالکل صحیح تھی کیونکہ ان کے جانشین زیادہ تر کھوٹے سکے ہی ثابت ہوئے۔ انہوں نے قیام پاکستان کے بعد نو سال تک آئین نہ بنایا، ۳۲ سال تک بالغ رائے دہی کی بنیاد پر کوئی انتخابات نہ کرائے اور جب انتخابات ہوئے تو وقت کے آمر نے ان انتخابات کو خوشدلی سے قبول نہ کیا۔ نتیجتاً ملک دولخت ہوگیا۔ یحییٰ خان صدارت کے منصب پر فائز ہوئے، عام انتخابات ہوئے۔ ذوالفقار علی بھٹو (مرحوم) وزیر اعظم منتخب ہوئے، مگر اگلے انتخابات میں اتنی دھاندلی ہوئے کہ دھاندلی کے خلاف احتجاج کرتے کرتے ہم ایک اور مارشل لاء کا شکار ہو گئے جس نے داخلی اور خارجی طور پر ملک کے لئے اتنی پیچیدگیاں پیدا کر دیں جن کا خمیازہ آج تک ہم بھگت رہے ہیں۔ جنرل ضیاء الحق کے بعد سیاسی قیادت کو حکمرانی کا موقعہ ملا لیکن اس نے بھی گیارہ سال باہمی لڑائیوں میں ضائع کر دیئے۔ پھر ہماری قسمت میں ایک اور مارشل لاء دیکھنا تھا۔ جس کی پیدا کردہ پیچیدگیوں نے مسائل کو پہلے سے زیادہ سنگین بنا دیا۔

لیکن افسوس صد افسوس کہ ۱۸ فروری کے انتخابات کے بعد جو قیادت ابھری اور برسر اقتدار آئی وہ بھی چیلنجوں میں کمی کرنے کی بجائے ان میں اضافے کا سبب بن گئی، بلکہ کرپشن کے نئے ریکارڈ قائم کئے گئے، بجلی کی لوڈ شیڈنگ، مہنگائی، بے روزگاری جیسے مسائل نے عوام کا جینا دوبھر کر دیا۔ آج آپ ملکی مسائل کو دیکھئے اور ہمارے حکمرانوں کے مشاغل اور دلچسپیاں دیکھئے تو حیرانگی ہوتی ہے اور ذہن سورہ بنی اسرائیل میں مذکور اللہ تعالٰی کے اس فرمان کی طرف جاتا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ " جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کا کرتے ہیں تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں تب عذاب کا فیصلہ اس بستی پر چسپاں ہو جاتا ہے اور ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔ دیکھ لو کتنی ہی نسلیں ہیں جو حضرت نوح ¾ کے بعد ہمارے حکم سے ہلاک ہوئیں۔ تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے پوری طرح باخبر ،،ہے اور سب کچھ دیکھ رہا ہے ،،۔۔

اللہ تعالٰی کے یہ واضح احکامات ہمارے سامنے موجود ہیں لیکن ہماری قیادت کی حالت قرآن مجید کے الفاظ میں ایسی ہو گئی ہے۔

سورہ البقرائ) خواہ تم انہیں خبردار کرو یا نہ کرو، وہ کسی حال میں ماننے والے نہیں) ہیں۔ اللہ تعالی نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی

،،ہے اور ان کے آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے، وہ سخت سزا کے مستحق ہیں

ذرا غور کیجئے، غیر ملکی عناصر وطن عزیز کے خلاف ایک نہایت گھناؤنی سازش میں مصروف ہیں۔ حکومت وقت خود اس بات کا بار بار اعلان کر چکی ہے کہ پاکستان میں تخریب کاری اور دہشت گردی میں بیرونی ہاتھ ملوث ہے۔ طاقتور عالمی طاقتوں کو پاکستان کی ایٹمی قوت کسی طور ہضم نہیں ہو رہی ہے۔ اب ان سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نہایت اہل، دور اندیش اور عالمی سیاست پر نظر رکھنے والی قیادت کی ضرورت ہوتی ہے جو بد قسمتی سے ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔

بلوچستان کا مسئلہ نہایت قابل توجہ اور حل طلب ایک سیاسی مسئلہ ہے اور اس کا حل بھی سیاسی ہے مگر حکومت وقت جان چھڑانے کے لئے اسے فوج کے سر ڈال کر اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دینے کی کوشش کر رہی ہے۔ جس کی وجہ سے معاملہ انتہائی خطرناک صورت حال اختیار کر سکتی ہے۔ کراچی کی صورت حال بھی نہایت گھمبیر ہے۔ اور آئے روز انسانی جانوں کا ضیاع اور اور دیگر افسوسناک واقعات اس بات کی غمازی کرتے نظر آرہے ہیں کہ پس پردہ کوئی بڑی سازش موجود ہے جو کراچی کو پاکستان سے الگ کرنے کی کوشش بھی ہو سکتی ہے۔ پاکستان کی معیشت کا حال تو سبھی جانتے ہیں کہ پاکستان کی پینسٹھ سالہ تاریخ میں اس وقت پاکستان کی معیشت سب سے زیادہ کمزور پوزیشن میں ہے۔ معیشت کسی ملک کے

لئے ٹانگوں کی حیثیت رکھتی ہے۔ٹانگیں کمزور ہوں تو چلنا دشوار ہو جاتا ہے،اور ہماری موجودہ صورت حال یہ ہے کہ ہم بیساکھیوں کے بل چل رہے ہیں۔ گویا معاشی طور پر تو معذور ہو ہی چکے ہیں۔

نام نہاد دہشت گردی کے جنگ میں ہمیں اس طرح پھنسا دیا گیا ہے کہ کہنے کو ہم ایک قوم ہیں لیکن ہمارا اجتماعی شعور خواب گراں میں مبتلا ہے۔افسوس صد افسوس کہ اقبال کے شاہینوں کے نشیمن زاغوں کے تصرف میں ہے۔ حکیم الامت علامہ اقبال کا فلسفہ خودی اور بابائے قوم کا یقین محکم ہم نے کہیں کھو دیئے ہیں۔فتنہ کی شیرازہ بندی کرنے والی کتاب قرآن حکیم طاق نسیاں پر دھری ہوئی رکھی ہے۔ پینسٹھ سال کے سفر رائیگاں کی منزل کیا ہے؟ایک بے انتہا مایوسی،خوف کے پرچھائیوں تلے سسکتا ہوا ہمارے معصوم بچوں کا مستقبل،امیدوں اور آرزؤں کے گہنائے ہوئے چاند، پشاور کے عقب و نواح میں آ پہنچے دہشت کا آسیب، مسائل کے سلگتے ہوئے انبار، بے یقینی اور بد اعتمادی میں مبتلا وحدت، راہبروں کی شکل میں راہزنوں کا بار بار تسلط، جمہوریت کے ماتھے پر طالع آزماؤں کے ہاتھوں ملی ہوئی کالک، ان حالات میں بھی عوام کی مجرمانہ خاموشی دیکھ کر میرا دل ایک انجانے خوف میں مبتلا ہے لہٰذا سطور ہذا کے ذریعے میں گزارش کروں گا کہ عوام، لکھے پڑھے لوگ اور محب وطن حضرات اپنی اپنی نحیف آواز کو بلند صدا میں بدلیں۔ اور یہ کہ

"وطن کی فکر کر ناداں، مصیبت آنے والی ہے"

جو دردِ دل رکھتے ہیں

پاکستانی سیاست اور پاکستانی سیاستدانوں پر اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ مزید اس پر لکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ مگر نا امیدی کی اس فصلِ بہار میں امید کی کونپلیں اس وقت کِھلنے لگتی ہیں جب کوئی سیاست کے میدان میں فاؤل پلے کی بجائے فیئر پلے کھیلتے ہوئے نظر آتا ہے۔

کل ہی کی بات ہے۔ ہمیں قومی افق پر نمودار ہونے والی ایک نئی سیاسی پارٹی" مستقبل پاکستان،، کے چیئرمین جناب ندیم ممتاز قریشی کی طرف سے ایک مقامی ہوٹل میں ایک مجلس میں شریک ہونے کا نہ صرف دعوت نامہ ملا بلکہ موبائل فون پر بڑے محبت کے ساتھ اس میں شریک ہونے پر اصرار کیا گیا۔ تو وقتِ مقررہ پر راقم الحروف نے بھی مجوزہ مجلس میں شرکت کی۔ دوسرے کالم نگار حضرات اور میڈیا کے نمائندے بھی موجود تھے۔ پارٹی چیئرمین ندیم ممتاز قریشی نے بتایا کہ میرا سیاست سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا اور نہ ہی موجودہ موروثی سیاستدانوں سے میرا کوئی تعلق ہے۔ سیاست میں آنے کی وجہ یہ ہے کہ وطنِ عزیز میں مسائل اور پریشانیوں کی ایک بنیادی وجہ ہے جس کو دور کئے بغیر کوئی چارہ نہیں اور اس کو دور کرنے کے لئے سیاست میں آنا

ضروری تھا۔اور وہ بنیادی وجہ ہمارے ملک کے وہ نا اہل سیاستدان ہیں جو پارلیمنٹ میں بیٹھے ہیں، جن کو ذمہ داری سونپی گئی ہے مگر ان کو پاکستان کی ترقی یا عوام کی خوشحالی سے کوئی غرض نہیں، ہمارے تمام مسائل کی جڑ اور پسماندگی کی اصل وجہ یہی لوگ ہیں۔انہوں نے جنوبی کوریا کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ 1960 سے پہلے جنوبی کوریا ہمارے ملک کے مقابلہ میں ایک نہایت غریب ملک تھا۔ان کی سالانہ فی کس آمدنی صرف دو سو ڈالر تھی جبکہ ہمارے ہاں اس وقت سالانہ فی کس آمدنی چار سو ڈالر فی کس تھی۔پچاس سال گزرنے کے بعد آج ہماری سالانہ فی کس آمدنی تقریبا پندرہ سو ڈالر ہے جبکہ جنوبی کوریا کی فی کس آمدنی بیس ہزار ڈالر سے بھی تجاوز کر گئی ہے۔حالانکہ ان کے وسائل ہم سے کئی گنا کم ہیں۔وہاں نہ تو تیل ہے نہ لوہا، نہ کوئلہ ہے اور نہ گیس، نہ پاکستان جیسی سونا اگلنے والی زمین، مگر ان کے اسمبلیوں میں بیٹھنے والے لوگ تعلیم یافتہ،اہل اور دیانتدار لوگ ہیں جبکہ ہمارے اسمبلیوں میں بیٹھنے وال لوگ نااہل اور بددیانت ہیں۔حقیقت تو یہ ہے جو لوگ ایک کریانہ دکان چلانے کی اہلیت نہیں رکھتے انہیں پورے ملک کی وزارتیں چلانے کی ذمہ داریاں دی گئی ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہمارے ہاں سیاست گندے لوگوں کا میدان بن گیا ہے جبکہ در حقیقت سیاست خدمت خلق کا دوسرا نام اور بڑا نیک کام ہے۔ہم یہ بر

داشت نہیں کر سکتے کہ سب سے گرے ہوئے لوگ ہمارے ملک کی سیاست کریں۔ان سے سوال کیا گیا کہ ملک کے سیاسی میدان میں موجود بڑے بڑے مگر مچھوں، جاگیرداروں اور وڈیروں سے آپ لڑنا کیونکر ممکن سمجھتے ہیں؟ تو انہوں نے اعتماد کے ساتھ مدلل جواب دیتے ہوئے کہا۔کہ تین ایسی وجوہات ہیں جس کی وجہ سے میں سمجھتا ہوں کہ اب ان سے ٹکر لینا آسان ہو گیا ہے۔اول یہ کہ ان لوگوں کی طاقت انگریزوں کی عنایت کردہ وہ جاگیریں ہیں جس کے زور پر وہ غریب لوگوں سے ووٹ حاصل کیا کرتے ہیں۔اب ان کی یہ طاقت کمزور پڑ گئی ہے کیونکہ ان کے رقبے پچھلے پینسٹھ سالوں سے تقسیم در تقسیم ہو گئے ہیں۔پاکستان کو بنے ہوئے دو نسلیں گزر گئی ہیں۔گویا ایک جاگیردار کی زمین اس وقت بیس لوگوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔اب وہ آپس میں ووٹ کے لئے لڑ رہے ہیں۔ان کی طاقت اب وہ نہیں رہی جو کسی زمانے میں تھی۔اب تو وہ الیکشن کے وقت غریبوں کے جھونپڑیوں میں جا کر ووٹ کے لئے جھولی پھیلاتے ہیں۔دوسری وجہ یہ ہے کہ اب میڈیا کا پھیلاؤ اتنا وسیع ہو گیا ہے کہ دیہاتوں میں بھی سیاسی شعور بیدار ہو چکا ہے۔لوگوں کو ووٹ کی اہمیت کا پتہ چل گیا ہے۔علاوہ ازیں دیہاتوں میں جیسے جیسے غربت بڑھتی گئی، جوان لوگ شہر کی طرف رخ کرتے گئے یا ملک سے باہر روزگار کے لئے چلے گئے۔اس ہجرت کا یہ فائدہ ہوا کہ وہ با خبر ہو گئے،ان میں اپنی حالت آپ بدلنے کا احساس پیدا ہو گیا۔

دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ انہوں نے جب اپنی آمدنی کا کچھ حصہ اپنے گھروں کو ارسال کرنا شروع کر دیا تو ان کے گھر والوں نے وڈیروں پر انحصار کرنا چھوڑ دیا۔ جس کی وجہ سے وڈیرے اور جاگیردار کافی حد تک کمزور ہو چکے ہیں اور اب ان سے لڑنا آسان ہو چکا ہے۔ مگر اس جنگ کو جیتنے کے لئے تعلیم یافتہ، نیک نیت، پر خلوص اور دردِ دل رکھنے والے لوگوں کی ضرورت ہے۔۔ میں یہ سوچتا ہوا گھر پہنچا کہ کیا واقعی یہ ممکن ہے کہ ہم اپنی زندگی میں وہ دن بھی دیکھ سکیں کہ ہماری پیاری دھرتی اور بے بس عوام ان نا اہل، بد دیانت، کرپٹ اور دولت کے پجاریوں سے چھٹکارا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے؟

عام انتخابات بھی کمانے کا ایک ذریعہ

ہمارے ہاں الٹا گنگا بہتی ہے۔دنیا کے اکثر ممالک سے ہمارے طور طریقے بالکل مختلف ہیں۔کہنے کو تو ہم مسلمان ہیں مگر جتنی مادہ پرستی،روپیہ پرستی اور دولت جمع کرنے کا شوق ہمارے ہاں پایا جاتا ہے۔شاید اس کی مثال دنیا بھر میں نہ ملے۔ہمارا ایلیٹ طبقہ جس طریقے اور جس چالاکی کے ساتھ دولت کے انبار لگانے میں مصروفِ عمل ہے۔عام آدمی بیچارہ تو اس کے سمجھنے سے ہی قاصر ہے۔

ویسے بھی سرمایہ دار طبقہ نے عام آدمی کو اس طرح مسائل اور مشکلات میں پھنسا کے رکھ چھوڑا ہے کہ اس بیچارے کو اس ہوس پرست طبقہ کے چالوں کو سمجھنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔اسے تو اپنی روٹی کی فکر پڑی ہوئی ہے،بھلا وہ کسی اور کے بارے میں کیا سوچے گا؟

ہمارے ہاں ہونے والے عام انتخابات کو ہی لے لیجئے۔عام طور پر تو یہی سمجھا جاتا ہے کہ جو لوگ عام انتخابات میں حصہ لیتے ہیں یا جو سیاسی پارٹیاں عام انتخابات میں مقابلہ کے لئے میدانِ عمل میں برسرپیکار ہوتی ہیں،ان کو کثیر سرمایہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں

ہے۔بے شک انتخابات میں وہ ایک کثیر رقم خرچ کرتے ہیں مگر اپنے جیب سے نہیں بلکہ دوسروں کے جیب پر ڈاکہ ڈال کر خرچ کرتے ہیں۔ خصوصا حکمران طبقہ کے لئے تو انتخابات بہت سوٹ کرتے ہیں۔ان کے لئے انتخابات کمائی کا ایک ذریعہ ہوتے ہیں۔اپنے دورِ حکمرانی میں وہ اپنے من پسند لوگوں کی تقرری اپنے اپنے علاقوں میں کر لیتے ہیں۔ڈپٹی کمشنر سے لے کر پٹواری تک وہ اپنے مرضی کے افراد کو کرسیوں پر بٹھا دیتے ہیں۔جب انتخابات کا اعلان ہوتا ہے تو ان کو مخصوص رقم جمع کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور ان کے وفادار انتظامیہ کے ملازم ہنسی خوشی اپنے اپنے مخصوص ذرائع سے طلب کردہ رقم جمع کرکے متعلقہ امیدوار کے حوالہ کر دیتے ہیں۔اس قسم کی واردات عموما انفرادی طور پر کی جاتی ہے۔اجتماعی واردات عموما سیاسی جماعتیں کرتی ہیں۔

سیاسی جماعتیں اور سیاستدان نہ صرف تاجروں ، صنعتکاروں، ٹھیکداروں اور زمینداروں سے نوکر شاہی کے ذریعے کروڑوں روپے کے چندہ اکٹھا کر لیتے ہیں بلکہ انتخابات کے نام ریاستی وسائل کا بھی خوب استعمال کرتے ہیں۔چندوں سے اکٹھی کی گئی رقم اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ انتخابات ہونے کے بعد اچھی خاصی رقم بچ بھی جاتی ہے جو سیاست دانوں کے جیب خرچ اور بنک بیلنس میں اضافے کا سبب بھی بنتی ہے۔

باہر ممالک میں بھی انتخابات کے نام پر چندہ اکٹھا کیا جاتا ہے لیکن یہ پارٹی کے نام پر اکٹھا کیا جاتا ہے اور ان کے اکٹھا کرنے میں بیورو کریسی استعمال نہیں کی جاتی۔ پھر ان ممالک میں اکٹھی کی گئی رقم پارٹی کی ملکیت ہوتی ہے اور ان کے خرچ کا باقاعدہ حساب کتاب رکھا جاتا ہے۔ جبکہ ہمارے ملک میں یہ لوٹا ہوا مال سمجھا جاتا ہے اور اس کا کوئی حساب کتاب نہیں رکھا جاتا۔ ہمارے سیاستدان اور سیاسی پارٹیاں صرف اندرونِ ملک ہی نہیں بلکہ بیرونِ ملک سے بھی فنڈ اکٹھا کرنے کا ہنر بھی خوب جانتی ہیں۔ بعض غیر ملکی حکومتیں بھی اپنے پسندیدہ سیاستدانوں کے خزانے بھرتی ہیں۔ لیڈروں کے قریبی سیاسی کارکن بھی انتخابات کے انعقاد سے خوش ہوتے ہیں کیونکہ ان کے لئے بھی انتخابات کافی مفید ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ الیکشن کے وقت سیاسی لیڈر اپنے کارکنوں پر خصوی طور پر مہربان ہوتے ہیں۔ الیکشن کے دوران نہ صرف ان کے جیبوں کے بٹن ان کے لئے کھلے ہوتے ہیں بلکہ یہی وہ دن ہوتے ہیں، جب سیاسی کاکن ان سے چھوٹے چھوٹے کام اور دیگر فوائد حاصل کرتے ہیں۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ قوم کو انتخابات کا فائدہ ہو یا نہ ہو، مگر سیاستدان انتخابات کی بہتی گنگا میں خوب ہاتھ دھوتے ہیں اور مال بناتے ہیں۔ گویا عام انتخابات بھی ان کے کمائی کا ایک ذریعہ ہے۔ اور اس بات کا

بین ثبوت بھی ہے کہ ہمارے حکمران اور سیاستدان بڑے شاطر اور عقلمند ہیں جو خرچ،
اخراجات اور نقصان کو بھی اپنے ماہرانہ چال سے آمدن میں بدلنے کا ہنر جانتے ہیں۔

میڈیا کا کردار

گزشتہ دس بارہ سالوں میں پاکستان نے جس شعبے میں سب سے زیادہ ترقی کی ہے ۔وہ میڈیا کا شعبہ ہے۔اس شعبے میں جوانقلاب آیا ہے۔وہ بہت ہی خوش آئیند ہے اور بلا شبہ یہ کریڈٹ سابق صدر جنرل پرویز مشرف کو جاتا ہے۔جس نے نہ صرف یہ کہ مختلف ٹی وی چینلز کھولنے کی اجازت دی بلکہ انہیں مکمل آزادی بھی دی میڈیا اب ریاست کا چوتھا ستون بن گیا ہے اور آج یہ ستون اتنا طاقتور ہو گیا ہے کہ اقتدار میں آنے کے لئے اب اس ستون کا سہارا لینا ضروری ہو گیا ہے۔اس وقت بفضلِ خدا میڈیا کو مکمل آزادی حاصل ہے۔وہ جو چاہے کرے اور جس سیاستدان یا جس شخصیت سے جو چاہے، سوال پوچھے، کوئی روک ٹوک نہیں۔پاکستانی آئین نے میڈیا کو جو آزادی دی ہے،وہ بھی اس کی انقلاب آفریں ترقی میں معاون ثابت ہوئی ہے،اس میں جو کشش ہے۔اس کیوجہ سے تعلیم یافتہ نوجوان گروہ در گروہ میڈیا میں داخل ہو رہے ہیں۔میڈیا میں بہت ساری برائیوں کے باوجود اس پر لوگوں کا اعتبار قائم ہے۔ بہت سے لوگ اب بھی اپنے مسائل کو میڈیا کے ذریعے اربابِ اختیار کے ذریعے زیرِ غور لانے کی کوشش کرتے ہیں۔میڈیا کے فروغ اور ٹی وی چینلوں کی

تعداد میں روز افزوں اضافہ کے سبب چینلوں کے مابین زبردست مقابلہ بھی چل رہا ہے۔اور بریکنگ نیوز کے لئے جانے کیسے کیسے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بریکنگ نیوز کے اس رجحان نے حقیقی بریکنگ نیوز کے تصور کو ہی پاش پاش کر دیا ہے۔یہ رجحان میڈیا کے وقار اور اعتبار میں گراوٹ کا سبب بن سکتا ہے اس پر نیوز چینلوں کے ذمہ داروں کو غور کرنا چاہئے۔اس صورتِ حال نے سنجیدہ صحافت کو بھی نقصان پہنچایا ہے۔تاہم ابھی اتنا نقصان نہیں پہنچا کہ اس پر اعتبار ہی اٹھ جائے۔آج بہت سارے لوگ نیوز چینلوں کے اس خرابی کا بھی اکثر ذکر کرتے ہیں کہ ایک جیسے بڑے واقعہ کو جو وقت دیا جاتا ہے اس میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔مثلاً پشاور یا جمرود میں بم دھماکہ ہو جائے تو اسے اتنا وقت چینلز نہیں دیتے جتنا وقت اس سے کم نوعیت کے واقعہ کراچی یا لاہور میں ہونے والے واقعے کو دیا جاتا ہے۔

بلا شک و شبہ میڈیا یعنی اخبارات، ریڈیو، ٹی وی، کمپیوٹر، ہوم ویڈیو اور انٹرنیٹ وغیرہ کی آج پوری دنیا میں زبردست اہمیت ہے۔آج کی دنیا بیل کی سینگ پر نہیں، میڈیا کے سینگ پر ٹکی ہوئی ہے۔میڈیا ہماری سماجی، معاشی، تجارتی، تعلیمی، تہذیبی اور ثقافتی زندگی پر بری طرح اثر انداز ہو رہی ہے۔انسانی زندگی کا کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں ہے جو میڈیا کی دسترس سے دور ہو۔

اس ٹیکنالوجی نے شاہراہِ ترقی پر اتنی طویل اور اتنی اونچی جست لگائی ہے کہ انسانی جذبات واحساسات اور خیالات کو بھی بالواسطہ طور پر متاثر کرنا شروع کر دیا ہے۔ لیکن یہاں ایک بات جو ہمارے ذہنوں میں کھٹک رہی ہے وہ یہ ہے کہ بلا شبہ میڈیا کے ذرائع یعنی ٹی وی چینلز، اخبارات وغیرہ تو آج ہماری زندگی کے تمام تر شعبوں اور پہلوؤں پر اثر انداز ہو رہے ہیں، لیکن کیا کوئی ایسی چیز بھی ہے جو ذرائع ابلاغ پر اثر انداز ہو رہی ہو؟ میرے خیال میں جی ہاں ! ایک چیز ایسی ہے جو میڈیا پر بری طرح اثر انداز ہو رہی ہے۔ اور وہ ہے پیسہ، پیسے نے ان ذرائع کو اپنی مٹھی میں جکڑ لیا ہے اور یہ گرفت جتنی سخت ہوتی جا رہی ہے یہ ذرائع اتنی ہی بلند آواز میں پروپیگنڈا کرتے ہیں۔

گویا اس طرح میڈیا، خواہ وہ طباعتی ہو یا نشریاتی، بازار کی شئے بن کر رہ گئی ہے۔ ٹی وی چینلز ایک ایک دکان لے کر بیٹھ گئے ہیں۔ جہاں سے وہ اپنے اپنے مال کا پرچار اور پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا اس وقت زبردست بھاگ دوڑ میں مبتلا ہو گئی ہے۔ وہ اب ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں اپنی بقاء کا راز سمجھتے ہیں۔ ان کے درمیان ایک سرد جنگ جاری ہے اور جنگ میں جائز یا نا جائز سب کچھ روا سمجھا جاتا ہے۔ اس مقابلہ نے سنسنی خیزی کو بری طرح بڑھا

دیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں معیار پست ہونے کا زبردست خطرہ بھی ہے۔ سنسنی پیدا کرنے کے لئے غیر اخلاقی طریقہ کار اپنانے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا اور مقابلہ آرائی کے اس دور میں دانستہ یا نادانستہ صحافیوں سے غیر صحافتی جرم بھی سرزد ہو سکتے ہیں۔ آج ہمارا معاشرہ اس قدر کرپٹ اور بدعنوان ہو گیا ہے اور کرپشن ہمارے رگ وپے میں اس قدر سرایت کر گئی ہے کہ اب کرپشن معیوب بات ہی نہیں رہ گئی ہے۔ اکثر سیاستدانوں کی ابن الوقتی، موقع پرستی یا پھر بدلتی ہوئی معاشی اور معاشرتی حالات کے سبب کرپشن بری طرح پھل پھول رہی ہے اور بری طرح پھیلتی اس برائی کو اجاگر کرنے کا کام اگر اس وقت صحافی حضرات کرتے ہیں تو یہ انتہائی لائق تحسین بات ہے۔ گویا میڈیا میں اس وقت منفی اور مثبت دونوں باتیں ایک ساتھ چل رہی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ میڈیا کے افراد منفی چیزوں سے دامن بچاتے ہوئے مثبت قدروں کو فروغ دینے میں بھرپور کردار ادا کرنے کی کوشش کریں۔۔

خٹک نائٹ۔ تلخ وشیریں باتیں

پشاور یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم خٹک طلباء ہر سال خٹک نائٹ منانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ جس مں بین القبیلہ محبت و یگانگت کے علاوہ خٹکوں کا ثقافتی رنگ نمایاں ہوتا ہے۔ مگر اس دفعہ کوہاٹ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے خٹک ویلفئر آرگنائزیشن نے پشاور میں خٹک نائٹ منانے کا پروگرام کچھ اس انداز میں ترتیب دیا کہ اسے ایک یادگار بنا دیا۔ پروگرام کا اہتمام پشاور کے ایک شاندار شادی ہال میں کیا گیا تھا۔ راقم الحروف بھی اس دعوت میں بڑے چاہت اور اصرار کے ساتھ مدعو کئے گئے تھے۔ لہٰذا حسبِ پروگرام ہال کے پارکنگ ایریا میں پہنچا تو ارد گرد ماحول اور فضاء میں خٹکوں کی مہک رچی بسی تھی۔ ڈھول اور سرنی کی آواز نے میرے ذہن کو معطر کیا۔ ہال میں داخل ہونے سے پہلے استقبالیہ پر مامور طلباء نے ڈھول کے توپ کے ساتھ " ستڑہ ماشے ،، کہا۔ ہال میں داخل ہوا تو اپنے پیارے پیارے، محنتی، باتمیز اور چہچہاتے نوجوان طلباء کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔

پروگرام کا باقاعدہ آغاز ہونے سے پہلے روایتی خٹک ڈانس بلبلہ (اتمڑ) نے بوڑھوں اور نوجوانوں سب کو گرمادیا، جس میں فیس بک کے رنگیلا بادشاہ

محمد نثار ثانی نگاہوں کا مرکز رہتے رہے۔اس مسحور کن محفل میں کرک کی تقریباً تمام سیاسی قیادت بھی کرسی نشیں تھی۔

سابق ممبر قومی اسمبلی جناب شاہ عبد العزیز، سابق ممبر صوبائی اسمبلی اور وزیر خوراک فرید طوفان، شمس الرحمٰن خٹک، رحمت سلام، کرنل خالد اقبال، چیف صاحب اور دیگر کئی سیاسی اور غیر سیاسی شخصیات اس میں پروگرام میں شریکِ محفل تھے۔ کرک سوشل ایکٹیوسٹ کے روح رواں فرزندِ پریشان خٹک (مرحوم) جناب خوشحال خٹک، ماسٹر خان گل (مرحوم) کے وارثِ سیاست جناب ظفر رحمٰن خٹک اور احساس خٹک جن کے تعاون سے یہ محفل رونق افروز تھی۔تلاوتِ کلام کے بعد انہیں اپنے خیالات کے اظہار کا موقعہ دیا گیا۔

ظفر رحمٰن خٹک نے بڑی جوشیلی اور جزباتی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ کالا باغ ڈیم اگر بن جائے تو وہاں سے جنوبی اضلاع کے لئے نہر نکالی جا سکتی ہے جس سے ضلع کرک کی بے آب وگیاہ زمینیں سیراب ہو سکتی ہیں، سمال ڈیمز بنائے جا سکتے ہیں۔انہوں نے مطالبہ کیا کہ کرک کے واحد پوسٹ گریجویٹ کالج کے بوسیدہ عمارت کو فوری طور پر مرمت کیا جائے، نیز خونی سپینہ موڑ کے ٹیکنکل فالٹ کو رفع کرکے اسے محفوظ بنایا جائے۔

سٹوڈنٹس انتظامیہ کی طرف سے سیاسی قائدین کو سیاسی تقریر کی اگرچہ اجازت نہ تھی مگر سیاسی لیڈر کو سٹیج اور مائیک مل جائے، پھر وہ سیاسی بات نہ کرے ،ایسا تو ہو نہیں سکتا۔پاکستان تحریکِ انصاف کے کرنل خالد اقبال اور شمس الرحمٰن خٹک کی تقریر کے بعد جب فرید طوفان کو سٹیج پر اظہارِ خیال کے لئے بلایا گیا تو انھوں نے ایک طوفان ہی برپا کر دیا اور ہال میں موجود سابق ممبر قومی اسمبلی جناب شاہ عبدالعزیز کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا بلکہ حسبِ عادت دیگر معزز قائدین اور ایک لیڈر طالبعلم کو اپنے زبان کے تیر و نشتر سے لہو لہان کر دیا۔ لیکن اس کی تقریر کے بعد جب شاہ عبدالعزیز مجاہد کو سٹیج پر بلایا گیا تو انھوں نے فوری بدلہ چکایا اور فرید طوفان پر اِس انداز سے طوفانی حملہ کیا کہ فرید طوفان کا چہرہ مارے غصے کے آگ کا بگولہ بن گیا۔ دونوں لیڈر سٹیج پر چڑھے اور ہاتھا پائی ہوتے ہوتے رہ گئی،انتظامیہ کو انہیں کنٹرول کرنے مین اچھی خاصی دقت پیش آئی۔ خٹکوں کے قائدین نے جس انداز میں اس بھری محفل میں نوجوان نسل کو جو سبق دیا۔ وہ ہمیں بہت ناگوار گزرا۔ اتحاد و نظم و ضبط کا سبق دینے والے لیڈر اگر آپس میں ہی گتھم گتھا ہو جائیں تو نوجوانوں کا تو پھر خدا ہی حافظ ہے۔ لیکن اچھا ہوا کہ ہمارے تحفظات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دونوں لیڈروں نے ایک دوسرے کو منا لیا اور سٹیج پر جا کر ایک دوسرے کو گلے لگایا۔

پروگرام میں موجود دیگر کئی راہنماؤں نے اپنے زریں خیالات کا اظہار کیا۔ جس کا ذکر فرداً فرداً یہاں ممکن نہیں۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام مقررین نے ضلع کرک کے گونا گوں مسائل کی نشاندہی کرتے ہوئے ممکنہ حل کی طرف قدم بڑھانے کی تجاویز پیش کیں۔

مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ گفتار کا غازی بننا نہایت آسان مگر کردار کا غازی بننا دشوار ہوتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ضلع کرک کی سیاسی قیادت ایک جھنڈے تلے جمع ہو کر، ذاتی مفادات کو پسِ پشت ڈال کر، خلوصِ نیت کے ساتھ کرک کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیں۔ اللہ تعالی نے ان کے ویران و خشک پہاڑوں میں بے شمار خزانے چھپا رکھے ہیں۔ جس سے کرک کو گلِ گلزار بنایا جا سکتا ہے۔

ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے سے نہ تو کرک کی خدمت کی جا سکتی ہے اور نہ ہی لوگوں کے دلوں میں گھر بنایا جا سکتا ہے۔

کوہاٹ یونیورسٹی کے خٹک سٹوڈنٹس ویلفئر آرگنائزیشن کی طرف سے منعقدہ " خٹک نائٹ ،، کی یہ تقریب ایک یادگار تقریب ضرور تھی مگر فرید

طوفان اور شاہ عبدالعزیز کی تلخ و شیریں باتیں بھی بھولنے کے قابل نہیں۔ ہماری دعا ہے کہ ضلع کرک کے غیور نوجوانوں میں ہی کوئی ایسا مردِ قلندر پیدا ہو جائے جو دوغلے پن، خود غرضی اور زر پرستی کے پھلتے پھولتے درخت کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دے۔۔۔۔۔۔۔۔

واہ رے ! ایس ایم ایس

انسان نے یوں تو بہت مختصر عرصہ میں اپنی سہولت کی خاطراَن گنت چیزیں ایجاد کی ہیں مگر بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو بظاہر بہت معمولی نظر آتی ہیں لیکن انسانی زندگی میں ان کا کردار یا استعمال بہت زیادہ ہے۔ایس ایم ایس یعنی شارٹ میسج (SMS) انہی میں سے ایک ہے۔

مجھے کل کی بات لگتی ہے کہ جب ہمیں کسی کو بہت ضروری اور فوری ٹیکسٹ میسج بھیجنا پڑتا تھا تو ہم اسے بذریعہ ٹیلی ٹیلیگراف بھیجا کرتے تھے جسے عرفِ عام میں تار کہا جاتا تھا اور یہ ایک مہنگا ذریعہ ترسیل تھا۔

ایس ایم ایس نے اب اس کی جگہ لے لی ہے جو تار کے مقابلہ میں بہت زیادہ آسان اور سستا بھی ہے۔

اگرچہ یہ کوئی بھی بتا نہیں سکتا کہ اس عجیب و غریب سروس کا بانی کون ہے؟ مگر اتنا ہمیں پتہ ہے کہ 1980 کے اوائل میں کمیونیکشن کے ذمہ داروں کے ذہن میں ٹیکسٹ کے ذریعے پیغام رسانی کا خیال آیا۔ 1985 میں جی ایس

ایم کے ٹیلی سروسز کے ٹیبل پر پہلا ٹیکسٹ میسج نمودار ہوا۔اور رپہلا تجارتی میسج 3 دسمبر 1992 کو برطانیہ میں ارسال کیا گیا۔آہستہ آہستہ اسے اتنا فروغ حاصل ہوا کہ اس وقت دنیا میں سالانہ بیس ارب سے زیادہ ایس ایم ایس ایک دوسرے کو بھیجے جاتے ہیں۔

صارفین کا اگرچہ اس پر بہت معمولی خرچہ آتا ہے مگر درحقیقت یہ کروڑوں روپے کا کاروبار ہے اور موبائل کمپنیاں صرف ایس ایم ایس کی مد میں اربوں روپے کمارہی ہیں۔

یہ سروس نوجوانوں میں بہت زیادہ مقبول ہے کیونکہ ایک تو یہ انتہائی سستا ذریعہ ترسیل ہے۔ جو بات کسی کو سامنے نہیں کہی جا سکتی وہ اس کے ذریعے آسانی سے مطلوبہ فرد تک پہنچائی جا سکتی ہے۔ یہ سروس بعض اوقات تو بڑے بڑے کھیل بھی دکھاتا ہے۔اس کی مقبولیت ایک نئی زبان کو جنم دینے والی ہے۔

چونکہ اس میں بڑے پیغامات کی گنجائش نہیں ہوتی،اس لئے اس میں مخفف یعنی Abrevationکا استعمال زیادہ ہوتا ہے۔الفاظ کی جگہ ہندسے استعمال ہونے لگے ہیں۔الفاظ کو بھی مختصر کرکے استعمال کیا جانے لگا ہے۔ مثلا for کی جگہ 4 ، Your کی جگہ ur اور you کی جگہ u وغیرہ۔

اس کے لکھنے میں بھی آسانی ہے اور لوگ اس زبان کو آسانی سے سمجھ بھی لیتے ہیں۔اس لئے ممکن ہے کی اس چھوٹی سی ایجاد کی بطن سے ایک نئی زبان جنم لے لے۔ معاشرے پر اس کے بڑے دلچسپ اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔کچھ لوگ اسے تفریح کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی محبت کے اظہار کے لئے اس کا سہارا لیتے ہیں۔دوست احباب عید کے موقعہ پر خصوصا محبت بھرے جذبات کا اظہار بھی ایس ایم ایس کے ذریعے ہی کرتے ہیں۔پسندیدہ اشعار،اقوالِ زریں اور ضرب الامثال وغیرہ کا تبادلہ بھی اسی کے ذریعے کیا جاتا ہے۔البتہ جس طرح محبت بھرے جذبات کا اظہار اس ذریعہ ترسیل سے سے کیا جاتا ہے۔اسی طرح نفرت بھرے جذبات کا اظہار بھی ایس ایم ایس کے ذریعے کیا جانے لگا ہے۔آج کل چونکہ ہر شخص حکومت سے نالاں ہے ،بد امنی، کرپشن، بے روزگاری اور مہنگائی نے ہر شخص کے ناک میں دم کر رکھا ہے۔اس لئے اپنی بڑاس نکالنے کے لئے بھی ایس ایم ایس کا استعمال کیا جانے لگا ہے۔بلکہ بعض اوقات تو اس قسم کے پیغامات کی ترسیل اتنی بڑھ جاتی ہے کہ ہمارے صدرِ محترم زرداری صاحب اور اس کے دستِ راست رحمٰن ملک صاحب گھبرا جاتے ہیں اور اس کی بندش پر غور کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔

طلباء حضرات بھی اس سروس سے مستفید ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور اس سروس کو بروئے کار لاتے ہوئے نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کوئی فائدہ اٹھالیتا ہے اور کوئی گھاٹے میں رہ جاتا ہے۔

الغرض یہ، بظاہر معمولی آنے والی چیز، نہایت انوکھی، عجیب و غریب اور کمال کی چیز ہے۔ اسی لئے تو میں نے آج اپنے کالم کا عنوان " واہ رے! ایس ایم ایس" رکھا ہے۔ کیونکہ واقعی یہ کمال کی چیز ہے،۔ مگر یہ کمال کی چیز "آج" کی ہے۔ آنے والا کل" ہمیں کیا دے گا، اس کے لئے انتظار فرمایئے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

انتخابی نظام میں تبدیلی کی ضرورت

بلاشک و شبہ اس وقت پاکستان کا ہر محبِ وطن شہری ملک کے موجودہ صورتِ حال کی وجہ سے سخت الجھن اور پریشانی کا شکار ہے۔پورا ملک مختلف قسم کے بحرانوں میں گھرا ہوا ہے۔۔جناب ڈاکٹر طاہر القادری کی آمد اور 14 جنوری کو اسلام آباد میں لاکھوں لوگوں کے اکٹھا کرنے کے اعلان نے صورتِ حال میں مزید سنگینی پیدا کر دی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آج ہم وہی کچھ کاٹ رہے ہیں جو پچھلے پینسٹھ سالوں میں ہم بوتے چلے آ رہے ہیں ۔ کسی بھی مملکت کی بنیاد اس ملک کا سیاسی اور انتخابی نظام ہوتا ہے۔

ہمارے ملک کا انتخابی نظام ایسی اسمبلیوں کو وجود میں لاتا ہے جو عوام کی ہر گز نمائندگی نہیں کرتیں بلکہ اس نظام کے تحت ایک مخصوص استحصالی ٹولہ اس ملک کی حکمرانی کے مناصب پر فائز ہوتا چلا آ رہا ہے۔وہ حسبِ ضرورت کبھی غریبوں کا ہمدرد بن کر سامنے آتا ہے تو کبھی جمہوریت کا علمبردار بن کر مسندِ اقتدار سنبھال لیتا ہے۔ہمارے انتخابی نظام نے جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور امراء کو اتنا مضبوط بنا دیا ہے کہ ان کی مرضی کے خلاف کوئی قانون پاس کیا جا سکتا ہے نہ انتظامیہ ان کی مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھا

سکتی ہے۔ دولت کے بل بوتے پر قائم سیاسی اور انتخابی نظام نے عوام کو مجبورِ محض اور امراء طبقہ کو مختارِ کل بنا دیا ہے۔ایک فرد جب الیکشن کو تجارت سمجھ کر برسر اقتدار آتا ہے تو اس سے اس بات کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ ذاتی اغراض و مقاصد کے حصول اور تجارت کا منافع سمیٹنے کی بجائے ملک و قوم کی مفاد میں پالیسیاں وضع کرنے میں اپنا وقت ضائع کرے گا۔ہمارے موجودہ انتخابی نظام کے تحت ارکانِ پارلیمنٹ اپنے نظریئے، کردار، قابلیت اور کارکردگی کی بنیاد پر نہیں بلکہ دولت اور اثر و رسوخ کی وجہ سے حکمران چلے آرہے ہیں ان کے سامنے عوام خود کو بے بس محسوس کرتے ہیں۔

واضح رہے، کہ پانی کو دودھ یا دودھ کو شہد کہنے سے پانی دودھ بن جاتا ہے نہ دودھ شہد بن سکتا ہے اسی طرح ہمارے سیاسی اور انتخابی نظام کے تحت قائم ہونے والی حکومت کو آپ لاکھ بار جمہوریت، جمہوریت پکارتے رہیں، صرف بار بار پکارنے سے استحصالی نظام ، جمہوریت نہیں بن جاتا ، جب تک جمہوریت کی روح کے مطابق جمہوری اصولوں پر عمل نہیں کیا جاتا۔ جمہوریت کا ہمہ وقت پراپیگنڈا کرنا مگر اس پر عمل سے ثابت نہ کرنا، عوام کو آسانیاں فراہم کرنے کی بجائے انہیں مشکلات مین ڈالنا جمہوریت نہیں، جمہوریت کی نفی ہے۔ موجودہ انتخابی نظام کے تحت منتخب ہونے والے ارکانِ پالیمنٹ عوام کے

ساتھ کوئی ذہنی رشتہ نہیں رکھتے۔اٹھانوے فی صد ارکانِ اسمبلی کا تعلق امراء طبقہ سے ہوتا ہے۔ جن کو عوام کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

اگر ہم موجوہ حالات کا جائزہ لیں تو بظاہر ایک جمہوری حکومت ہے۔ان ذرہ غور کیجئے ! اس جمہوری حکومت نے عوام کو کیا دیا ہے؟ بدامنی، بے روزگاری، بجلی کی لوڈشیڈنگ، گیس کی لود شیڈنگ، مہنگائی، کرپشن اور ذہنی انتشار، یہ ہے جمہوری حکومت کا تحفہ۔۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے؟کافی غور و خوض کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ تمام خرابیوں کی جڑ ہماراانتخابی نظام ہے۔جس کے تحت عوام کی حقیقی نمائیندگی کرنے والے افرادِاسمبلیوں تک پہنچ ہی نہیں پاتے۔بوجہ ازیں ہم جناب طاہرالقادری کی لانگ مارچ اور ایم کیو ایم کا ان کا ساتھ دینا بالکل جائز اور پاکستان میں حقیقی جمہوریت لانے کے لئے ان کی کوششوں کو سراہنے پر مجبور ہیں۔ملک کے وسائل پر قابض سرمایہ دار طبقہ ان کوششوں کے خلاف جو ہرزہ سرائی کر رہا ہے وہ دراصل اپنے اس قبضے کو برقرار رکھنا چاہتی ہے۔سرمایہ دار طبقہ موجودہ استحصالی نظام کو ہر صورت میں قائم و دائم رکھنا چاہتی ہے کیونکہ اسی میں ان کی بقا ہے۔

بحر حال، وقت کا تقاضا ہے کہ ایک ایسا نظام وضع کیا جائے جس کے تحت

اسمبلیوں میں ایسے لوگ جائیں جو معاشرے کے تمام طبقات کی نمائندگی کا حق ادا کر سکیں۔ الیکشن میں حصہ لینے والے تمام امیدواروں کے لئے حب الوطنی، پاکیزہ کردار خصوصا بے داغ ماضی کی سخت ترین شرائط رکھ کر ان پر مکمل عمل کیا جائے۔ ماضی میں جن لوگوں نے قومی خزانے کو لوٹا ہے ان کو الیکشن کے لئے نا اہل قرار دیا جائے۔ ممبرانِ اسمبلی کے لئے مخصوص فنڈ، الاونسز، ملازمتوں پر ان کا اختیار اور اسی طرح دیگر مراعات ختم کی جائیں۔ تب ہی اس ملک کی تقدیر بدلی گی۔۔۔۔

متوقع لانگ مارچ اور سیاسی مافیا کا گھ جوڑ

شیخ الاسلام ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کے مسلک یا مذہبی خیالات سے قطع نظر یہ بات روزِ روشن کی طرح اب عیاں ہو گئی ہے کہ 23 دسمبر 2012 کو انھوں نے جو پتھر پاکستان کے سیاسی تالاب میں پھینکا تھا۔اس نے سیاست کے گندے تالاب میں اتنی زبردست ارتعاش پیدا کر دی ہے کہ اس میں تیرنے والے مینڈک اور مگرمچھ بیک زباں چیخنے چلانے لگے ہیں۔ کوئی کہتا ہے، کہ جمہوریت کے خلاف سازش ہو رہی ہے، کوئی اس کے اعلان کردہ 14 جنوری کے لانگ مارچ کو غیر ملکی ایجنڈا قرار دے رہا ہے، کوئی فوج پر تہمت لگا رہا ہے تو کوئی اسے الیکشن ملتوی کرنے کا بہانہ بتا رہا ہے۔ مگر یہ بات اظہر من الشمش ہے کہ جاگیردار طبقہ، وڈیرے، سرمایہ دار، صنعتکار اور پاکستان کے وسائل پر قابض طبقہ موجودہ نظام کو ہرگز ہرگز تبدیل کرنے کے حق میں نہیں ہے۔وہ دل کی بات زباں پر لا کر یہ نہیں کہتے کہ طاہر القادری کے لانگ مارچ سے جمہوریت کو خطرہ ہے نہ الیکشن کے ملتوی ہونے کا ڈر، بلکہ انتخابی اور سیاسی نظام میں تبدیلی سے ان کے کارخانوں، بنک بیلنس اور ہاریوں، کسانوں،مزدوروں اور غریب عوام پر راج کرنے کے خاتمے کا خطرہ ہے۔طاہر القادری صاحب لاکھ بار اس بات کی وضاحت کرتے پھریں کہ میں صرف اور صرف فرسودہ، جاگیردارانہ اور

ظالمانہ انتخابی نظام میں اصلاحات چاہتا ہوں، میں آئین سے متصادم کوئی قدم نہیں اٹھاونگا۔ وہ حلفاً کہتے رہیں کہ میں کسی کے کہنے پر لانگ مارچ نہیں کر رہا ہوں۔ وہ بار بار میڈیا پر آکر قسم کھائیں کہ میرا مقصد صرف اور صرف انتخابی نظام میں تبدیلی لا کر ایسی جمہوریت لانا ہے، جو عوام کے لئے ہو، جو غریب عوام کو امراء طبقہ سے نجات دلا کر پاکستان کو ایک حقیقی، جمہوری اسلامی ریاست میں تبدیل کر سکے۔

ظاہر ہے اگر طاہر القادری 14 جنوری کو سچ مچ لاکھوں لوگ اکٹھے کرکے اسلام آباد پہنچ جاتے ہیں تو ایک خاص حد تک وہ اپنی مجوزہ خواہش کی تکمیل میں بھی کامیاب ہو سکتے ہیں۔ مگر ان کی خواہش کی تکمیل پاکستان کی سیاست اور ریاست پر قابض طبقے کی موت ہو گی۔ یہی وجہ ہو کہ اقتدار کے ایوانوں میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔ صلاح و مشورے ہو رہے ہیں۔ صدر زرداری اور وزیر اعظم پاکستان راجہ پرویز اشرف جب سر جوڑ کر بیٹھے تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ طاہر القادری کے لانگ مارچ سے ہمارے قائم کردہ نظام اور مفادات کو سخت خطرہ ہے اس لئے اپنے ساتھیوں کو اس کڑے وقت میں مدد کے لئے پکارنا چاہئیے۔ وزیر اعظم صاحب نے فوراً جناب اسفندیا ولی، مولانا فضل الرحمٰن، چوہدری شجاعت اور دیگر کئی ساتھیوں کو فون کرکے مدد کے لئے پکارا۔ رحمٰن ملک کو فوری طور پر لندن روانہ کرکے جناب الطاف حسین کے پیر پکڑنے کو

کہا گیا۔شاید ان کو اس بات کا احساس نہیں کہ الطاف بھائی نے ساری عمر جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کے خاتمے کے لئے جد و جہد کی ہے۔اب وہ اتنا بے وقوف بھی نہیں کہ تمہارے کہنے پر اتنا سنہرا موقع ہاتھ سے جانے دے۔

قصہ مختصر، ملک کے دو بڑے سیاسی پارٹیوں میں (جس میں ملک کے تمام بڑے بڑے سرمایہ دار شامل ہیں) کھلبلی مچی ہوئی ہے کیونکہ خطرہ اب بھی برقرار ہے۔اور یار لوگ مشورے دے رہے ہیں کہ قادری کو نظر بند کر دو،اسلام آباد کو سیل کر دو،ایجنسیوں کو ٹاسک دے دو کہ پاکستان بھر سے لانگ مارچ کے لئے تیاری کرنے والے خاص خاص افراد کو رات کی تاریکی میں اٹھا کر منظر سے ہی غائب کر دے۔

الغرض جتنی منہ اتنی باتیں۔

مگر جو حقیقت ہے وہ یہ ہے کہ سورہ رحمٰن میں بیان کردہ اللہ تعالی کی تمام نعمتیں پاکستان میں موجود ہیں مگر اس کے باوجود سرمایہ دار طبقہ نے فرسودہ اور ناقص نظام کے ذریعے اس پر اس طرح قبضہ کیا ہوا ہے کہ اس پاک سرزمین کو اپنے لئے جنت اور غریب عوام کے لئے دوزخ بنا رکھا ہے۔جب تک اس دھرتی کو ان کے چنگل سے آزاد نہیں کرایا جاتا، تب تک اس دھرتی پر غریب عوام کا جینا مرنا حرام ہی رہے گا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ عوام اس حقیقت کو جانیں اور سمجھیں کہ امراء طبقہ جمہوریت ، جمہوریت پکار کر استحصالی نظام کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔اس استحصالی نظام کے خلاف جو بھی آواز بلند کرے گا۔وہ اسے غدار، وطن دشمن، جمہوریت دشمن اور سازشی کہیں گے۔لیکن انہیں تارخ کا یہ سبق نہیں بھولنا چاہیۓ کہ دنیا میں اس طرح کا استحصالی نظام زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتا۔آخر اس نے ختم ہی ہونا ہے خواہ وہ طاہر القادری کے جوشِ خطابت اور لانگ مارچ سے ہو یا کسی اور مردِ قلندر کے نعرۂ قلندری سے ہو۔انتظار کیجیۓ۔عدل وانصاف کا سورج ضرور طلوع ہو گا۔ انشاللہ۔

شوریٰ ہمدرد۔ پشاور میں دانشوروں کا اجتماع

اللہ تعالیٰ حکیم محمد سعید (شہید) کے درجات بلند کرے جنہوں نے اپنے عمل کے ذریعے نہ صرف اپنے وطن سے محبت اور انسانی خدمت کا واضح ثبوت دیا بلکہ بعض ایسی روایتیں قائم کی ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔اس میں سے ایک" ہمدرد مجلس شوریٰ،، کا قیام ہے جو ہر مہینے باقاعدگی کے ساتھ ملک کے چار بڑے شہروں میں کراچی، لاہور، اسلام آبا اور پشاور میں اجلاس منعقد کرتی ہے۔

جس میں ملکی مسائل پر بحث کی جاتی ہے۔ پشاور میں ہر مہینے ایک پنج ستاری ہوٹل میں "شوریٰ ہمدرد،، کا اجلاس منعقد کیا جاتا ہے۔اس شوریٰ میں اسپیکر کے فرائض پشاور یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر جناب عبدالمتین صاحب ادا کرتے ہیں جبکہ ہمدرد فاونڈیشن کے ریجنل مینیجر محمد اسلم خان صاحب اور عبدالجبار صاحب اس پروگرام کا اہتمام وانصرام کرتے ہیں۔اس اجلاس میں عموماً صوبہ خیبر پختونخواہ اور خصوصاً پشاور کے دانشور اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔

راقم الحروف کو ہر مہینے اس اجلاس میں شرکت اور اس سے مستفید ہونے کا مو

قعہ ملتا ہے۔ گذشتہ روز عبد المتین صاحب کی زیرِ صدارت اس کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس مرتبہ جس موضوع کا انتخاب کیا گیا تھا، وہ تھا" پاکستان کے بہت مستقبل کی ضمانت، آئین کی روشنی میں عوامی نمائیندوں کا انتخاب،، کیونکہ پاکستان کی معروف سیاسی جماعتوں اور راہنماؤں کی جانب سے یہ واویلا کیا جاتا رہا ہے کہ عوام کے ووٹوں سے منتخب ہونے والی حکومتوں کو اس کی آئینی مدت پوری نہیں کرنے دی جاتی رہی، چنانچہ وہ اپنے منشور پر عمل درآمد اور وطنِ عزیز کو درپیش مسائل سے نمٹنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

موجودہ حکومت اپنی آئینی مدت پوری کر رہی ہے لیکن پاکستان کے اٹھارہ کروڑ باشندے واضح طور پر یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے دیرینہ مسائل میں ذرہ برابر کمی آنے کی بجائے ان میں اضافہ ہوا ہے۔ گزشتہ ساٹھ سال کے مجموعی بیرونی قرضوں کا چار برس میں دگنا ہو جانا۔ مالی بدعنوانیوں، اقرباپروری، اور تقریباً تمام قومی اداروں میں کرپشن نے عوام کے جمہوری اداروں پر اعتماد کو متزلزل کر دیا ہے بہتری کے امکانات تو بحر حال باقی ہیں۔

اجلاس میں بلائے گئے مہمان مقرر جناب اقبال سکندر سابق ڈائریکٹر جنرل وزارتِ اطلاعات نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ حکومت کو پارٹی معا

ملات سے بالاتر ہونا چاہئے۔ارکانِ پارلیمنٹ کو فنڈ نہیں دینے چاہیءں۔حکومتی اخراجات کم ہونے چاہیئں۔اگرآئین کے آرٹیکل 62 اور63 کو صحیح معنوں میں بروئے کار لا یا گیا۔توپارلیمنٹ کے موجودہ چہروں میں سے آدھے توالیکشن سے پہلے نااہل ہوجائینگے۔انہوں نے امید ظاہر کی کہ 2013کے عام انتخابات پاکستان میں بڑی تبدیلی کا باعث بنیں گے۔اس الیکشن میں بڑے بڑے برج گریں گے۔

دیگر مقررین اور مبصرین نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہاکہ موجودہ سیاسی منظرنامہ نے قوم کو کنفیوز کیا ہواہے۔ایک طرف سے آواز آتی ہے ،الیکشن وقت پر ہونے چاہئیں،دوسری طرف سے آواز آتی ہے ،انتخابات سے پہلے اصلاحات ضروری ہیں ورنہ اگلے الیکشن کے بعد بھی حالات جوں کے توں رہینگے۔اس لئے انتخابات کے شیڈول کا اعلان فوری طور پر ہونا چاہیے۔مگر انتخابی عمل کو با مقصد بنانا چاہئیے۔دولت کے بل بوتے پر حکومت نہیں بننی چاہئیے۔بدقسمتی سے ہمارے ہاں امریت، صدارت اور جمہوریت ہر قسم کی طرزِ حکومتیں ناکام ہو چکی ہیں۔جمہوری طرزِ حکومت کواگرچہ اس وقت دنیا میں بہترین قسم کی طرزِ حکومت سمجھا جاتا ہے مگر اس کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ جمہوری اقدار کو بھی اپنایا جائے۔مثلاًاگر کوئی ادارہ فیل ہوتا ہے یا نہایت ناقص کارکردگی کا مظاہرہ کرتا ہے تو اس کے سر

براہ کو مستعفی ہو جانا چاہیئے۔ارکانِ پارلیمنٹ کی سکروٹنی صرف الیکشن سے پہلے ہی نہیں بعد میں بھی ہونی چاہیئے۔جو افراد آئین کے آرٹیکل 62،63 پر پورا نہیں اترتے،، انہیں الیکشن سے پہلے نا اہل قرار دیا جائے اور جو افراد منتخب ہونے کے بعد ملکی خزانہ میں خیانت کے مرتکب پائے جائیں یا اپنے منصب کے فرائض کی بجاآوری صحیح طور نہیں کر سکتے، انہیں الیکشن کے بعد بھی نا اہل قرار دینے کے لئے ابھی سے قانون سازی کرنی چاہیئے۔

شوریٰ ہمدرد میں پشاور کے دانشورں نے اس بات کا خدشہ ظاہر کیا کہ حالات بے حد نازک ہیں اور اس بات کے متقاضی ہیں کہ بہتری کے لئے فوری اقدامات کئے جائیں۔غیر یقینی صورتِ حال ختم کرنے کے لئے اگلے عام انتخابات کے تاریخ کا اعلان کر دیا جائے اور با مقصد انتخابی عمل کے ذریعے اہل، دیانت دار اور امانت دار لوگوں کے انتخاب کو آسان بنایا جائے۔

الیکشن کے بعد کا منظر نامہ

پیپلز پارٹی اور ان کے اتحادی جماعتوں کا پانچ سالہ دورِ حکومت ختم ہوا چاہتا ہے۔ سیاسی جماعتوں نے اگلے عام انتخابات کی تیاری شروع کر دی ہے۔ گزشتہ پانچ سالہ دور میں بطورِ قوم ہم نے کیا حاصل کیا؟ کیا پایا؟ کیا کھویا؟ اس کا فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے گا۔ مورخ اس بات کا فیصلہ یہ سوچ کر کرے گا۔ کہ پانچ سال کا عرصہ قومو ں کی تاریخ میں بہت ہوا کرتے ہیں اس عرصہ میں تو قومیں کہیں سے کہیں نکل جایا کرتی ہیں۔ گذشتہ پانچ سال میں بھی دنیا کہیں سے کہیں نکل گئی۔ بے شک بربادیاں بھی ہوئیں، تباہیاں بھی ہوئیں، انقلاب کے نام پر خانہ جنگی بھی ہوئیں لیکن جو کچھ پاکستان میں جمہوریت کے نام پر ہوا۔ وہ ایک الگ داستان ہے، الگ قصہ ہے،

حقیقت تو یہ ہے کہ جمہوریت کے نام پر ہونے والا یہ ڈرامہ دنیا کے اسٹیج پر زبردست قسم کا مذاحیہ ڈرامہ تھا۔ ایک انوکھا تجربہ تھا۔ ان پانچ سالوں میں جہاں ہم نے بطورِ قوم اپنے آپ کو زیادہ منظم، زیادہ طاقتور اور زیادہ ترقی یافتہ کرنا تھا وہاں ہم نے اپنے آپ کو ذیادہ کمزور اور ذیادہ منتشر کر دیا۔ ان پانچ سالوں میں ہم زیادہ پستی میں چلے گئے۔ موجودہ حکمرانوں نے جس طرح قومی خزانہ کو لوٹا اور اربوں روپے کی کرپشن کی۔ وہ اس وقت زبان زدِ عام ہیں۔ کوئی ڈھکی چھپی بات

نہیں۔۔۔۔اس وقت ہلہ گلہ اور افرا تفری عروج پر ہے۔ کہیں نگرانوں کے لئے جوڑ توڑ ہو رہا ہے کہیں لوٹے جمع کئے جا رہے ہیں، کہیں گھوڑوں گدھوں کو چارہ ڈالا جا رہا ہے اور کہیں گھوڑوں گدھوں کو بڑے مہنگے داموں خریدا جا رہا ہے، کہیں بم دھماکے ہو رہے ہیں تو کہیں اغواء برائے تاوان، اور بھتہ خوری کا کا بزنس عروج پر ہے، کہیں ٹارگٹ کلنگ کی گنتی ہو رہی ہے۔ لیکن ہمارے حکمرانوں کو ایک ہی فکر ہے کہ کس طرح اور کس کو نگران حکومت سونپی جائے جو آنے والے دنوں میں ان کی وفادار رہے، ان کی مرضی کے مطابق چلے۔ کہیں ایسا نہ ہو، کہ وہ عدلیہ کے فیصلوں اور الیکشن کمیشن کے مرتب کردہ قواعد و ضوابط پر عمل کرنے کا ارادہ نہ کر لیں۔ موجودہ حکمرانوں کو اس وقت سب سے بڑا خطرہ جو نظر آ رہا ہے، وہ یہ ہے کہ اگر کہیں ایماندار شخص نے نگراں حکومت سنبھال لی۔

اور قانون اور اصولوں پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ تو پھر کیا ہو گا۔؟ اگر نیب کے سزا یافتہ، بنکوں سے قرض ہڑپ کرنے والے اور ٹیکس چوروں کی فہرستیں سامنے آ گئیں تو پھر کیا ہوگا؟ پھر تو موجودہ ارکانِ پارلیمنٹ (جو سیاست کو اپنا موروثی حق سمجھتے ہیں) ان میں سے پچھتر فی صد تو الیکشن سے پہلے ہی نا اہل ہو جا ئینگے۔ اور الیکشن کے بعد سیاست کو تجارت سمجھنے والے سیاسی جماعتوں کی اگر حکومت نہ بن سکی تو پھر کیا ہو گا!؟

بد قسمتی کی بات یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں کو اپنے پڑوس میں کھیلا جانے والا وہ پیچیدہ کھیل نظر ہی نہیں آتا، جو 1988 میں روس کے نکلنے کے بعد افغانستان میں رونما ہونے والے کھیل سے بالکل مختلف ہو گا۔ جس کو ایران، ترکی، سعودی عرب، روس، چین اور بھارت سمیت کئی ممالک بالکل مختلف انداز میں دیکھ رہے ہیں۔ میری نظر میں میں افغانستان سے امریکہ کے نکلنے کے بعد اس کھیل کا سارا ملبہ پاکستان پر 2014 گرنے کا امکان ہے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس کالم کی اشاعت کے تقریباً دو ہفتوں کے بعد طلوع ہوتا ہوا منظر نامہ یہ فیصلہ کرے گا کہ پاکستان نے کس سمت کو جانا ہے۔ میری دعا ہے کہ اس مرتبہ ماضی کے برعکس پاکستانی عوام درست فیصلہ کرے اور ایسی قیادت کو مسندِ اقتدار تک پہنچائے جو دوراندیش، اہل، نڈر اور پر خلوص ہو۔ ورنہ مجھے ڈر ہے کہ الیکشن کے بعد کا منظر نامہ بڑا ہی اندوہناک، خوفناک اور خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔۔

کیا کھیل ختم، پیسہ ہضم ہو گا؟

اللہ مغفرت فرمائے، میرے مرحوم والد صاحب کی جو کسی بھی نا خوشگوار واقعہ کے خاتمے کے بعد عموماً کہا کرتے تھے کہ " کھیل ختم پیسہ ہضم " بچپن کی اس دور میں مجھے اس مختصر سے جملے کی سمجھ نہیں آتی تھی۔ مگر اب زندگی کی چونسٹھ بہاریں دیکھنے ، گذشتہ پانچ سالوں میں وطنِ عزیز پر قابض حکمرانوں کے کھیلے گئے کھیل کو دیکھنے اور اب ان کے اقتدار کے خاتمہ کے بعد سمجھ آئی کہ 'کھیل ختم، پیسہ ہضم' کا مطلب کیا ہے ؟ کیونکہ اب کھلی آنکھوں سے ہم نے دیکھا اور پرکھا کہ کس طرح زرداری اور ان کے ہم پیالہ و ہم نوالوں نے گذشتہ پانچ سالوں کے دوران 'پیسے پیسے' کا کھیل کھیلا۔ اور اب اس کھیل کے آخری لمحات میں بھی کیا کیا داؤ پیچ کھیلے جارہے ہیں۔ بجلی گیس کی بندش، ہوشربا مہنگائی، لاقانونیت، دہشت گردی ، بے روزگاری ، ملکی خزانے کی لوٹ مار اور وڈیروں، جاگیرداروں کے ہاتھوں غریبوں کی توہین وتذلیل بھگتنے والے عوام ہی جانتے ہیں کہ ان کے ساتھ کیا کھیل کھیلا گیا؟۔

پانچ سال ایک طویل عرصہ ہے خصوصاجب کوئی کسی مصیبت اور مشکل میں گرفتار ہو۔یہی وجہ ہے کہ غریب اور متوسط طبقہ پر اس پانچ سالوں کا ایک ایک دن بھا

ری رہا۔ان پانچ سالوں میں ایک دن بھی کسی خوشی کی خبر نہیں سنی بلکہ آئے دن مہنگائی کے بم ان پر گرتے رہے۔لوگ ان سے پہلے ڈاکوؤ ں اور چوروں کو بھول گئے کیونکہ انہوں نے اتنے نادیدے پن کا مظاہرہ نہیں کیا تھا، جیسے اب کے حکمرانوں نے کیا۔یہاں تک کہ جاتے جاتے آخری روز سرکاری تعطیل منسوخ کرکے لوٹ مار، غیر قانونی تقرر و تبادلے اور سرکاری خزانے کی بندر بانٹ جاری رکھی۔ کسی کو شرم آئی نہ حیا۔وضاحت کے لئے صرف ایک ہی مثال کافی ہے۔قومی اسمبلی کی اسپیکر فہمیدہ مرزا صاحبہ نے اسمبلی تحلیل ہونے سے صرف چار دن پہلے یعنی بارہ مارچ کو قومی اسمبلی کے فنانس کمیٹی کا اجلاس بلایا۔اجلاس میں مسلم لیگ (ن)، اے این پی اور ایم کیو ایم کے نمائندے بھی شامل تھے۔اسپیکر صاحبہ نے اپنے لئے ایک پیکیج پیش کیا، جس کی منظوری بصد ادب و احترام تمام ممبران نے دی۔اس پیکیج کے تحت اسپیکر صاحبہ کو تاحیات ایک لاکھ روپیہ ماہوار خرچہ سرکار دے گی۔ علاوہ ازیں انہیں تازندگی سرکار کی طرف سے سولہ سو سی سی گاڑی، ایک ڈرائیور، ایک نائب قاصد، ایک اپریٹر، ایک چوکیدار اور ایک پی اے بھی دیا جائیگا۔ گویا وہ جب تک زندہ ہے، قومی خزانے پر بوجھ بنی رہیگی۔ اب بھلا ان سے کوئی پوچھے کہ تم نے اس ملک کے لئے یا اس قوم کے لئے کیا ہی کیا ہے؟ پانچ سال میں تین سال تو تم بیرونِ ملک سیر سپاٹے کرتی رہی ہو، ڈپٹی اسپیکر فیصل کریم کنڈی قومی اسمبلی کے اجلاس کی صدارت کرتے نظر آئے۔پھر ظلم کی انتہا دیکھو، اسپیکر صا

حبہ نے صرف مذکورہ پیکیج ہی منظور نہیں کروایا بلکہ اس آخری اجلاس میں اپنے بیرونی دوروں کی مد میں ڈھائی کروڑ روپے کے اخراجات بھی اپنے لئے منظور کروائے۔امریکہ میں علاج کے بیس لاکھ اور عمرے کے چار لاکھ روپے الگ منظور کرائے۔حالانکہ اسپیکر صاحبہ خود کئی شوگر ملز کی مالک ہے۔اور ان کے نوکروں چاکروں کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔ یہ تو ایک مثال ہے ان کی جماعت کی دیگر لوگوں کے کارنامے اس سے بھی بڑے ہیں۔اب جاتے جاتے بھی ایسی لوٹ مار کی۔کہ ملک کی اقتصادی، معاشی اور سیاسی شکل کو اتنا بگاڑ دیا اور مسائل و مشکلات کے اتنے بڑے بڑے انبار لگا دیئے ہیں جسے سوچ کر دل ڈوبنے لگتا ہے۔

آخری وقت تک حکومت ایسے فیصلے کرتی رہی جس کا کوئی بھی ملک کا خیر خواہ سوچ بھی نہیں سکتا۔اربوں روپے قومی خزانہ سے نکلنے کا حکم دیا گیا۔اپنے اہم مہروں کو جن کے بارے میں خطرہ ہے کہ کہیں وہ دھر نہ لئے جائیں اور سچ اگلنا نہ شروع کردیں،ان کو سرکاری تحفظ دینے کے اعلانات کئے گئے، کسی کو صدر کا معالج بنا کر ایوانِ صدر میں پناہ دی جارہی ہے اور کسی کو ملک سے بھاگنے کا موقعہ دیا جارہا ہے۔

گویا آخری وقت میں خوب دھما چوکڑی ہو رہی ہے۔حکومت کے اداکار اپنے اپنے حصے کا مالِ غنیمت سمیٹ کر بھاگنے کی سوچ رہے ہیں۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا

ہے کہ کیا قوم ان کے لوٹ مار کو بھلا کر آگے سفر جاری رکھے ؟ یا ان لوٹ مار کرنے والوں کو احتساب و انصاف کے کٹہرے میں کھڑا کرنے کی کوشش کرے ؟ اگر کوئی کہے کہ بھلا دینا ہی بہتر ہے تو پھر آنے والی حکومت کو بھی سارے راستے کھل جائینگے ، ان کو بھی کوئی روک نہ سکے گا۔ اور اگر اس طرح کے بے دریغ لوٹ مار کا حساب کتاب نہ لیا گیا تو کس طرح اس ملک کی کشتی کو چلایا جائیگا اور کنارے لے جایا جائیگا ؟ اِس وقت سارے سیاسی مگر مچھ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ ایسے بے ضرر لوگوں کو عبوری حکومت دی جائے جو کسی بھی قسم کا احتساب کرنے کی اہلیت نہ رکھتے ہوں۔ کھیل ختم ہونے کے ساتھ ساتھ پیسہ بھی ہضم کیا جائے مگر ایسا ہونا نہیں چاہئے بلکہ ملکی خزانے پر ڈاکہ ڈالنے ،ایوانِ صدر میں پناہ لینے ،اور راہِ فرار اختیار کرکے اپنے آپ کو ملک بدر کرنے والے لٹیروں کو گھیر کر پیسہ ہضم کرنے کا موقع ہرگز نہیں دینا چاہیے۔

مایوسی چھارہی ہے

پاکستانی عوام پر پچھلے پانچ برس یقیناً بہت گراں گزرے ہیں۔ بے لگام مہنگائی، بے روز گاری، بدامنی، بدانتظامی، بجلی، گیس کی لوڈ شیڈنگ اور کرپشن کی وباء نے انہیں سخت مشکل میں ڈالے رکھا۔ مگر انہیں یہ امید تھی کہ اگلے عام انتخابات ہونگے تو انشاللہ حالات پلٹا کھا جائینگے اور ان کی ابتر صورتِ حال میں بہتری آئیگی۔ آئین کے آرٹیکل باسٹھ، تریسٹھ کا ذکرِ خیر ہوا، تو عوام کے دلوں میں ایک نئی امید کی کرن پیدا ہوئی۔ وہ سمجھے کہ اس بار الیکشن کمیشن ان دفعات کی روشنی میں ایک ایسی چھانی کا استعمال کرے گی جس سے گزرنا ان لوگوں کے لئے ممکن نہیں ہوگا، جنھوں نے قومی خزانے کو لوٹا ہو، کرپشن کی ہو یا بنک کا ڈیفالٹر ہو۔ کاغذاتِ نامزدگی داخل کرانے کا موقعہ آیا تو ریٹرنینگ آفسران نے کاغذاتِ نامزدگی داخل کرانے والوں سے وہ وہ سوالات پوچھے، جسے سن کر کمرہ عدالت کشتِ زعفران بن جاتا۔ ہماری سادہ لوح عوام سمجھی ،شاید امیدواروں کو چھلنی میں سے گزارہ جا رہا ہے۔ لیکن جلد ہی یہ احساس ہوا کہ یہ سوالات وہ جوابات تو محض دکھاوا تھا۔ کیونکہ بعد ازیں ان لوگوں کو بھی انتخاب میں حصہ لینے کی اجازت مل گئی جو جعلی ڈگری ہولڈر تھے اور جنہیں عدالت نے باقاعدہ سزا سنائی

تھی۔ عوام جو یہ امید لگائے بیٹھی تھی کہ الیکشن سے پہلے سیاست کے جوہڑ کو گندی مچھلیوں سے پاک کر دیا جائیگا، ان کی یہ امید پوری نہ ہو سکی۔ اب آنے والے انتخابات میں اکثریت ان چہروں کی ہو گی جو اپنے سکینڈلز اور دوسرے کارناموں کی وجہ سے خاصے جانے پہچانے ہیں۔

عوام یہ بھی دیکھ رہی ہے کہ مشرف دور کے کوئی چالیس پچاس ارکانِ اسمبلی مسلم لیگ ن اور پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے ہیں۔ کل تک مشرف کے گیت گانے والے اور اس کے کندھوں پر سواری کرنے والے آج مشرف کے حق میں دو بول بھی نہیں بولتے۔ آج وہ نواز شریف یا زرداری کے گن گا رہے ہیں اور آنے والے الیکشن کے لئے ان سے ٹکٹیں لے کر پھر سے اسمبلیوں میں پہنچنے کے لئے بے چین ہیں۔ ان کے ضمیروں میں ذرہ بھر بھی خلش پیدا نہیں ہوتی کیونکہ ان کے ضمیر ان کے مفادات کے اسیر ہیں۔ کردار نام کی کوئی چیز عوام کو نظر نہیں آ رہی ہے۔ یوں محسوس ہو رہا ہے کہ آنے والے الیکشن سے کچھ بھی نہیں بدلے گا۔ بہت کم تعداد میں چہرے بدلیں گے۔ اکثریت انہی کی ہو گی جو پہلی تھی۔ موروثی سیاست چلتی رہے گی کیونکہ نظام میں ابھی تک کسی بہتری کے آثار عوام کو نظر نہیں آئے، یہ وجہ ہے کہ عوام میں مایوسی پھیل رہی ہے۔ شفاف انتخابات کے حوالے سے ذہنوں میں شکوک و شبہات الیکشن کمیشن اور نگران حکومت کے قیام سے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ یہ تاثر پیدا ہوا، کہ بہت کچھ اندرونِ خانہ ہی طے ہو چکا

تھا۔ عوام کے ذہنوں میں
انتخابات کی شفافیت کے حوالے سے بہت سارے سوالات جنم لے رہے ہیں۔
الیکشن کمیشن، نگران حکومت اور عدالت عالیہ کے درمیان ایک کشمکش کی سی کیفیت نظر آ رہی ہے۔یہ احساس ابھرتا جا رہا ہے کہ اندرونِ خانہ کوئی نہ کوئی کھچڑی ضرور پک رہی ہے۔الیکشن کمیشن کے فیصلوں میں لڑکھڑاہٹ نظر آ رہی ہے اور اس کے بیشتر اقدامات وقت کا ساتھ نہیں دے رہے ہیں۔ایف بی آر، اسٹیٹ بنک،نیب اور واپڈا وغیرہ کی طرف سے نادہندہگان کی فہرستیں موصول نہیں ہوئیں۔
سکروٹنی کا عمل تشنہ کام رہااور خاصی بڑی تعداد میں ٹیکس چوروں اور بنک سے قرضے ہڑپ کرنے والوں کا کاغذاتِ نامزدگی منظور کر لئے گئے ہیں۔
اندریں حالات ہم سمجھتے ہیں کہ اس وقت پوری قوم عرصہ امتحان میں ہے۔پرانے کھلاڑی عوام سے ایک مرتبہ پھر داوء پیچ آزمارہے ہیں۔انتخابات کی رت جوبن پر ہے۔پرانے کھلاڑیوں کے پاس لوٹ مار کا پیسہ اور حرام کی کمائی ہے۔لہٰذا عوام کو چاہئے کہ اس مرتبہ بہت زیادہ سوچ سمجھ کر ووٹ کا استعمال کریں۔مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔اپنے ذہنوں پر چھا جانے

والی مایوسی کے کالے گھٹاوں سے مت گھبرائیں۔ اگر آپ نے بغیر کسی لالچ، حرص اور جانبداری کے اپنے ووٹ کا استعمال کیا تو مایوسی کے ان کالی گھٹاوں میں سے چمکتا ہوا ایک ایسا سورج طلوع ہوگا جو آپ کا اور پیارے پاکستان کے مستقبل کو روشن کرے گا۔۔

کُتیا اور چور

میرا ایک دوست پنجاب کے ضلع چکوال کا رہنے والا تھا۔اس کی عادت تھی کہ گفتگو کے دوران عموماً ایک یہ جملہ بولتا تھا کہ " یار کی کراں ، کُتیا چوروں دے نال ملی ہوئی ہے " (یار کیا کریں ، کُتیا چوروں کے ساتھ ملی ہوئی ہے)۔مجھے آج ان کا یہ جملہ بار باراس لئے یاد آ رہا ہے کہ وطنِ عزیز میں الیکشن کی گہما گہمی عروج پر

ہے، مکانوں، دکانوں اور بازاروں میں سیاسی جماعتوں کے جھنڈے مختلف رنگوں میں لہراتے نظر آ رہے ہیں۔ مگر جو چیز نہیں نظر آ رہی ہے۔وہ صاف، شفاف اور غیر جانبدارانہ انتخابات کا انعقاد ہے۔

آیئے ! اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ الیکشن کمیشن، جس کا بنیادی فرض صاف و شفاف الیکشن کا انعقاد ہے، وہ اس ضمن میں کیا کر رہا ہے۔

واضح رہے کہ ایک جمہوری حکومت کے سائے تلے یہ پاکستان کا پہلا الیکشن ہے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہو گا کہ 2008 کے انتخابات میں متعدد افراد جعلی ڈگریوں کی بنیاد پر اسمبلیوں میں جا پہنچے تھے ۔چونکہ ان کے ہاں جعلی اور غلط کام کرنا جائز تھا۔ لٰہذا انہوں نے موقع ملتے ہی ملکی خزانے سے لوٹ مار شروع

کر دی اور گذشتہ پانچ سالوں میں ٹرانسپیریسی انٹر نیشنل کے مطابق ان بر سر اقتدار اراکین نے تقریباً آٹھ ہزار ارب روپے کی لوٹ مار کی۔جو 180ارب ڈالر کے برابر ہے۔ جبکہ ہم امریکہ سے 2 ارب ڈالر کی سالانہ امداد منتیں کر کرکے حاصل کرتے ہیں۔ اب آپ خود اندازہ لگائیں کہ ان جعلی ڈگری ہولڈروں نے ملک کو کس طریقہ سے بری طرح نچوڑا۔اور یہ سب کچھ معزز عدلیہ اور پاک فوج کے رو برو ہوتا رہا۔سارلوٹا ہوا مال بیرونِ ملک منتقل ہوتا رہا جبکہ ملکی صنعتیں تباہ ہو گئیں۔اگرپانچ سال پہلے یعنی 2008 کے انتخابات کے وقت آئین کے آرٹیکل باسٹھ،تریسٹھ پر عمل ہوتا تویقیناً پاکستان آج جس تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے اس سے محفوظ رہتا۔

خیر ماضی میں تو جو ہوا، سو ہوا۔لیکن افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہمیں اب بھی احساسِ زیاں نہیں ہے اور ہمارا الیکشن کمیشن اب بھی " چوروں کو بچاؤ " پالیسی پر چل رہا ہے اور ہر ممکن کوشش ہے کہ ان جعلسازوں کو جانچ پڑتال سے چھٹکارا مل جائے اور اگلے انتخابات میں پھر سے بحیثیتِ امیدوار اہل قرار پائیں۔الیکشن کمیشن نے ان ستائیس ارکانِ اسمبلی کو بھی اگلے عام انتخابات کے لئے اہل قرار دے دیا ہے جن کی ڈگریوں کو ہائرایجوکیشن کمیشن نے باقاعدہ جعلی قرار دے دیا تھا۔علاوہ ازیں 189 ارکانِ پارلیمنٹ ایسے ہیں جن کو گذشتہ تین سال سے ہائیرایجوکیشن کمیشن اپنے تعلیمی اسناد جمع کرنے کو

کہہ رہا ہے۔بار بار یاد دہانیوں کے باوجود انہوں نے جانچ پڑتال کے لئے اپنی تعلیمی دستاویزات HEC کے پاس جمع نہیں کرائیں۔بلکہ اب تو انہوں نے صاف انکار ہی کر دیا ہے، ظاہر ہے یہ سپریم کورٹ کے احکامات کی کھلی خلاف ورزی ہے۔اصولاً اور قانوناً اگلے انتخابات کے لئے انہیں نا اہل قرار دے دینا چاہیئے تھا مگر افسوس کہ ایسا بھی نہیں ہوا۔الیکشن کمیشن نے ایک خط جاری کیا تھا کہ ۲۲ فروری تک 249 سابق ارکانِ صوبائی و قومی اسمبلی اپنے تمام دستاویزات جمع کرائیں ورنہ ان کے ڈگریوں کو جعلی تصور کیا جائیگا اور ان کے خلاف فوجداری کاروائی بھی کی جا ئیگی۔ مگر افسوس کہ ۲۲ فروری کب کا گزر چکا ہے مگر ان کے خلاف کوئی بھی کاروائی الیکشن کمیشن نے نہیں کی ہے۔

ہو نا تو یہ چاہئے تھا، بلکہ یہ وقت کی اہم ترین ضرورت تھی کہ اگلی حکومت صاف و شفاف کردار کے مالک افراد کے سپرد کی جاتی۔مگر افسوس کہ الیکشن کمیشن " چوروں کو بچاو " پالیسی کی حکمتِ عملی پر عمل پیرا ہے اور بقول میرے دوست ، یوں محسوس ہوتا ہے کہ کُتیا چوروں نال ملی ہوئی ہے۔اب ایک ہی صورت باقی ہے کہ ہم اپنا ووٹ بغیر کسی لالچ اور دباوء کے سوچ سمجھ کر استعمال کریں، ان جعلی ڈگری ہو لڈروں، چوروں لٹیروں کو ٹھکرا دیں اور اپنے ووٹ سے ملک کی قسمت بدل دیں۔۔

عمران خان کا نواز شریف کو مناظرے کا چیلنج

آ ج کل الیکٹرانک میڈیا کی اہمیت کا اندازہ آ پ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ملک کی تمام بڑی سیاسی جماعتیں مختلف ٹی وی چینلز پر روزانہ کروڑوں روپے کے اشتہارات دے کر انتخابی مہم چلا رہی ہیں۔ گویا تمام سیاسی جماعتیں اس بات کو تسلیم کرتی ہیں۔ کہ ٹیلی ویژن عوام تک اپنا پیغام پہنچانے کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ پھر موجودہ صورتِ حال میں جبکہ سیاسی جماعتیں دہشت گردی کی وجہ سے انتخابی مہم کھل کر آزادانہ طریقہ سے نہیں چلا سکتیں۔ ٹیلی ویژن کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ عوام کو اپنا منشور یا اپنی بات آسانی کے ساتھ بلا خوف وخطر پہنچائی جا سکتی ہے۔

اگر ہم دنیا کے دیگر ممالک میں انتخابات اور انتخابی مہم کا جائزہ لیں تو یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ وہاں سیاسی جماعتوں کے لیڈر ٹی وی پر عوام کے سامنے نہ صرف اپنا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں بلکہ لیڈرز ٹی پر با قاعدہ مناظرہ / مباحثہ کرتے ہیں اور عوام ان کو انکے پیش کردہ خیالات و گفتگو کے ذریعے جانچتے ہیں، اور پھر ان کو ووٹ دینے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں انتخابات کے وقت ایسے مناظروں کو بڑی اہمیت دی

جاتی ہے۔ گویا پاکستان تحریکِ انصاف کے چیئرمین عمران خان کا پاکستان مسلم لیگ (ن) کے سربراہ نواز شریف کو مناظرے کا چیلنج دینا، جمہوری نظام میں کوئی انہونی یا غیر روایتی بات نہیں، خصوصاً ایسے حالات میں، جبکہ سیاسی پاٹیوں کے سربراہوں کو جان سے مارنے کی دھمکیاں دی جارہی ہیں اور ملک ایک سنگین صورتِ حال سے دو چار ہے۔ پیپلز پارٹی کے راہنما فرمارہے ہیں کہ ہمیں الیکشن سے باہر رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بلاول بھٹو زرداری نے ویڈیو لنک کے ذریعے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ " قائدِ عوام اور بینظیر بھٹو کے قاتل ہمیں قتل کرنا چاہتے ہیں " ایم کیو ایم نے منگل کے دن یہ کہہ کر اپنی انتخابی مہم ہی بند کردی کہ طالبان ہمیں' اے این پی اور پیپلز پارٹی کو نہ صرف دھمکیاں دے رہے ہیں بلکہ انتخابی دفاتر اور جلسوں پر حملے بھی ہو رہے ہیں۔ متعدد سیاسی راہنماوں کو وزارتِ داخلہ کی طرف سے باقاعدہ خبردار کیا گیا ہے کہ دہشت گرد مختلف علاقوں میں داخل ہو گئے ہیں اور ان پر خود کش حملے ہو سکتے ہیں گویا اس صورتِ حال میں سیاسی جماعتوں کے لئے انتخابی مہم چلانا سیکیوریٹی رسک ضرور ہے۔ اندریں حالات عمران خان کا نواز شریف کو مناظرے کی دعوت دینا ایک اچھی بات اور ایک اچھی سوچ ہے۔

نواز شریف کو ٹی وی پر آکر عوام کے سامنے اپنا نقطہ نظر پیش کرنے میں کیا چیز مانع ہے؟ یا عمران خان کا سامنا کرنے سے وہ کیوں گریزاں ہے؟ انتخابی

نشان بھی ان کا ماشاللہ شیر ہے ، انہیں شیر بن کر سینہ تان کر عمران خان کے مناظرے کا چیلنج قبول کر لینا چاہیۓ۔

بلکہ صرف عمران خان یا نواز شریف کا مناظرہ ہی نہیں ، تمام بڑی سیاسی جماعتوں کے قائدین کو ٹی وی پر آ کر عوام کی عدالت میں آ کر اپنا منشور اور آئیندہ کا لائحہ عمل پیش کرنا چاہیئے۔ٹی وی مناظرہ سیاسی قائدین کے لئے ایک بہترین جمہوری پلیٹ فارم ثابت ہو سکتا ہے.بڑے بڑے جلسے منعقد کرنے پر نہ صرف یہ کہ کروڑوں کا خرچہ آ رہا ہے بلکہ جان جانے کا خطرہ الگ سے موجود ہے تو کیوں نہ جدید دور کے جدید سہولت یعنی ٹیلی ویژن کو بروئے کار لایا جائے۔آج کمیونیکیشن ٹیکنالوجی کے معجزات نے معاشرتی تبدیلی کے جاری و ساری عمل میں بے پناہ وسعت پیدا کر دی ہے۔تو کیوں نہ ہم اس سہولت سے فائدہ اٹھائیں ؟ کیوں نہ نواز شریف کو عمران خان کے مناظرے کا چیلنج ایک ایسی روایت بنا دیں جو پاکستان میں بھی انتخابی عمل کا ایک لازمی جزو بن جائے۔ پاکستانی عوام پہلے کی نسبت کافی با شعور ہو چکے ہیں۔اور ٹیلیویژن سکرین پر اپنے قائدین کے دلائل، خیالات اور آئیندہ کا لائحہ عمل سن کر، جانچ کر برے بھلے کی آسانی سے تمیز کر سکیں گے۔ لہذا ہماری یہ تجویز ہے کہ ٹی وی چینلز یا الیکشن کمیشن مناظروں کے لئے باقاعدہ اہتمام کرے، اور اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ سیاسی قائدین مناظرہ کے وقت ایک دوسرے کے خلاف

ذاتی حملوں سے گریز کرتے ہوئے شائستہ طریقہ سے اپنا اظہارِ خیال کر سکیں تاکہ یہ مناظرے جمہوری اور انتخابی عمل کے لئے ایک روشن مثال بن جائے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اگر نواز شریف نے عمران کے مناظرے کا چیلنج قبول کر لیا تو پاکستانی سیاست اور انتخابی عمل میں ایک مثبت روایت کا آغاز ضرور ہوگا۔

مولانا صاحب! ذرا دیکھ کے چل

2013 کے انتخابات تمام تر خدشات اور دہشتگردوں کی وارداتوں سے پیدا ہونے والے خوف وہراس کے باوجود مکمل ہو گئے ہیں اور انتخابی نتائج نے سب کو حیران بھی کر دیا ہے کیونکہ توقع یہ کی جارہی تھی کہ پاکستان مسلم لیگ (ن) اور پاکستان تحریکِ انصاف کے حاصل کردہ سیٹوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہوگا۔ مگر تجزیہ کاروں اور اندازے لگانے والوں کا حساب کتاب غلط ثابت ہوا، اور نواز شریف کو پنجاب میں توقع سے زیادہ سیٹیں مل گئیں۔ اگرچہ الیکشن کمیشن، حکومت اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی تمام تر کوششوں کے باوجود ملک گیر سطح پر انتخابات کا عمل پوری طرح پر سکون، صاف، شفاف اور توقعات پر پورا نہیں اتر سکا۔ بایں وجہ کئی سیاسی جماعتوں کے کارکن تادمِ تحریر سڑکوں پر احتجاج کر رہے ہیں۔ مگر ایک بات جو سب کو اچھی لگی اور جس کی تعریف نہ کرنا بڑی زیادتی ہوگی، وہ صوبہ خیبر پختونخواہ کی عوام کی آزادانہ اور غیر متعصبانہ سوچ ہے۔ ۱۱ مئی کو انتخابات کے جو نتائج صوبہ خیبر پختونخوا میں سامنے آئے ہیں۔ وہ پختونوں کی سمجھ بوجھ اور عقل و دانش کا واضح ثبوت ہیں۔ بڑے خوبصورت طریقے سے انہوں نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا ہے۔

انتخابات جمہوری عمل کو رواں دواں رکھنے کے لئے ایک لازمی اور اہم مرحلہ ہوتا ہے ۔ مگر یہ بھی ایک بڑی حقیقت ہے کہ انتخابات کے بعد جیتنے والی سیاسی جماعتوں کا اصل امتحان انتخابات کے بعد ہی شروع ہوتا ہے۔جس میں پہلا مرحلہ اکثریت حاصل کرنے والی پارٹی کے مینڈیٹ کو تسلیم کرنا بھی شامل ہے۔اگر کسی سیاسی پارٹی کی قیادت دوسری سیاسی پارٹی کی مینڈیٹ کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے خود اقتدار میں گھسنے کی کوشش کرے تو یقینا ایسا کرنا جمہوری عمل کو سبوتاژ کرنے کی کوشش تصور کی جائیگی۔ جے یو آئی کے قائد جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے انتخابات کے فورا بعد گٹھ جوڑ کا آغاز کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ہم ن لیگ اور آفتاب شیرپاؤ کے ساتھ مل کر صوبہ خیبر پختونخواہ میں مخلوط حکومت بنائینگے،پھر اس کے لئے عملا سرگرم ہو گئے اور سابق وزیرِاعلی اکرم خان درانی کو خصوصی طور پر یہ ٹاسک سونپ دیا کہ وہ جوڑ توڑ اور وزارتوں کا لالچ دے کر کسی طرح آزاد اراکین،قومی وطن پارٹی کے اراکین اور ن لیگ کے اراکین کو قفسِ دام میں گھیر لے، حالانکہ ایسا کرنا جمہوری عمل کے بالکل خلاف بات ہے۔کیونکہ ایسا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ صوبے کے عوام کے اصل مینڈیٹ کو بھاڑ میں جھونک دیا جائے اور صوبے کے سب سے بڑی پالیمانی قوت بن جانے والی قوت یعنی تحریکِ انصاف کو واضح بنتی حکومت سے محروم کیا جائے۔ مولانا صاحب اگرچہ اقتدار کی شدید خواہش رکھنے

کے لئے پورے ملک میں شہرت رکھتے ہیں۔ جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ انتخابات کے فوراً بعد انہوں نے خیبر پختونخواہ کے مینڈیٹ کو تلپٹ کرتے ہوئے اقتدار کے حصول کی مچلتی تمنا کو آشکارا کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ یہ تو بھلا ہو، نواز شریف کا اور ملک کے دیگر سرکردہ منتخب قائدین کا جنہوں نے پختونخواہ کی عوام کی مینڈیٹ کو سبوتاژ کرنے کے عمل کو جمہوری عمل کے خلاف گردانتے ہوئے صوبہ کے پی کے میں تحریکِ انصاف کی حکومت قائم کرنے پر زور دیا، جس کی وجہ سے امید واثق ہے کہ بہت جلد صوبہ خیبر پختونخواہ میں تحریکِ انصاف جماعتِ اسلامی اور قومی وطن پارٹی کے ساتھ مل کر حکومت بنادیگی۔ اور مولانا فضل الرحمٰن ہاتھ ملتے رہ جائینگے۔ بلکہ شنید ہے کہ اس مرتبہ مرکز میں بھی انہیں چارہ نہیں ڈالا جائیگا، کیونکہ ن لیگ میں شامل بہت سارے اراکینِ اسمبلی اس بناء پر ان کی مخالفت کررہے ہیں کہ مولانا صاحب چونکہ شدید قسم کا ہوسِ زر اور ہوسِ اقتدار رکھتے ہیں لہٰذا انہیں اپنے ساتھ شامل نہ کرنا ہی ملک و قوم کے لئے بہتر ہوگا۔

قصہ مختصر، مولانا صاحب سے یہ گزارش کرنی مقصود ہے کہ جناب مولانا صاحب ! ذرا دیکھ کے چل، اگر آپ کا وطیرہ یہی رہا اور اپنی خواہشِ اقتدار پر قابو نہ پاسکے تو اگلے انتخابات میں آپ کا حال بھی اسفندیار ولی جیسا ہوگا۔ پھر ہاتھ ملتے ہی رہ جاوگے۔ جمہوریت کے معروف اصول ہیں، جس سے آپ جیسا

با علم شخص بے خبر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا آپ کے لئے بہتر یہی ہو گا کہ جمہوری اور اخلاقی ا صولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سیاست کریں تا کہ ملک و قوم کا بھی فائدہ ہو اور سیاست کے میدان سے آپ کے اخراج کا اندیشہ بھی نہ ہو۔۔

ہمدرد تھینکرز فورم اور سلگتے قومی مسائل

اللہ تعالیٰ حکیم محمد سعید (شہیدِ پاکستان) کے درجات بلند فرمائے جنھوں نے وطنِ عزیز کے چار بڑے شہروں میں ہر مہینے شوریٰ ہمدرد کے انعقاد کا انتظام و اصرام کی بنیاد ڈالی ہے جسے ان کی دخترِ سعید محترمہ سعید راشد صاحبہ بڑے احسن طریقے سے جاری رکھی ہوئی ہے۔ اگر حکومت شوریٰ ہمدرد میں ہمدرد تھنکرز کی طرف سے پیش کی جانے والی معروضات پر کان دھرے تو یقیناً ملک میں مثبت اصلاحات کی جا سکتی ہیں اور ترقی کا ایک نیا دور شروع کا جا سکتا ہے۔ گذشتہ روز پشاور کے پنج ستاری ہوٹل میں ہمدرد مجلسِ شوریٰ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ مذاکرہ کا عنوان تھا" نو منتخب حکومت کو درپیش فوری توجہ کے متقاضی مسائل " اس موضوع پر اظہارِ خیال کرنے کے لئے سابق چیف سیکرٹری خیبر پختونخواہ جناب رستم شاہ مہمند کو خصوصی طور پر اظہارِ خیال کرنے کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔ انھوں نے یا دیگر اراکینِ شوریٰ نے جو کچھ کہا وہ یقیناً اس قابل ہے کہ اسے قارئین اور حکومت کے سامنے پیش کیا جائے۔ مسائل کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا گیا کہ اس وقت پاکستان دنیا میں ہیومن ڈویلپمنٹ کے لحاظ سے 145 ویں نمبر پر ہے۔ پچاس فی صد لوگ غربت کا شکار ہیں، جنہیں زندگی کی بنیادی سہولیات مثلاً تعلیم، صحت

اور دیگر ضروریاتِ زندگی میسر نہیں ۔ وطنِ عزیز کے ستر لاکھ بچے اسوقت سکول جانے سے قاصر ہیں اور سکول نہیں جا رہے ہیں۔ چالیس فی صد بچے پرائمری لیول تک جا کر سکول چھوڑ جاتے ہیں۔ تین کروڑ پچاس لاکھ بچے جنھیں ہائی سکول جانا چاہئے، نہیں جاتے۔

دو کروڑ ستر لاکھ بچوں میں سے صرف پانچ لاکھ بچے یونیورسٹی سطح تک تعلیم حاصل کر نے جاتے ہیں۔ تعلیم کی یہ تشویشناک صورتِ حال ملک کی ترقی و خوشحالی میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

1947 ء کے بعد پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ اداروں کی کمزوری اور گراوٹ ہے۔ جہاں ادارے مضبوط ہوتے ہیں، وہاں افراد کمزور ہوتے ہیں ، جہاں ادارے کمزور ہوں وہاں افراد مضبوط ہو جاتے ہیں اور لاقانونیت بڑھ جاتی ہے۔ ملک میں مارشل لاء کا بار بار لگنا بھی دراصل اداروں کی کمزوری کی وجہ سے ممکن ہوا۔ اگر اداروں کو مضبوط بنایا جائے تو یقیناً جمہوریت کا پہیہ بھی چلتا رہے گا اور ملک ترقی و خوشحالی کے راستے پر رواں دواں رہے گا۔ امن و امان اور دہشت گردی اس وقت اگرچہ پاکستان کے لئے ایک بڑا مسئلہ بنا ہوا ہے مگر اس کی اصل وجہ وہ نہیں ہے جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے یعنی یہ کہ افغانستان پر غیر ملکی افواج کا قبضہ یا وہاں امن و امان کی خراب صورتِ حال

کی وجہ سے پاکستان میں بھی امن وامان کی صورتِ حال خراب ہے۔ 1980ء میں روس افغانستان میں داخل ہوا تھا۔افغانستان میں امن وامان کی حالت انتہائی خراب ہو گئی تھی مگر پاکستان یہاں تک کہ فاٹا میں بھی امن وامان کا مسئلہ درپیش نہیں تھا جس کی بڑی وجہ غلط پالیسی ہے۔ پاکستانی فوج کو فاٹا میں بھیجنا، قبائلی علاقہ جات میں قائم صدیوں پرانی پالیسی کو تلٹ پلٹ کرنا اور امریکہ کی جنگ کو اپنی جنگ بنانا ،ڈرون گرانے کی اجازت دینا، ایسی وجوہات ہیں جس کی وجہ سے پاکستان میں امن وامان کی صورتِ حال انتہائی مخدوش ہے۔ بجلی ، گیس کے مسئلہ نے پوری قوم کو پریشان کئے رکھا ہے باوجود اس کے کہ ملک میں کوئلے کے وسیع ذخائر موجود ہیں۔ 849 بلین مکعب فٹ گیس کے ذخائر سوہنی دھرتی میں انگڑائیاں لے رہی ہیں۔ چین، ایران اور بھارت فوری طور پر بجلی دینے کو تیار ہیں مگر افسوس کہ پھر بھی ہم اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

پاکستان مستقبل میں ایک اور نہایت شدید مسئلہ کا شکار ہونے والا ہے ،وہ ہے پانی کا مسئلہ ،پاکستان کے چوالیس فی صد آبادی کا انحصار زراعت پر ہے۔ اگر درست منصوبہ بندی نہ کی گئی تو پانی ملک کا سب سے بڑا مسئلہ بنے گا۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ پانی کے لئے ابھی سے شارٹ ٹرم اور لانگ ٹرم کی منصوبہ بندی کی جائے۔ تھینکرز فورم میں اس بات پر بھی زور دیا گیا کہ ملک

میں امن وامان قائم رکھنے کے لئے قانون کی عملداری کی شدید ضرورت ہے۔ سزا کے بغیر اصلاح ممکن نہیں، کراچی میں پچھلے ایک سال کے دوران چھ ہزار لوگوں کو قتل کیا گیا مگر کسی ایک شخص کو بھی دس دن قید کی سزا نہیں ملی۔ ایک سروے کے مطابق پورے ملک میں عدالتوں سے صرف 2.5 فی صد افراد کو سزا مل جاتی ہے جبکہ 97.5 فی صد لوگ عدالتوں سے بری ہو جاتے ہیں۔ بدترین معاشرہ وہ ہوتا ہے جہاں قاتل دندناتے پھرتے ہوں۔ الغرض وطنِ عزیز اس وقت بے شمار مشکل ترین اندرونی و بیرونی مسائل کا شکار ہے اس لئے نو منتخب حکومت کو چاہئیے کہ وہ اپنے آپ کو حالتِ جنگ میں سمجھیں اور اس وقت تک چین کی نیند نہ سوئیں جب تک وطنِ عزیز کو درپیش مشکلات اور مسائل سے نجات نہ دلا دیں۔۔۔۔۔۔۔

نواز شریف بنام پرویز مشرف

نیلسن منڈیلا ۲۷ سال قید میں گزارنے کے بعد جب مسندِ اقتدار پر رونق افروز ہوئے تو امریکہ کے صدر کلنٹن نے انہیں مشورہ دیا کہ اب تمہیں اپنے مخالفین سے انتقام لینے کا بہترین موقع ملا ہے۔ نیلسن منڈیلا نے جواب دیا 'جنابِ صدر ! میں اب کسی کے نفرتوں کے جیل میں جانا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد نیلسن منڈیلا نے غریب عوام کی فلاح و بہبود اور امن و آشتی کے لئے وہ کام کئے، جنہیں دنیا یاد رکھے گی۔ ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر انہیں امن کا نوبل انعام بھی دیا گیا۔

جناب نواز شریف نے بھی تقریباً آٹھ سال جلا وطنی میں گزارے اور قسمت کی دیوی اس پر مہربان رہی، 1913 کے عام انتخابات کے بعد وہ ایک دفعہ پھر وزیر اعظم بنے ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عوام نے ان کی پارٹی کو اس امید پر ووٹ دیئے کہ وہ ان کے مسائل و مشکلات میں کمی لانے کے لئے بھرپور کردار ادا کرینگے۔ جناب نواز شریف نے بھی انتخابی مہم کے دوران عوام کو بار بار یقین دہانی کروئی کہ اگر انہیں موقع دیا گیا تو وہ فوری طور پر بجلی کی لوڈ شیڈنگ، بے روزگاری اور مہنگائی کو کم کرنے کے لئے اقدامات کرینگے۔ انہوں نے

کشکول توڑنے اور ملک کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کا دعوی بھی کیا تھا۔ مگر اقتدار میں آنے کے بعد انہوں نے جو پہلا کام کیا وہ سابق صدر جنرل (ر) ریٹائرڈ پرویز مشرف کو پھانسی کے پھندے تک پہنچانے کی راہ ہموار کرنا تھی۔ان پر آئین کے آرٹیکل ٦ کے تحت غداری کا مقدمہ قائم کیا گیا اور وہ بھی 12 اکتوبر 1999 کے اقدام پر نہیں بلکہ 3 نومبر 2007 کے اقدام پر۔

اس لئے کہ ١٢ اکتوبر ١٩٩٩ کے اقدام پر اگر ان پر غداری کا مقدمہ قائم کیا جائے تو اس میں موجودہ چیف جسٹس افتخار چودھری اور دیگر کئی پردہ نشینوں کے نام بھی آجاتے ہیں ۔ جبکہ نواز شریف کا ٹارگٹ صرف پرویز مشرف ہے۔ ملک کے دیگر سیاستدان بھی اس معاملہ میں اس کا پورا پورا ساتھ دے رہے ہیں بلکہ تھپکی دے رہے ہیں اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اگر ایک جرنیل کو آرٹیکل ٦ کے تحت لٹکایا گیا تو مستقبل میں پھر کسی جرنیل کو یہ جراء ت نہ ہو گی کہ وہ سیاستدانوں کی حکومت کو ختم کرسکے۔یوں ایک جرنیل کو غداری کا مرتکب قرار دینے اور سزا دینے کے نتیجہ مین ملک پر سیاستدانوں کا قبضہ مستحکم ہو جائیگا۔ پھر وہ اس ملک کے ساتھ جو جی میں آئے، کرتے پھریں انکا ہاتھ روکنے والا کوئی نہ ہوگا۔ زرداری اور اس کے حواری ملک کو لوٹتے رہیں یا نواز شریف بھیس بدل کر چور چور کا شور مچا کر ملک کو لوٹتا رہے کسی سے کوئی خوف یا ڈر نہیں ہو گا۔ ورنہ کون ہے جس نے اس ملک کے ساتھ وفا کی ہے ؟ 1947 سے لے

کر آج تک جو بھی آیا، اس کا جتنا بس چلا، ہاتھ مارا، اور ہمشہ ذاتی مفاد کو ملکی مفاد پر ترجیح دی۔ بے شک فوجی حکمرانوں سے بھی غلطیاں ہوئی ہیں مگر سیاستدانوں نے اس ملک کی جھولی کونسے پھولوں سے بھر دی ہے؟ 1947 سے 1958 تک سیاستدان ہی اس ملک میں چوہے بلی کا کھیل کھیلتے رہے۔

1972 سے 1977 تک ذوالفقار علی بھٹو نے حکومت کی اور "ادھر تم ادھر ہم" کا نعرا لگا کر آدھا ملک گنوا بیٹھے۔ 1988 سے 1999 تک بینظیر اور نواز شریف باری باری برسراقتدار رہے اور ملک کو معاشی طور پر دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچا دیا۔

2008 سے 2013 تک زرداری اور اس کے اتحادیوں کی حکومت رہی۔ انہوں نے ملک کا کیا حال کر دیا، اسے بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ قصہ مختصر، اس ملک کیساتھ سیاسدانوں نے بھی کچھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ فوجی حکمرانوں سے غلطیاں ضرور ہوئی ہیں مگر انہوں

نے ملک کو لوٹا نہیں ہے بلکہ کچھ دیا ہے مثلا سابق صدر ایوب خان نے ملک کو تربیلہ ڈیم، منگلا ڈیم اور اس طرح کئی ایسی چیزیں دی ہیں جس سے ہم آج بھی مستفید ہو رہے ہیں۔ جنرل ضیاالحق نے روس جیسے سپرپاور کو ریزہ ریزہ کر دیا ہے۔ جنرل پرویز مشرف نے پاکستان کو معاشی طور پر اپنے قدموں پر لا کھڑا کیا تھا۔ بے شک ان فوجی حکمرانوں سے غلطیاں بھی ہوئی ہیں مگر ایسا انہوں نے قصداً ہرگز نہیں کیا.

اگر جنرل پرویز مشرف وطن کا غدار ہے کہ اس نے آئین توڑا ہے تو کیا وہ لوگ وطن کے غدار نہیں جنہوں نے حلف اٹھا کر آئین سے وفاداری اور ملکی ترقی و خوشحالی کا عہد تو کیا تھا مگر انہوں نے اس ملک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا، سرمایہ بیرونِ ملک لے گئے، چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح اس ملک کو لوٹتے رہے اور آج حال یہ ہے کہ ہم کچکول ہاتھ میں لئے دنیا بھر میں خیرات مانگ رہے ہیں۔ کل کی بات ہے نواز شریف کشکول توڑنے کی نوید سنا رہے تھے اور آج کشکول لئے آئی ایم ایف کی منتیں کر رہے ہیں چین سے خیرات مانگنے گئے ہیں، وہاں سے واپسی پر سعودی عرب خیرات مانگنے جائینگے، اور امریکہ سے خیرات مانگنے کی تو کیا بات ہے۔ انہیں تو ہمارے حکمرانوں نے دل و جان سے اپنا آقا اور کفیل تسلیم کر رکھا ہے۔

کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ نواز شریف پرویز مشرف کو کھڈا کھودنے اور انتقامی سیاست کی بجائے اس ملک کے غریب عوام پر رحم کھائیں، جن کے پاس کھانے کو آٹا نہیں، پنکھا چلانے کو بجلی نہیں، پیاز خریدنے کو پیسہ نہیں، بہت مشکل سے تعلیم دلائے ہوئے گر یجویٹ بیٹے کے لئے روزگار نہیں۔ ہمارا مشورہ تو یہ ہے کہ نواز شریف ماضی کو بھلا کر مستقبل کی سوچ اور اللہ تعالیٰ نے اسے تیسری بار وزیراعظم بننے کا جو موقع فراہم کیا ہے، اسے ضائع کرنے

کی بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے ہوئے اللہ کے بندوں کی بہتری کے لئے استعمال کرے۔۔

رشوت خوروں کو پھانسی کی سزا

وطنِ عزیز میں اگرچہ اس وقت بے شمار مسائل ایسے ہیں جنھیں فوری طور پر حل کرنے کی ضرورت ہے۔اگر قیادت مخلص اور دیانتدار ہو، تو ان مسائل کا حل مشکل ضرور ہے مگر ناممکن ہرگز نہیں۔ان مسائل پر غور کرنے سے ایک حقیقت جو سامنے آتی ہے وہ یہہ کہ ہمارے ملک میں زیادہ تر مسائل کی بنیادی وجہ کرپشن ہے اگر ہم کرپشن کو ان مسائل کی ماں کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔اگر ہمارے ملک کے اداروں سے کرپشن کو ختم کردیا جائے تو یقینا نہایت مختصر عرصہ میں پاکستان کو ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں کھڑا کیا جا سکتا ہے۔

مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کرپشن کو ختم کرنے کے لئے کونسا ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ ملک میں کینسر کی طرح پھیلے ہوئے اس ناسور کو ختم کیا جا سکے۔؟

پشتو زبان کا ایک محاورہ ہے'' چہ نہ پو ھیگے نو ھغہ سہ کوہ چہ ڈیر خلق ئے کوی''

مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں کسی مسئلے کا حل سمجھ میں نہیں آتا تو وہی کچھ کرو جو اور لوگ کر رہے ہوں ۔ہمیں بھی اس مشکل اور گھمبیر مسئلہ کی حل کے لئے اپنے ان دوست ممالک کی طرف طرف دیکھنا چاہیئے جو اس لعنت یعنی رشوت/کرپشن سے اپنے ملک کو پاک و

صاف رکھنے کے کیا اقدامات کرتے ہیں، انہوں نے کس طرح اپنے ملک سے اس لعنت کو ختم کیا ہے اور اگر ان کے ہاں کوئی بد بخت کرپشن کا مرتکب ہو جاتا ہے تو حکومتِ وقت اس شخص سے کیسی سلوک کرتی ہے؟ آیئے! اس کی ایک تازہ ترین مثال دیکھتے ہیں۔ چین نہ صرف یہ کہ ہمارا ہمسایہ ملک ہے بلکہ ہمارا دوست ملک بھی ہے، اور اس وقت آبادی کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ اس وقت چین کی آبادی ایک ارب پینتیس کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے، امپورٹ ایکسپورٹ کے لحاظ سے دنیا کا سب بڑا ملک ہے اور معیشت کے لحاظ سے بھی مضبوط ترین ملک ہے۔

اس ترقی کا راز یہ ہے کہ چین میں کرپٹ لوگوں کے لئے کوئی جگہ نہیں، چین کے موجودہ صدر نے برسرِ اقتدار آتے ہی اعلان کیا تھا کہ حکومت میں شامل کسی بھی فرد نے اگر اپنے سرکاری عہدے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ذاتی فائدہ حاصل کیا تو اسے سخت ترین سزا دی جائیگی۔ ان کے ریلوے کے وزیر لی ژونگ (liu Zhijun) نے کچھ غیر قانونی بھرتیاں کیں اور اپنے سرکاری عہدہ سے ناجائز مراعات اور مالی فوائد حاصل کئے، اس پر مقدمہ چلایا گیا اور گزشتہ روز اسے پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ کرپشن ختم کرنے کے لئے یہ ایک ایسی مثال ہے جس پر عمل پیرا ہو کر بڑی آسانی کے ساتھ کرپشن سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔ چین میں کرپشن کرنے والے ایک وزیر کو پھانسی کی سزا سنا کر آئندہ کرپشن کی راہ میں ایسی رکاوٹ ڈال دی گئی ہے جسے عبور کرنا اب کسی کے لئے ممکن نہیں ہوگا۔ پاکستان میں الٹا گنگا بہتی ہے جو بڑا رشوت خور ہوتا ہے اسے بڑا عہدہ دیا جاتا ہے۔

قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی دراصل قانون ساز اسمبلیاں ہیں اور ان کا بنیادی کام قانون سازی ہے۔ان کا یہ فرض اولیں ہے کہ ملکی مسائل کے حل کے لئے موثر قانون سازی کرے تاکہ ملک ترقی و خوشحالی کی راہ پر گامزن ہوسکے ، مگر افسوس کہ ہمارے ارکانِ پارلیمنٹ قانون سازی کی بجائے ذاتی مفادات اور مالی فوائد حاصل کرنے کی جستجو میں لگے رہتے ہیں۔اگر وہ واقعی ملک سے مخلص ہیں، وہ ملک کو خوشحال دیکھنا چاہتے ہیں، اور وہ یہ بھی ثابت کرنا چاہتے ہوں کہ وہ خود کرپشن میں ملوث نہیں ہیں تو ان کو چاہئیے کہ پاکستان سے کرپشن ختم کرنے کے لئے چین کی طرز پر قانون سازی کرے یعنی یہ کہ اگر کوئی سرکاری عہدے دار اپنی سرکاری حیثیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مالی فائدہ حاصل کرنے کا مرتکب پایا جائے تو اسے پھانسی کی سزا دے دی جائے۔
کرپٹ لوگوں کو پھانسی دینے کی تجویز شاید میرے بعض قارئین کو ناگوار گزرے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کے بغیر پاکستان کی ترقی کا خواب کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔کالم ہذا لکھنے کا سبب اور میری اس تجویز کی وجہ بھی اس وقت میرے سامنے پڑے اخبار کی ایک نمایاں خبر ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل کی وہ رپورٹ ہے جس میں لکھا ہے کہ پاکستان میں کرپشن میں دن بہ دن اضافہ ،پاکستان کرپٹ ممالک میں 34 ویں نمبر پر، کرپشن کا سب سے بڑا سبب سزا کا خوف نہ ہونا ہے۔ عدلیہ کا کرپشن میں چھٹا نمبر ہے فی صد 84

سرکاری اداروں میں کرپشن کا گراف بڑھ رہا ہے، ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل نے نئی حکومت کے لئے سب سے بڑا چیلنج کرپشن کو قرار دیا ہے"

صرف ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل کی رپورٹ ہی نہیں، اس ملک کے کسی بھی فرد سے پوچھ لیں، وہ کرپشن کو ہی اس ملک کا سب سے بڑا مسئلہ اور سب سے بڑا چیلنج بتائے گا۔ بوجۂ اذیں اب یہ ضروری ہوگیا ہے کہ کرپشن کو روکنے کے لئے قانون سازی کرکے سخت ترین سزا مقرر کی جائے بصورتِ دیگر یہ مرض بڑھتا جائیگا جس کا انجام نہایت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔۔۔

خیبر پختونخواہ میں پی ٹی آئی حکومت کی شروعات

کسی نے کیا خوب کہا ہے " دنیا امید پر قائم ہے "اگر انسان کے ہاتھ میں امید کا دامن نہ ہو، تو وہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔یہی وجہ ہے کہ انسان کبھی حالات سے مایوس نہیں ہوتا اور وہ امید کے سہارے زندگی کے کٹھن سفر میں امید کا دامن تھامے آگے بڑھتا رہتا ہے۔2008 میں عام انتخابات ہوئے تو لوگ یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ ان کی منتخب حکومت ان کے مسائل و مشکلات میں کمی ضرور لائے گی مگر افسوس کی ان کی یہ امید پوری نہ ہوئی بلکہ ان کے مسائل و مشکلات میں کئی گنا اضافہ ہوا۔پورے پانچ سال مہنگائی، بدامنی، لوڈشیڈنگ اور بے روزگاری کے تنور میں جلنے کے بعد ۱۱ مئی 2013 کو ایک دفعہ پھر عام انتخابات ہوئے۔جس کے نتیجہ میں مرکز میں پاکستان مسلم لیگ (ن) کی حکومت قائم ہوئی جبکہ خیبر پختونخواہ میں اتحادی جماعتوں کے ساتھ پاکستان تحریکِ انصاف کی حکومت قائم ہوئی۔انتخابات سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ خیبر پختونخواہ کے عوام متعصب نہیں،ان میں صوبائی عصبیت نہیں، کیونکہ انہوں نے زبان یا نسل کی بنیاد پر ووٹ نہیں دیئے ،اس کے بر عکس پنجاب کے لوگوں نے نواز شریف کو پنجابی سمجھ کر ووٹ دیئے ورنہ ان کی ناقص کارکردگی وہ دو مرتبہ ملاحظہ کر چکے تھے۔اب دو ماہ بھی نہیں گزرے کہ پنجاب کے لوگوں نے چیں، چیں ، ٹیں ، ٹیں

کرنا شروع کردیا ہے۔

خیبر پختونخواہ میں بعض کانٹے دار راستوں سے گزرنے کے بعد پی ٹی آئی کی حکومت قائم ہوئی۔ کیونکہ انہیں حکومت بنانے کے لئے صوبہ میں سادہ اکثریت بھی حاصل نہیں تھی۔ صوبہ خیبر پختونخواہ کے عوام نے بجا طور پر ان سے بہت سارے توقعات وابستہ کر رکھے ہیں۔ اگر ہم ان کی شروعات یعنی پہلے دو ماہ کی کارکردگی کا بغور جائزہ لیں تو لگتا ہے کہ پی ٹی آئی کی کارکردگی مایوس کن بالکل نہیں، بلکہ شروعات حوصلہ افزاء ہیں۔ عوام کی امید کا بندھن ٹوٹا نہیں بلکہ قائم و دائم ہے۔ پی ٹی آئی حکومت نے صوبہ خیبر پختونخواہ میں سب سے پہلے عوام کے جس مسئلے کی طرف توجہ دی، وہ صحت کا شعبہ ہے۔ یقیناً صحت کا شعبہ توجہ کا مستحق تھا اور ہے۔ پی ٹی آئی حکومت نے صوبائی اور ضلعی سطح پر قائم ہسپتالوں میں سہولیات کی کمی کا نوٹس لیا اور ہر ممکن سہولت دینے کی کوشش کی اور تاحال کر رہے ہیں۔ ایمرجنسی میں ادویات مفت فراہم کرنے کا اہتمام کیا۔ یقیناً یہ ایک احسن اقدام ہے۔ ڈاکٹروں کو اپنے فرائض کی بجاآوری پر قائل کرنے کی کوشش کی۔ جس کا اچھا نتیجہ سامنے آ رہا ہے۔ اگر ان کے ڈیوٹی ٹائم کو کمپیوٹرائزڈ کیا گیا یعنی ان کے حاضری اور چھٹی کو کمپیوٹر کے ذریعے کنٹرول کیا جائے تو اس میں مزید بہتری آ ئیگی۔ خواتین کو بعض سہولتیں اور ترغیبات دی گئیں ہیں۔ رمضان کے مقدس مہینے میں مریض اور اس کے

اٹینڈنٹ کو مفت افطاری فراہم کرنا قابلِ تحسین اقدامات ہیں۔

تعلیم کا شعبہ یقیناً سب سے زیادہ توجہ کا مستحق ہے کیونکہ تعلیم کے بغیر کوئی بھی ملک یا صوبہ ترقی کا سوچ بھی نہیں سکتا۔پی ٹی آئی حکومت نے تعلیم کے لئے دوسرے صوبوں کی نسبت سب سے زیادہ رقم سالانہ بجٹ میں مختص کی ہے۔عمران خان نے صوبہ خیبر پختونخواہ میں اگلے تعلیمی سال سے صوبہ بھر میں یکساں نظامِ تعلیم شروع کرنے کا اعلان بھی کر دیا ہے۔جس کی تعریف نہ کرنا زیادتی ہوگی۔

امید ہے۔فی الوقت چونکہ تعلیمی سال کی ابتداء ہو چکی ہے، اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں مگر ہم امید رکھتے ہیں کہ اگلے تعلیمی سال سے وہ تعلیم کے میدان میں انقلابی اقداما ت اٹھائینگے۔

پولیس کے محکمہ میں اصلاحات کے حوالہ سے پی ٹی آئی حکومت نے ایف آئی آر کو نیٹ کے ذریعے درج کرنے کا نظام وضع کیا ہے۔یقیناً یہ ایک بڑا مثبت قدم ہے۔عوام کو پولیس سے ہمیشہ یہ شکایت رہتی تھی کہ وہ یعنی پولیس ایف آئی آر درج کرنے میں ہمیشہ لیت و لعل سے کام لیتی ہے۔اب نیٹ پر ایف آئی آر درج کرنے کی سہولت دے کر کم از کم اس شکایت کا ازالہ کر دیا گیا ہے۔علاوہ ازیں

وزیر اعلیٰ جناب پرویز خٹک نے صوبائی سطح پر کمپلینٹ سیل قائم کرکے عوام کی داد رسی کے لئے بھی ایک مثبت کوشش کی ہے۔

ہمیں یہ بات مدِ نظر رکھنی چاہئیے کہ ابھی خیبر پختونخواہ میں پی ٹی آئی حکومت کو قائم ہوئے بہت تھوڑے دن گزرے ہیں۔اگرچہ ابھی بہت کچھ کرنے کو باقی ہے مگر شروعات اچھی ہیں اور ہمیں یہ امید رکھنی چاہئیے کہ اختتام بھی اچھا ہی ہوگا۔کالم ہذا تحریر کرتے ہوئے شاعرِ مشرق علامہ اقبال کے چند اشعار ذہن میں انگڑائیاں لے رہے ہیں۔آپ بھی ملاحظہ کیجئے۔

دیکھ کر رنگِ چمن، ہو نہ پریشاں مالی۔۔۔۔۔۔۔۔کوکبِ غنچہ سے کرنیں ہیں چمکنے والی

خاک و خاشاک سے ہوتا ہے گلستاں خالی۔۔۔۔۔گل بر انداز ہے خونِ شہداء کی لالی

رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو، عنابی ہے۔۔۔۔۔۔۔یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے۔

کیا صرف پنجاب ہی پاکستان ہے؟

مجھے افسوس ہے کہ آج میں اپنے کالم کو ”کیا پنجاب ہی پاکستان ہے؟“ کا عنوان دینے پر مجبور ہوں۔اس کی وجہ ہر گز یہ نہیں کہ خدا نخواستہ میں پنجاب کے خلاف ہوں یا میری سوچ صوبائی یا لسانی تعصب کا شکار ہے۔میں پاکستانی ہوں۔پاکستان سے شدید محبت ہونے کے ناطے مجھے پاکستان کی فکر دامن گیر ہے۔اس لئے میں نے آج اپنے کالم کا عنوان یہ رکھا ہے۔مجھے وہ دن بھی یاد ہے جب ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ کو میں نے ریڈیو پر بی بی سی کی نشریات سنتے ہوئے جب یہ سنا تھا کہ مشرقی پاکستان میں پاکستانی فوج نے بھارتی فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔تو یہ سنتے ہی میں مبہوت سا رہ گیا، بستر میں گھسا اور خوب رویا، خوب رویا کیونکہ اس دن پاکستان دو ٹکڑے ہو گیا تھا اور ہم آدھا پاکستان کھو بیٹھے تھے۔میں سوچتا رہا، ایسا کیوں ہوا، میں نے مشرقی پاکستان کے علیحدہ ہونے کی وجوہات اور تجزیات دانشوروں کے زبانی بھی سنیں اور قلمی خیالات بھی مطالعہ کیں۔سب کی رائے یہ تھی کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی سب سے.بڑی وجہ حکمرانوں کی مشرقی پاکستان کے عوام سے نا انصافی اور زیادتی تھی، حکمرانوں نے مشرقی پاکستان کے عوام کو کبھی اپنے حقوق نہیں دیئے تھے۔جس کی وجہ سے عوام اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک دفعہ جب عوام اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو

پھر ان کو بٹھانا حکومت کی بس کی بات نہیں ہوتی۔۔

مئی ۲۰۱۳ کے عام انتخابات کا جو نتیجہ سامنے آیا، اس سے مجھے ہرگز خوشی نہیں ہوئی بلکہ تشویش ہوئی، پنجاب کے لوگوں کا نواز شریف کو سہ بارہ ووٹ دینا، سندھیوں کا سہ بارہ پیپلز پارٹی کو ووٹ دینا، ایک محدود سوچ کی عکاسی کرتا ہے۔ بلکہ صوبائی اور لسانی تعصب کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے۔ مگر جو بات سب سے زیادہ تشویشناک ہے وہ یہ ہے کہ تیسری بار وزیر اعظم بننے والے نواز شریف کی سوچ بھی بہت محدود لگتی ہے۔ انہوں نے وزارتِ عظمٰی سنبھالنے کے بعد قومی اسمبلی میں جو تقریر کی تھی۔ وہ ایک دیوانے کا خواب ثابت ہو رہا ہے۔ انہوں نے ڈرون حملے بند ہونے کی بات کی تھی۔ مگر عملاً اس کے لئے اب تک کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا ہے بلکہ درحقیقت زرداری پالیسی جاری ہے۔ اب فاٹا کے لوگوں میں یہ احساس ابھر رہا ہے کہ نواز شریف کو ہمارے مرنے جینے کی فکر نہیں ہے۔ اب حجروں میں لوگ سرِعام کہنے لگے ہیں کہ ڈرون حملے تب بند ہونگے جب لاہور، گوجرانوالہ یا رائیونڈ پر ڈرون حملہ کیا جائیگا۔ وزیر اعظم نے کشکول توڑنے کی بات کی تھی مگر ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے کہ چین اور آئی ایم ایف کے آگے کشکول رکھ دیا۔ اسی طرح بجٹ کیا دیا کہ پہلے سے مہنگائی کے مارے ہوئے غریب عوام پر مہنگائی کا ایک اور پہاڑ گرا دیا۔

نواز شریف نے جب اپنی پچیس رکنی کابینہ منتخب کی تو اس کا پنجابی وزیراعظم ہونے کا راز سامنے آیا۔اس نے کابینہ میں تمام وزراء لاہوریا گوجرانوالہ سے منتخب کئے۔ دیگر صوبوں میں انہیں کوئی اہل شخص نظر نہیں آیا۔ کراچی میں جو کچھ ہو رہا ہے اسے دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے مگر نواز شریف کراچی کے لئے کوئی موثر قدم نہیں اٹھا رہا ہے۔ بلوچستان میں فرقہ واریت اور علیحدہ پسندی کی آگ لگی ہوئی ہے مگر نواز شریف صاحب سمجھتے ہیں کہ صوبہ بلوچستان کی حکومت ایک بلوچی کو دیکر میں نے بلوچستان کا مسئلہ حل کر لیا۔حالانکہ وہاں ضرورت اس امر کی ہے کہ وزیراعظم ذاتی طور پر بلوچستان کے حالات کو کنٹرول کرنے میں دلچسپی لے۔

اب آیئے ! ذرا دیکھیں کہ صوبہ خیبر پختونخواہ کے ساتھ وہ کیا سلوک کر رہے ہیں؟ صوبہ خیبر پختونخواہ وہ صوبہ ہے جو دہشت گردی کی حالیہ جنگ میں سب سے زیادہ متاثر ہوا ہے، جہاں ہزاروں لوگ جان سے ہاتھ کھو بیٹھے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں معذور بنے بیٹھے ہیں،لاکھوں کی تعداد میں گھربار چھوڑ کر اپنے ہی ملک میں مہاجر بنے ہوئے ہیں بلا شبہ اندریں حالات میں خیبر پختونخواہ کے عوام زیادہ ہمدردی اور مراعات کے مستحق ہیں ۔مگر ان کو اپنا حق بھی نہیں دیا جا رہا ہے۔ بجلی جو اس وقت سب سے بڑا مسئلہ بنا ہوا ہے اور صوبہ خیبر پختونخواہ اپنی ضرورت سے کئی گنا زیادہ بجلی پیدا کرتا ہے ،اسے

اپنا حق بھی نہیں دیا جا رہا ہے اور صوبہ کیعوام کے منتخب نمائندے، ارکانِ صوبائی اسمبلی اس بات پر مجبور ہو گئے ہیں کہ وہ عوام کے ساتھ مل کر احتجاج کریں۔ بجلی یہاں پیدا، ہوتی ہے اور کنٹرول اسلام آباد میں مرکز نے اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔اٹھارویں ترمیم کے تحت صوبہ بجلی بنا تو سکتا ہے مگر کنٹرول پھر بھی مرکز کے پاس

ہی رہے گا۔ وزیرِاعلی جناب پرویز خٹک صاحب کا کہنا ہے کہ نواز شریف کے وزیرِ پانی و بجلی خواجہ آصف سے کئی مرتبہ بات کی مگر ان کے کان پر جوں تک نہیں رہتی۔ پہلے بجلی کے وزیر راجہ تھے اب خواجہ ہیں۔پالیسی دونوں کی ایک ہے۔ بوقتِ تحریر ہذا ٹی وی سکرین پر نواز شریف کا فرمان دیکھ رہا ہوں ،فرماتے ہیں ''بجلی چور ملک کے دشمن ہیں'' واہ میاں صاحب واہ، خوب فرمایا آپ نے، بجلی چور ملک کے دشمن ہوں گے مگر ملک کے خزانہ چوروں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ جو لوگ ملک کا پیسہ چرا کر سعودی عرب، دبئی، سوئٹزرلینڈ یا انگلینڈ لے کر گئے ہیں اور جن کی وجہ سے ملک کا آج یہ حال ہے۔ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

لوگوں کو وہ دن بھی یاد ہیں جب نواز شریف کے سابقہ دورِ اقتدار میں صوبہ خیبر پختونخواہ کے عوام آٹے کے حصول کے لئے گھنٹوں قطار میں کھڑے رہتے تھے کیونکہ پنجاب سے صوبہ خیبر پختونخوا کو گندم لے جانے پر پابندی عائد کر

دی گئی تھی۔ پنجاب کے وزیرِاعلی شہباز شریف کہتے تھے ،پہلے ہم اپنی ضرورت پوری کریں گے پھر کسی اور صوبے کو گندم دیں گے ۔ خیبر پختونخواکے لوگ کہتے ہیں ،یہی اصول آج نواز شریف ہمارے لئے کیوں نہیں اپناتا، بجلی ہم پیدا کرتے ہیں، پہلے ہماری ضرورت پوری کرو، پھر کسی اور کو دو۔ مگر یہاں توصورتِ حال یہ ہے کہ کے پی کے حکومت اپنے حصہ کی لوڈ شیڈنگ ماننے کو بھی تیار ہے ،اعلانیہ لوڈ شیڈنگ بھی قبول ہے مگر اتنی گزارش ہے کہ اسلام آباد کے کنٹرول روم میں جب دل چاہے، بٹن آف نہ کیا کرو ،ہمیں سوتیلا بھائی مت سمجھو۔ تحریکِ انصاف کی حکومت کو فیل کرنے کے شوق میں غریب عوام کو سزامت دو۔ خیبر پختونخوا کی عوام کی سوچ پاکستانی ہے جس کا ثبوت عام انتخابات میں پاکستان تحریکِ انصاف کا انتخاب ہے۔آج ان کواس بات پر مجبور نہ کرو کہ خدانخواستہ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ صرف پنجاب کو ہی پاکستان سمجھا جارہا ہے۔خدا نہ کرے، خدانہ کرے ،اگرایسی سوچ پیدا ہوئی تو پھر مشرقی پاکستان جیسا المیہ دوبارہ بھی رونما ہو سکتا ہے۔۔۔۔

بجلی چوری، ایک مجبوری

ماہِ رمضان کی ایک برکت یہ بھی ہے کہ دوست احباب ایک دوسرے کو افطاری کے لئے مدعو کرتے ہیں، یوں ایک دوسرے سے ملنے اور تبادلہء خیال کا موقع بھی میسر آ جاتا ہے۔ کل کی بات ہے، مجھے ایک دوست نے افطاری کی دعوت دی۔ میں وہاں پہنچا تو کئی دیگر دوست، احباب بھی شریکِ دستر خوان تھے۔ لوڈ شیڈنگ، بجلی چوری اور پشاور کے شاہراہوں پر بجلی سے متعلق لگے بینر محورِ گفتگو تھے ایک صاحب جو کسی ماربل فیکٹری کے مالک تھے، انہوں نے کلمہ پڑھ کر، قسم کھا کر کہا ''اگر میں فیکٹری کے لئے بجلی ہیر پھیر سے حاصل نہ کروں تو خدا کی قسم، مجھے ایک روپے کا منافع بھی نہیں ہوتا '' کسی نے پوچھا، بجلی چوری کرکے جو منافع تم کماتے ہو، وہ تو حرام ہوگا؟

جواب ملا '' جناب، پہلی بات تو یہ ہے کہ میں چوری نہیں کرتا، اس لئے کہ چوری وہ ہوتی ہے جو محافظوں سے چھپ کر کوئی چیز حاصل کی جائے، بجلی کے محافظ واپڈا کے ملازمین ہیں، میں ان سے چھپا کر نہیں، بلکہ ان کی مرضی سے بجلی (میٹر چلائے بغیر) حاصل کرتا ہوں البتہ اپنے منافع میں سے کچھ حصہ ان کو بھی دیتا ہوں اور یہ سب کچھ میں خوشی سے نہیں، مجبوری سے کرتا ہوں۔''

دوسرے صاحب نے ان کی مجبوری کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ میں ایک پرائیویٹ سکول میں ٹیچر ہوں، پندرہ ہزار روپے میری تنخواہ ہے۔اللہ کے فضل و کرم سے میرا گھر اپنا ہے، مگر میں اپنے گھر کا کرایہ دینے پر مجبور ہوں وہ اس طرح کہ میری والدہ فالج زدہ اور والد بلڈ پریشر کا مریض ہے، میں نے ان کے لئے ایک ٹن کا ایک اے سی لگایا ہوا ہے، میرا بجلی کا بل ہر مہینہ آٹھ سے دس ہزار روپے آتا ہے۔یوں تنخواہ میں سے مجھے پانچ چھ ہزار روپے بچ جاتے ہیں۔اس رقم سے دال، روٹی، سبزی، بچوں کے تعلیمی اخراجات کا پورا کرنا تو ممکن نہیں۔ اندریں حالات میرے پاس دو ہی راستے ہیں ۔اول یہ کہ بجلی چوری نہ کروں اور بچوں کو بھوکا پیاسا سلاؤں۔یا پھر دوسرا راستہ یہ ہے کہ بجلی چوری کروں، تاکہ بچوں کو دو وقت کی روٹی کھلانے کا انتظام کر سکوں۔ظاہر ہے، بچوں کو بھوکا پیاسا تو رکھ نہیں سکتا، مجبوراً مجھے بجلی ہی چوری کرنی پڑےگی۔

یہ گفتگو سن کر میں پریشان ہو گیا۔میں سوچ رہا تھا۔اس وقت تو بجلی کا ریٹ اوسطاً چھ روپے فی یونٹ ہے۔اگر کل کو یہ 14 روپے فی یونٹ ہو جائے تو پھر کیا ہو گا؟ کیونکہ مرکزی حکومت ایسا کرنے کا پکا ارادہ رکھتی ہے۔بجلی کے ریٹ میں اتنا اضافہ تو یقیناً بجلی چوری کرنے میں اضافہ کا باعث بنے

گا۔ یہاں خیبر پختونخواہ حکومت کی تعریف نہ کرنا بھی زیادتی ہوگی، جس نے کل مشترکہ مفادات کونسل میں بجلی کے نرخ میں اضافے کی کھل کر مخالفت کی۔ سینئر صوبائی وزیر سراج الحق صاحب نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ خیبر پختونخواہ میں ہائیڈرو پاور کے ذریعے سستی بجلی پیدا ہوتی ہے جو مرکزی حکومت پانچ روپے فی یونٹ سے بڑھا کر چودہ روپے فی یونٹ کرنا چاہتی ہے جو عوام کے ساتھ سراسر ناانصافی ہے اس سے مہنگائی اور غربت میں اضافہ ہوگا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مرکزی حکومت ''ہمیں بجلی کی رائلٹی بھی نہیں دے رہی ہے۔

عموماً مرکزی حکومت صوبہ خیبر پختونخواہ پر یہ الزام لگاتی ہے کہ اس میں بجلی چوری کا تناسب سب سے زیادہ ہے، وہ فاٹا یعنی قبائلی علاقہ جات کو بھی کے پی کے کے ساتھ ملا دیتی ہے حالانکہ قبائلی علاقی جات مرکز کے زیرِ بندوبست اور کنٹرول میں ہے۔ جبکہ فاٹا والوں کا کہنا ہے کہ مرکز نے ہمیں دیا کیا ہے؟ تعلیم نہ صحت، سڑک نہ ٹرانسپورٹ، پانی نہ روزگار۔ اگر کچھ دیا ہے تو وہ ڈرون ہیں یا بم، بے روزگاری ہے یا بدامنی۔ اگر ایک بجلی، جو نہ ہونے کے برابر ہے، ہم مفت میں استعمال کریں تو کیا ہوا؟ بات ان کی بھی نامناسب نہیں۔ اسی طرح میں نے چند ایسے دیہاتیوں سے بات کی جہاں لوگ بجلی کا بل نہیں دیتے، دراصل وہ حکومت سے گلہ کر رہے تھے کہ ہمارے ہاں بیں بیں

گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ ہوتی ہے، میں نے کہا" بھائی ! آپ لوگ کیوں شکوہ کرتے ہیں،آپ لوگ تو بِل ہی نہیں دیتے ؟ تو انھوں نے کہا ہم بل دینے کو تیار ہیں بشرطیکہ جتنی بجلی ہم خرچ کریں ، اتنا ہمارا بِل آئے۔انھوں نے بتایا کہ جب ہمارے ہاں میں بجلی آئی تو ایک سال تک ہم باقاعدگی سے بل دیتے رہے مگر جب واپڈا 1988 والوں نے میٹر پڑھے بغیر بل بھیجنا شروع کر دیئے اور 100 یونٹ بجلی استعمال کرنے والوں کو 1000 روپے کے بل ملنے شروع ہو گئے تو ہم نے ردِ عمل کے طور پر بل دینا بند کر دیئے اور آج ہمارے علاقے کے سینکڑوں دیہات بجلی کا بل ادا نہیں کرتے کیونکہ نا کردہ گناہوں کی سزا پر عمل نہ کرنا ہماری مجبوری ہے۔الغرض، بجلی کی چوری حکومت کی اپنی نا اہلی کی وجہ سے ہے۔صوبہ خیبر پختونخواہ سے اگر مرکز پانچ روپے یونٹ خرید کر پھر خبر پختونخواہ کو چودہ روپے فی یونٹ فروخت کرے تو یہ کہاں کا انصاف ہو گا ؟ لہٰذا مرکزی حکومت سے گزارش ہے کہ وہ بجلی کے ریٹ میں ہرگز اضافہ نہ کرے، موجودہ ریٹ بھی غریب یا متوسط طبقہ کے دسترس سے باہر ہے، کجا کہ اس میں مزید اضافہ کیا جائے۔ریٹ میں اضافہ بجلی چوری کے اضافہ کا موجب بنے گا۔اور بجلی چوری ایک مجبوری بن جائیگی۔۔۔۔

بڑا مجرم کون۔ بجلی چور یا ٹیکس چور؟

پچھلے کئی دنوں سے بجلی چوری اور اس کے روک تھام سے متعلق خبریں پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا میں بڑے تواتر کے ساتھ منظرِ عام پر آ رہی ہیں۔ آج کے اخبارات میں بھی مشترکہ مفادات کونسل کے حوالے سے بجلی چوری سے متعلق خبریں شہ سر خیوں کے ساتھ شایع ہوئی ہیں ۔ ایک خبر یہ بھی ہے کہ بجلی چوری پر دو سے تین سال قید با مشقت اور ایک کروڑ روپے جرمانے کی سزا بھی زیرِ غور ہے۔ دوسری خبر یہ بھی ہے کہ ماہِ اکتوبر سے گھریلو صارفین کے لئے بجلی چودہ روپے فی یونٹ جبکہ کمرشل صارفین کے لئے انیس روپے فی یونٹ کر دی جائیگی۔ یہ دونوں باتیں ایک عام آدمی کے لئے بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ملک اس وقت توانائی کے سنگین بحران سے گزر رہا ہے جس نے قومی معیشت کو مفلوج کرکے رکھ دیا ہے۔ اس بد حالی کا سب سے بڑا سبب بجلی اور گیس کی کم پیداوار ہے۔ اور رہی کسر ان کی چوری اور لوٹ مار نے نکال دی ہے۔ یقیناً بجلی چوری یا گیس چوری ایک قبیح فعل ہے اور اسے کسی بھی صورت میں جائز قرار نہیں دیا جا سکتا مگر ایک سوال جو عام آدمی کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وطنِ عزیز کو اس حال پر کس نے پہنچایا؟ اس بد حالی کا ذمہ دار کون ہے؟ وہ جس نے اربوں روپے کی ٹیکس چوری کی اور اپنے ملوں، فیکٹریوں اور سی این جی

اسٹیشنوں کے لئے بجلی اور گیس چوری میں بھی ملوث ہے یا وہ جو اپنے گھر کے لئے چند سو یا چند ہزار روپے کی بجلی چوری با امرِ مجبوری کر رہا ہے۔

پاکستان کے پارلیمنٹ کی طرف ذرا غور کیجئے ! 2012-2013 کے اعداد و شمار کے مطابق پارلیمنٹ کے 305 ارکان کے پاس نیشنل ٹیکس نمبر ہی نہیں تھا، 70 فی صد ارکان نے کسی قسم کا ٹیکس جمع ہی نہیں کرایا۔ 2011 میں ہمارے صدرِ محترم جناب آصف علی زرداری اور انکے 34 وزراء نے ٹیکس ریٹرن جمع کرنے کی زحمت ہی نہیں کی۔ لیکن آپ ان کے تنخواہیں، الاونسز اور مراعات دیکھیں تو حیران رہ جائینگے۔ علاوہ ازیں اسی مراعات یافتہ طبقہ نے جس بے دردی سے قومی خزانہ کو لوٹا ہے اور کرپشن کے جو نئے ریکارڈ قائم کئے گئے ہیں، انہیں یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہاں سرمایہ دار طبقہ کے لئے ٹیکسیشن کا نظام ہی موجود نہیں، مالیات کے متحرک کرنے کا نظام ہی نہیں ہے، حال ہی میں نواز شریف کی حکومت نے جو بجٹ پیش کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی ملک کی اقتصادی حالت کو درست سمت میں لے جانے کے لئے سرمایہ دار طبقہ پر ٹیکس لگانے کو تیار نہیں۔ جس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ ہمارے ہاں آدھے سے زیادہ پاکستان جاگیرداروں کی پرائیویٹ ملکیت میں ہے۔ سینکڑوں ایکڑ زمین ایک ایک فرد کی ملکیت ہے حالانکہ 1973 کے آئین کے مطابق اجارہ داریوں پر آئینی قدغن اور دستوری پابندی لگائی گئی ہے اور اس پر

طراء یہ کہ ان کی آمدنی پر کسی قسم کا ٹیکس بھی نہیں لگایا جاتا۔
کسی بھی معیشت کی ترقی کے لئے ٹیکس کلچر کا قیام نا گزیر ہوتا ہے حکومتوں کی آمدنی کا بنیادی ذریعہ آمدنی والوں کی جانب سے ادا کئے جانے محاصل ہوتے ہیں۔ سرکاری مشینری کرپشن سے پاک ہوتی ہے اور حکومتیں ٹیکس کی رقم کو ملکی مفاد، قومی ترقی اور عوامی بہبود کے لئے درست طور پر استعمال کرتی ہیں۔ انہیں اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے دوسروں کے آگے ہاتھ نہیں پھیلانے پڑتے۔ پورے ملک
میں ٹیکس دینے والوں کی تعداد بمشکل سات لاکھ ہے جو کل آبادی کا ایک فی صد سے بھی کم ہے ان میں بڑی تعداد بڑی آمدنی والے افراد کی ہے جن میں مقتدر طبقات کے لوگ، حکمران، ارکانِ اسمبلی، صنعتکار، زمیندار، وڈیرے اور سردار شامل ہیں۔
اگر کروڑوں کمانے والوں سے حکومت ٹیکس وصول نہیں کر سکتی۔ اربوں روپے کرپشن کرنے والوں کو پکڑ نہیں سکتی، پاکستان کے وسائل پر قابض لوگوں کو کھلی چھٹی دے رکھی ہو، جنھوں نے پاکستان کے قانون و آئین کو اپنے گھر کی باندی بنا رکھی ہے تو پھر چند سو یا چند ہزار روپوں کی بجلی چوروں کے لئے اتنے سخت قوانین بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ پہلے یہ فیصلہ تو کیجئے کہ بڑا مجرم کون ہے

؟ ٹیکس چور یا بجلی چور ؟ پہلے بڑے مجرموں پر ہاتھ ڈالئے پھر چھوٹے مجرموں کو قابو کیجئے کیونکہ جب تک بڑے مجرموں کو انصاف کے کٹھرے میں کھڑا نہیں کیا جائیگا تب تک توانائی کی موجودہ ابتر صورتِ حال میں بہتری آنے کا کوئی امکان نہیں۔ بڑے مگر مچھ نہ صرف یہ کہ پاکستان کے وسائل کو کھا گئے ہیں بلکہ باہر ممالک سے آیا ہوا امداد اور قرضہ بھی ہڑپ کر گئے ہیں۔ ان مگر مچھوں اور بڑے بڑے چوروں

کو قابو کرنے کے لئے سخت قوانین وضع کیجئے۔ چھوٹے چھوٹے چور خود بخود راہِ راست پر آجائینگے۔

پیغامِ عید

عید کا لفظ زبان پر آتے ہی من میں خوشی کے لڈو پھوٹنے لگتے ہیں۔ذہن میں
مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔اس لئے کہ عید الفطر دنیا بھر کے مسلمانوں کے
لئے خوشی کا پیغام لے کر آتی ہے۔ رمضان المبارک کا برکتوں اور فضیلتوں والا ماہِ
مبارک جب ہم سے اپنے اندر رحمتوں، مغفرتوں اور خلاصیٔ جہنم کے پروانے لئے جدا
ہوتا ہے تو ساتھ ہی ان روزہ داروں کے لئے بہت بڑی خوشخبری دے کر جاتا ہے
جنہوں نے اس ماہِ مبارک میں خوب عبادت کی۔اور اپنی عبادات اور روزوں سے اللہ
کی رحمت

و مغفرت کو اپنے لئے جہنم سے خلاصی کا ایک بہترین اجازت نامہ حاصل کیا۔اسی ماہِ
مبارک میں قرآنِ مجید، فرقانِ حمید نازل ہوا۔

اس ماہ میں جتنی بابرکت راتیں تھیں،اتنی کسی اور ماہ میں شاید ہی ہوں۔ان سب
راتوں کا مجموعہ شبِ عید الفطر ہے، جس میں اللہ ،رحمان و رحیم اس ماہ کی تمام راتوں
سے زیادہ سخی اور فیاض بن کر اپنے بندوں کی مغفرت فرماتا ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ اپنے نیکیوں کے بنک بیلنس میں اضافہ کے لئے ایک

ایسا سنہری موقعہ ہوتا ہے جو بار بار نصیب نہیں ہوتا، کوئی ذی روح یہ دعوی نہیں کر سکتا کہ اسے زندگی میں آنے والا رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ دوبارہ نصیب ہوگا۔ اب آج کے اخبار پر نظر دوڑایئے ! اخبار کی شہ سرخی یہ ہے کہ کوئٹہ میں نمازِ جنازہ پر خودکش حملہ اعلی پولیس قیادت سمیت 38 شہید، اسی طرح ایک اور خبر، کراچی میں پرتشدد واقعات میں آٹھ افراد قتل۔ سات قتل، گزشتہ دو تین روز میں ہی ہزاروں لوگ سیلاب یا حادثات کی نذر ہو گئے اور وہ عید کی خوشیاں دیکھ نہ سکے۔ جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اس وقت ہم سب کے لئے خوشی کا مقام ہے کہ ہم عید کی خوشی منانے کے لئے زندہ ہیں اور لاکھوں افراد کی ہر دلعزیز ویب سائٹ ہماری ویب'' کے مضامین پڑھتے ہوئے عید کی خوشی منا رہے ہیں۔ مگر ساتھ ساتھ '' ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ایسے مواقع چونکہ بار بار نہیں آتے بناء برایں ہم سے جس قدر اچھے اور نیکی کے کام ہو سکتے ہیں، کرلیں، نیک کام کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیئے۔

میرے مشاہدہ میں یہ بات آئی ہے کہ وطنِ عزیز کے باشندے ایک قوم، ایک زبان، ایک قبیلہ اور ایک مسلک سے تعلق رکھنے کے باوجود ایک دوسرے سے معمولی معمولی باتوں پر بغض اور رنجش رکھتے ہیں۔ بھائی، بھائی سے ناراض، بیٹا باپ سے ناراض، باپ بیٹے سے ناراض اور عید جیسے مبارک اور خوشی کے موقعہ

پر بھی ایک دوسرے سے ہاتھ ملانے کو تیار نہیں۔ایسے لوگوں سے میری گزارش ہے خدارا! اپنے رنجشوں کو بھول جایئں، عید کی خوشی میں ایک یہ پیغام بھی پوشیدہ ، ہے کہ ایک دوسرے سے پیار کرو۔ کیونکہ زندگی بہت مختصر ہے۔اسے گزرتے دیر نہیں لگتی، جب انسان آخری سانسیں لے رہا ہوتا ہے تو اسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے زندگی ایک خواب تھا، جو پلک جھپکتے ختم ہو گیا۔ اس مختصر زندگی میں ایک دوسرے سے نفرت کی بجائے محبت کرو۔ عفو و در گزر سے کام لو۔ عید کی خوشیوں میں دوسروں کو بھی شریک کیا کرو۔اپنے ارد گرد نظر دوڑاو، جو لوگ غریب ہیں اور عید کے لئے کپڑے یا اشیائے خورد و نوش خریدنے کی سکت نہیں رکھتے، ان کی مدد کرو، اللہ جل و جلالہ آپ کی مدد ضرور کرے گا۔

عید کا ایک پیغام یہ بھی ہے کہ ہمیشہ اپنے مادرِ وطن سے پیار کیا کرو کیونکہ مادر، وطن ہماری تمام ضرورتوں کا خیال رکھتی ہے۔ غذا، چھت، محبت، پیسہ، ہماری زندگیوں میں رنگینیاں۔ پھل، سبزی، اچھے دوست، عزت اور بزرگوں کی دعایئں جو ہمیں نصیب ہوتی ہیں، یہ سب کچھ مادرِ وطن کی بدولت ہی تو ہیں۔اللہ سے لگاؤ،اپنوں سے محبت، دوسروں کے دکھ درد میں شرکت یہی تو پیغامِ عید ہے۔

اور آخر میں گزشتہ کئی سالوں سے سانحوں، صدموں، دہشت گردیوں، ہلاکتوں اور مایوس کن خبروں کے درمیان پھر بھی عید مبارک ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جنسی بھوک اور انٹرنیٹ

پاکستان میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق تقریبا بیس لاکھ سے زائد لوگ انٹرنیٹ کا استعمال کرتے ہیں، ایک بہت بڑے تعلیمی ادارے میں پڑھاتے ہوئے جب میں نے طلباء کے درمیان انٹرنیٹ سے متعلق گفتگو سنی ، تو میرے لئے ان کی مسکراہٹ اور چہروں سے یہ اندازا لگانا مشکل نہ تھا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ میں نے اس بارے میں کچھ تحقیق کی سوجھی۔ دوسرے دن اپنے بعض شاگردوں کو ایک ایک کرکے آفس بلایا اور انہیں اعتماد میں لے کر انٹرنیٹ استعمال اور اس پر فحش مواد دیکھنے کے بارے میں سوالات پوچھے۔ مجھے یہ سن کر حیرت ہوئی کہ 85 فی صد طلباء نے انٹرنیٹ پر فحش مواد دیکھنے کے اشارتا تصدیق کر دی۔ چونکہ ایک استاد اور شاگرد کے درمیان ادب واحترام کا ایک خاص رشتہ موجود ہوتا ہے، اس لئے اس موضوع پر کسی سے کھل کر بات نہ ہو سکی لہذا میں نے دوسروں سے اس موضوع پر گفتگو کرنے کا سوچا، ہمارے معاشرے میں جنس پر کسی سے گفتگو کرنا نہایت معیوب اور غیر اخلاقی سمجھا جاتا ہے اس لئے اس بارے معلومات حاصل کرنے میں کسی حد تک مشکل بھی پیش آئی۔ اب یہ کالم لکھتے ہوئے بھی خطرہ محسوس کر رہا ہوں کہ میرے قارئین کہیں اس موضوع پر لکھنے کی وجہ سے کوئی فتویٰ ہی نہ لگا دیں۔ پشاور

کے معروف شاہراہ یونیورسٹی روڈ پر واقع ایک نیٹ کیفے پر بیٹھے نوجوان کا کہنا تھا کہ دو سال پہلے کی بات ہے میں نے اپنے کورس سے متعلق بعض معلومات حاصل کرنے کی غرض سے انٹرنیٹ کا استعمال شروع کیا تھا، پھر موسیقی اور شاعری کی تلاش شروع کی۔ دریں اثنا بعض دوستوں نے میری توجہ نیٹ پر موجود فحش مواد کی طرف دلائی، تجسس پیدا ہوا۔ اور میں نے سرفینگ کی تو ایک نئی چیز سامنے آئی اب میں روزانہ کم از کم ایک گھنٹہ فحش سائٹس ضرور دیکھتا ہوں۔ جب میں نے ان سے پوچھا کہ اس کا آپ کو کیا فائدہ یا نقصان ملتا ہے تو بولا، فائدہ تو کوئی نہیں، نقصان ہی نقصان ہے مگر کیا کروں، جوان ہوں، شیطان ساتھ لگا ہوا ہے، وہ ورغلا دیتا ہے اور میں فحش سائٹ کھو ل دیتا ہوں۔ بعض دوسرے نوجوانوں کے بھی تقریبا یہی تاثرات تھے۔ ان کا کہنا تھا، تجسس انسان کا فطری خاصہ ہے۔ جب ہمارے ساتھی اس بارے میں گپ شپ لگاتے ہیں تو قدرتی طور پر تجسس کا جزبہ بیدار ہوتا ہے اور موقعہ ملتے ہی ہم ایسے سائٹس کو کھول لیتے ہیں اور پھر اسے دیکھنے کی لت پڑ جاتی ہے۔

میں نے پھر ایک نیٹ کیفے چلانے والے سے سوال کیا کہ اس کے کیفے پر آنے والے لوگ فحش مواد کے سائٹس کھولتے ہیں یا علمی مواد اور ای میلز وغیرہ دیکھنے آتے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ ہمارا مقصد تو کسی کو فحش مواد دکھانا ہرگز نہی، مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ لوگ یہاں آکر فحش سائٹس

ضرور دیکھتے ہیں۔ ہمارے پاس ایسی سائٹس فلٹر کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ یہ تو حکومتِ پاکستان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان غیر اخلاقی سائٹس کو بلاک کر دے۔ پی ٹی سی ایل ذرائع سے بات کی تو انہوں نے کہا کہ اگرچہ پی ٹی سی ایل نے اب تک ہزاروں فحش سائٹس کو بلاک کیا ہے مگر کیا کریں روزانہ سینکڑوں کے حساب سے نئی فحش ویب سائٹس معرضِ وجود میں آتی ہیں۔

فحش ویب سائٹس بنانے اور مشتہر کرنے کے لئے بے شمار کمپنیاں کام کر رہی ہیں، لہٰذا اسے مکمل طور پر بند کرنا پی ٹی سی ایل کی بس کی بات ہی نہیں۔ مغربی ممالک میں اسے باقاعدہ ایک صنعت کے طور پر اسے چلایا جاتا ہے۔۔

<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<

فحش مواد دیکھنے کا رجحان دنیا بھر میں موجود ہے مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان ملک ہوتے ہوئے پاکستان میں ایسے غیر اخلاقی سائٹس دیکھنے کا رجحان سب سے زیادہ ہے۔ ماہرِ نفسیات اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں چونکہ جنس پر گفتگو کرنا غیر اخلاقی اور بے ادبی کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے اور جنسی تعلقات کو صرف شادی تک محدود رکھنے کی اجازت ہے، مردوں اور عورتوں کے مابین تعلقات کو بہت زیادہ محدود رکھا جاتا ہے، بوجہ ازیں جنسی معلومات کے بارے میں کافی تجسس پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے لوگ انٹرنیٹ پر فحش سائٹس دیکھتے ہیں۔

بحر حال اس میں شک نہیں کہ انٹرنیٹ کا استعمال اب دنیا بھر میں عام ہو چکا ہے اور پاکستان میں ہنوز اسے لکھا پڑھا طبقہ استعمال کر رہا ہے مگر وقت کے ساتھ ساتھ اس کے استعمال میں اضافہ ہو رہا ہے، طلباء کو مفت لیپ ٹاپ دیئے جا رہے ہیں۔جس کی وجہ سے نوجوان نسل میں خصوصا انٹرنیٹ کے استعمال میں بے تحاشا اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔بے شک انٹرنیٹ پر انسان بے شمار معلومات حاصل کر سکتا ہے اور اگر اس کا استعمال مثبت طریقے سے کی جائے تو یہ معلومات کا ایک بیش بہا انمول خزانہ ہے مگر اسکا منفی استعمال نوجوان نسل کے لئے تباہی و بربادی کا باعث بن سکتا ہے لہذا والدین کو چاہئیے کہ وہ انٹرنیٹ استعمال کرنے والے اپنے بچوں پر نظر رکھے۔ان کو ہر سہولت کے مثبت اور منفی استعمال کے فوائد اور نقصانات سے آگاہ رکھے۔اور ممکن ہو تو حکومت فحش مواد والے تمام سائٹس کو بند کرنے کا اہتمام کرے۔

پولیس سے شکایتیں کیوں۔۔؟

بلا شک و شبہ ملک میں جرائم پر قابو پانے، امن و اماں قائم کرنے یا دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کی ذمہ داری پولیس کی ہوتی ہے جبکہ بیرونی جارحیت کے مقابلے کی ذمہ داری فوج کی ہوا کرتی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ پولیس سے عام لوگوں کو بہت ساری شکایات ہوا کرتی ہیں۔ حال ہی میں جب صوبہ خیبر پختونخواہ میں تحریکِ انصاف کی حکومت بنی تو وزیرِ اعلیٰ جناب پرویز خٹک صاحب نے ایک کمپلینٹ سیل بنایا، کمپلینٹ سیل کو سب سے زیادہ شکایات جو ملیں، وہ پولیس سے متعلق تھیں۔آیئے ! آج اس بات کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں کہ اسکی بڑی وجہ کیا ہے اور اسے کیسے ٹھیک کیا جا سکتا ہے ؟

برِ صغیر پاک و ہند میں انگریزوں کو پولیس فورس بنانے کا خیال 1857 کی جنگِ آزادی کے بعد آیا تھا اس لئے انہوں نے 1861 میں ایک پولیس ایکٹ بنایا جس کا مقصد یہ تھا کہ عام لوگوں کو دبا کے رکھا جائے۔ جنرل مشرف کے دور میں اس ایکٹ کا نام بدل کر پولیس آرڈر 2002 رکھا گیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ پچھلے 65 سالوں میں پولیس کو صحیح تربیت دینے، مناسب تنخواہیں، ٹرانسپورٹ کا مناسب انتظام، وردی یا موثر بھاری ہتھیاروں کی فراہمی کا بندوبست کسی

بھی حکومت نے نہیں کیا۔ بلکہ ہر حکومتی جماعت نے پولیس کو اپنا ذاتی ملازم سمجھ کر انہیں اپنے سیاسی حریفوں کے خلاف استعمال کیا۔ میں نے ایک نہایت ذمہ دار پولیس آفیسر سے جب یہ سوال پوچھا کہ آپ یا دیگر پولیس افسران سیاستدانوں کی حکومت میں اپنا فرائضِ منصبی صحیح طور پر سرانجام دے سکتے ہیں یا فوجی حکومت میں اپنا کام آزادانہ طریقہ سے کر سکتے ہیں،، تو ان کا جواب تھا کہ سچی بات یہ ہے کہ ہم فوجی حکومت میں اپنے فرائض کی بجاآوری زیادہ بہتر طریقے سے کر سکتے ہیں، سیاستدان ہمیشہ ہم پر اپنی مرضی اور دباوء مسلط کرنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ بعض عوام کے منتخب سیاستدان بذاتِ خود اغوا جیسے سنگین جرائم میں ملوث ہوتے ہیں۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا ۔کہنے کا مقصد اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ پولیس کی بھی بعض مجبوریاں ہوتی ہیں۔

ڈیرہ اسمعٰیل خان میں جب طالبان جیل توڑ کر اپنے ساتھیوں کو چھڑا کر لے گئے تو پولیس کو خصوصی طور پر ہدفِ تنقید بنایا گیا۔ میں ان کا طالبان کا مقابلہ نہ کرنے یا گٹروں اور نالوں میں چھپنے کو میں ہرگز مناسب نہیں سمجھتا مگر انسانی نفسیات اور زمینی حقائق کو اگر ہم مدِ نظر رکھیں تو ایسا ہونا ہی تھا۔ لڑنے کے لئے will to fight ہونا چاہئیے جو پولیس میں نہ ہونے کے برابر ہے اس کے مقابلہ میں طالبان میں حد درجہ will to fight موجود ہے۔ پولیس کے پاس اس طرح کے بھاری اور موثر ہتھیار موجود نہیں تھے جو طالبان کے پاس تھے، بوجہ ازیں پولیس اہلکاروں کو یقین تھا

کہ مقابلے کا انجام موت کے سوا کچھ نہیں، اور کوئی انسان مرنا نہیں چاہتا، زندگی سے نفرت نہیں کرتا۔ صرف اس صورت میں وہ مرنا چاہتا ہے جب اس کو دل و جان سے یہ یقین ہو کہ اپنی جان دینے کے بعد اس کی اخروی زندگی انعامات سے مالا مال ہوگی اور اس کے اہل و عیال کی دنیاوی زندگی بھی آرام سے بسر کرنے کے لئے اسباب مہیا ہونگے۔ دوسری عام شکایت پولیس کے بارے میں یہ ہے کہ وہ رشوت خور ہے، کرپٹ ہے۔ ہوگی ضرور ہوگی مگر وہ جو کہتے ہیں کہ "الناس علی دین ملوکھم" اگر ملک کا صدر، وزیراظم، وزیر، مشیر، ایم پی اے، ایم این اے سبھی رشوت خور ہیں تو ان حالات میں پولیس اہلکار کیسے فرشتے بن سکتے ہیں؟ ہم سب کا خمیر ایک جیسا ہے۔ ایک ہی محلے یا ایک ہی گاوں کا ایک نوجوان فوج میں جا کر اچھا کھانا، معقول تنخواہ صاف وردی اور بہترین تربیت حاصل کرکے ایک بہادر سپاہی اور کمانڈو بن جاتا ہے جسے رشوت کی نہیں، شہادت کی طلب ہوتی ہے مگر اسی محلے یا گاوں کا نوجوان پولیس میں جا کر رشوت کی علامت بن جاتا ہے۔ وجہ صرف ماحول، تربیت اور حکومت کی دھیان کی ہے۔ آج موٹر وے کی پولیس اس لئے بہتر ہے کہ زیادہ تر سفارش کے بغیر تعلیم یافتہ لوگ بھرتی کرکے انہیں بہترین تربیت اور موزوں تنخواہیں دی جارہی ہیں۔ بوجہ ازیں موٹروے پر پولیس بہت موثر ہے وہاں ہر پاکستانی قانون کی پاسداری کرتا ہے اور حیران کن حد تک موٹروے کی پولیس کم بد دیانت ہے۔ دوسرے صوبوں کی نسبت صوبہ خیبر پختونخواہ پو لیس کی کارکردگی ہمیشہ بہت بہتر رہی ہے۔ اپنوں

اور غیروں کی مسلط کردہ موجودہ دہشتگردی کی جنگ میں کے پی کے پولیس نے جو قربانیاں دی ہیں اسے تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائیگا۔حکومت کا بھی یہ فرض بنتا ہے کہ پولیس سروس میں کام کرتے ہوئے شہید ہونے والے افراد کے خاندان کو معقول پنشن اور گھر کی سہولتیں مہیا کرے۔علاوہ ازیں پولیس کو بہترین تربیت دینے کا اہتمام کیا جائے، معقول تنخواہ، رہنے کے لئے صاف ستھرا بندوبست، بہتر کارکردگی دکھانے والوں کو بہترین انعامات و ایوارڈز کا اہتمام، سلیکشن کا سفارش سے مبرا طریقہ کار اور موثر ہتھیار کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔اور سیاسی اثر ورسوخ سے پاک کیا جائے۔پولیس کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنی پوری اہلیت اور کامل ایمانداری و دیانتداری کے ساتھ جرائم پر قابو پانے اور امن وامان قائم کرنے کی سرتوڑ کاشش کرے۔ رزقِ حلال پر زندگی بسر کرے اور لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے ۔۔۔۔

صوبہ خیبر پختونخواہ میں پاکستان تحریکِ انصاف کی حکومت جہاں دیگر اداروں میں اصلاحات کا ارادہ رکھتی ہے وہاں پولیس کے نظام میں بھی میں بھی تبدیلی کی دعوے دار ہے، آن لائن ایف آئی آر کا اندراج اور پولیس آن ویکٹم سروس کاآغازیقینا قابلِ تحسین اقدامات ہیں لیکن یہ بات زہن میں رکھنی چاہئے کہ ایسے اقدامات کو عملی طور پر کامیاب بنانے کے لئے حکومت کی مسلسل تعاون و مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔اگر قیادت اہل ،دیانت دار اور اہلِ بصیرت ہو، تو

پولیس کے نظام کو بہت جلد ٹھیک کیا جاسکتا ہے اور پولیس سے عوام کی شکایتوں میں اچھی خاصی کمی لائی جاسکتی ہے۔۔۔۔۔۔

یومِ دفاعِ پاکستان

آج سے ٹھیک اڑتالیس سال پہلے چھ ستمبر 1965 کو ہمارے پڑوسی ملک ہندوستان نے سارے بین الاقوامی قوانین کو بالائے طاق رکھ کر بین الاقوامی سرحد عبور کیا اور لاہور سیکٹر پر یلغار کر دی۔ میں اس وقت دسویں جماعت کا طالبعلم تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس دن جب میں سکول سے گھر پہنچا تو خلافِ معمول اڑوس پڑوس کے تمام افراد ہمارے بیٹھک (حجرے) میں جمع تھے، پتہ چلا کہ ہندوستان نے پاکستان پر حملہ کیا ہے اور اب تھوڑی دیر میں پاکستان کے صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خان قوم سے خطاب کرنے والے ہیں، واضح رہے کہ اس زمانے میں ریڈیو بھی کسی کسی کے پاس ہوا کرتا تھا خوش قسمتی سے میرے والد صاحب کے پاس ریڈیو موجود تھا، اس لئے دوسرے لوگ ریڈیو پر صدر کا خطاب سننے جمع ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر میں ریڈیو پر قومی ترانہ نشر ہوا اور اس کے فورا بعد صدر ایوب خان کی گرجدار آواز گونجی ان کی تقریر کے کچھ جملے آج بھی میرے کانوں اور ذہن میں تازہ ہیں انہوں نے کہا" میرے عزیز ہم وطنو ! بھارت نے اعلانِ جنگ کئے بغیر بین الاقوامی سرحد عبور کرتے ہوئے ہم پر حملہ کیا ہے، اسے معلوم نہیں کہ اس نے کس قوم کو للکارا ہے، میرے جوانو ! لا الہ الااللہ کا ورد کرتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑو"ایوب خان کی تقریر نے

سامعین میں ایک عجیب سا ولولہ پیدا کر دیا۔پوری قوم وطن کی حفاظت کے لئے تن من دھن کی قربانی کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

قوموں کی تاریخ میں کچھ دن ایسے آتے ہیں جو عام دنوں کی نسبت بڑی قربانی مانگتے ہیں۔ایسے دن ماؤں سے ان کے جگر گوشے،اور بوڑھے باپوں سے ان کی زندگی کا سہارا قربان کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔قربانی کی لازوال داستانیں رقم ہوتی ہیں، سروں پر کفن باندھ کر سرفروشانِ وطن رزم گاہِ حق و باطل کا رخ کرتے ہیں، کچھ جامِ شہادت نوش کرکے امر ہو جاتے ہیں اور کچھ غازی بن کر سرخرو ہو جاتے ہیں۔تب جا کر کہیں وطن اپنی آزادی، وقار اور علیحدہ تشخص برقرار رکھنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ ستمبر 1965 کی جنگ میں ایسا ہی ہوا۔ورنہ بھارت کا تو خیال تھا کہ پاکستان پر ہم پانچ دنوں میں قبضہ کرلیں گے۔ لاہور پر حملہ کرنے والے بھارتی جرنیل نے ریڈیو پر اعلان کرکے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ صبح کا ناشتہ لاہور کے شالامار باغ میں کرینگے مگر انہیں اندازا نہیں تھا کہ شیر سویا ہوا بھی ہو، تب بھی شیر، شیر ہوتا ہے۔افواجِ پاکستان اور عوامِ پاکستان نے مل کر دیوانہ وار دشمن کا مقابلہ کیا۔ایک روز ہمارے گاوں میں افواہ پھیلی کہ سامنے تین کلومیٹر دور پہاڑ پر انڈیا کے کمانڈوز اترے ہیں، بس پھر کیا تھا، کوئی بندوق لیکر، کوئی کلہاڑی لے کر اور میرا جیسا نوجوان بچہ ہاتھ میں لاٹھی لے کر پہاڑ کی

طرف دوڑنے لگے۔ ایک عجیب جوش تھا، ایک عجیب ولولہ تھا، جسے آج بھی یاد کرتا ہو
ں تو میرے رگوں میں خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے۔ عوام اور افواج پاکستان کے
جوشِ ایمانی نے ہندو بنئے کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔

طاقت کے نشے سے چور بھارت پاکستان کو دنیا کے نقشے سے مٹانے کے لئے آیا تھا مگر
ناکامی کا بد نما داغ ہمیشہ کے لئے اپنے سینے پر سجا کر چلا گیا۔ افواج پاکستان نے چھ ستمبر
1965 کو بہادری، جرات اور قربانی کی ایسی ایسی بے مثال مثالیں قائم کیں، کہ پوری
دنیا انگشت بدانداں ہو گئی۔

آج ہم اڑتالیسواں یومِ دفاع جن حالات میں منا رہے ہیں۔ وہ یقیناً صرف افسوسناک
ہی نہیں، تشوشناک بھی ہیں۔ ان حالات میں ہمارا دل خون کے آنسو رو رہا
ہے۔ ہمارے مشرقی اور مغربی سرحدوں پر دشمن گھات لگائے بیٹھا ہے۔ اندریں حالات
ہم اپنے اربابِ اختیار اور دوسرے سیاسی راہنماوں سے جن کا تعلق خواہ کسی بھی پا
رٹی سے ہو، اپیل کرتے ہیں کہ خدا کے لئے، آج یومِ دفاع پر عہد کریں کہ اپنی قومی
مفادات کو ذاتی مفادات پر ترجیح دیں گے اور پوری دیانتداری اور خلوصِ دل سے
لوگوں کے حقوق اور عدل و انصاف کا سوچیں گے۔ ہماری دعا ہے کہ اگلے یومِ دفاع پر
پاکستان پہلے سے زیادہ محفوظ اور متحد ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اِس کینسر زدہ ملک کا علاج کیا ہے؟

مایوسی گناہ ہے ، ہمیں کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ دنیا کا نظام بندے نہیں، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق چلاتا ہے۔تاریخِ عالم کے مطالعہ سے یہ بات زیادہ واضح اور روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ انسان کچھ بھی کرے ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ مگر جو شخص یا جو قوم زمینی حقائق سے آنکھیں چرا کر زندگی بسر کرنے کا عادی ہو جائے ۔اس کا انجام ، اس کا حشر برا ہوتا ہے ۔اور جو قومیں یا افراد اپنے عمل کا جائزہ لیتی رہتی ہیں ۔وہ اپنے لائحہ عمل کو بدل کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہو کر انجامِ بد سے اپنے آپ کو بچا سکتی ہیں۔ہم اپنے پیارے ملک پاکستان کے بارے میں لاکھ حسنِ ظن رکھیں اور اپنے کسی بھی سیاسی جماعت یا فوجی حکمران سے یہ امید رکھیں کہ وہ اس ملک کو ٹھیک کرلے گا اور مصیبت زدہ عوام کی حالت سدھر جائیگی،ایک خام خیالی کے سوا کچھ نہیں ، یہ ایک حسین خواب ہو سکتا ہے جس کی عملی تعبیر شاید ممکن نہ ہو۔ پھر کیا یہ ملک ہمیشہ ایسا ہی رہے گا؟ نہیں، تو پھر اس کا علاج کیا ہے؟ آیئے ! آج اس کا جواب ڈھونڈتے ہیں !!!

اس وقت وطنِ عزیز کی مثال اس شخص جیسی ہے جس کو ایک عرصہ دراز سے کینسر کی بیماری لگی ہو، اس کے پورے جسم میں کینسر کے جراثیم پھیل چکے ہوں۔ایسی صورت میں ڈاکٹر لاکھ کوشش کریں کہ مریض ٹھیک ہو جائے مگر ان کی کوششوں کا بارآور ہو نا یقینی نہیں ہوتا۔کچھ ایسی ہی صورتِ حال سے پاکستان بھی اس وقت دوچار ہے۔یہاں صرف لیڈر شِپ ہی نہیں پورا معاشرہ کینسر زدہ ہو چکا ہے۔ہم دیکھ رہے ہیں اور چند سالوں سے نہیں ،جب سے پاکستان معرضِ وجود میں آیا ہے، تب سے دیکھ رہے ہیں کہ اقتدار اور اختیار کے متمنی اور ہوسِ زر کے متوالے بڑے بڑے دعوے ضرور کرتے چلے آئے ہیں کہ ہم یہ کر لینگے، وہ کر لینگے مگر جب کرنے کا وقت آتا ہے ،اقتدار و اختیار ان کو مل جاتا ہے تو وہی بڑے دعوے دار اپنی اپنی جھولیاں بھرنے لگ جاتے ہیں۔سیاسی لیڈر شِپ کو بھی دیکھ لیا فوجی لیڈر شِپ کو بھی آزما لیا، سبھی ناکام رہے۔ مریض پاکستان) کا علاج کرنے جو بھی آیا اس نے اس مرض میں مزید اضافہ کر دیا، گویا) مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی،اور اب اس کی یہ حالت ہے کہ کسی اور کا سہارا لئے بغیر چلنے پھرنے کے قابل بھی نہیں رہا۔

اس مرض میں اضافہ صرف لیڈروں کی وجہ سے ہی نہیں ہوا، بلکہ عوام بھی اس میں برابر کے ذمہ دار ہیں۔وہ اس مرض کے علاج کے لئے ایسے ڈاکٹر کو چنتے ہیں ،جو نہیں جانتا کہ اس مرض کا علاج کیا ہے ؟اس کی تازہ مثال حالیہ ۱۱ مئی کے

عام انتخابات ہیں۔ عوام نے اس مرض کے علاج کے لئے ایک ایسے ڈاکٹر (نواز شریف) کو چنا جو اس سے سے قبل دو مرتبہ اس مرض پر اپنا نسخہ آزما چکے ہیں، جو کارگر ثابت نہیں ہوا، اب سہ بارہ اسی کے پاس جانا سادگی نہیں تو اور کیا ہے؟

مگر سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا ڈاکٹر بدلنے سے مریض ٹھیک ہو جائیگا؟ یقینا جواب نفی میں ہے کیونکہ پچھلے پینسٹھ سالوں میں ڈاکٹر تبدیل کرکے بھی دیکھ لیا، مگر نتیجہ وہی صفر ہی رہا۔ صوبہ خیبر پختونخواہ میں ڈاکٹر کو تبدیل کر لیا گیا ہے۔کیا وہ اس مریض پاکستان) کے اس ایک حصہ کو ٹھیک کرلے گا؟ جواب پھر بھی نفی میں ہے۔ اگلا سوال) پھر یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس کینسر زدہ مریض کا کیا بنے گا؟ کیا یہ اپنی موت آپ مر جائیگا؟ کیا یہ لاعلاج ہے؟ نہیں، بالکل نہیں۔ نہ تو یہ لاعلاج ہے اور نہ ہی اس کے مرنے کا کوئی خطرہ ہے۔ صرف ضرورت اس امر کی ہے کہ مرض کی تشخیص درست طریقے سے کی جائے کیونکہ کوئی بھی ڈاکٹر بیماری کی مکمل تشخیص کئے بغیر بیماری کا علاج نہیں کر سکتا۔اس ملک کی بیماری کی بڑی وجہ وہ جھونک ہیں جو اس کے جسم کے ساتھ چمٹی ہیں اور اس کا خون چوس رہی ہیں،سب سے پہلے اس کا نکالنا اور مارنا ضروری ہے جب تک ان جھونکوں / جووں کو نکال باہر نہیں کیا جاتا تب تک اس کی صحت یابی کی امید نہیں کی جا سکتی۔اور وہ جھو

نکیں وہ ایلیٹ طبقہ ہے جو پچھلے 65 سالوں سے اقتدار سے چمٹا ہوا ہے۔ جو پاکستان کا خون چوس چوس کر اپنی صحت تو بنا رہا ہے مگر پاکستان کو روز بہ روز لاغر اور کمزور کر رہا ہے۔ میری دعا ہے اور آپ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس پاک دھرتی پر کوئی ایسا مسیحا پیدا کر دے جو اس کینسر زدہ ملک کی صحت یابی کے لئے وہ کام کرے جو آج سے دو سو انیس سال پہلے سرزمینِ فرانس پر کیا گیا تھا، جہاں ہمارے جیسے حالات پیدا ہو گئے تھے اور پھر اسکی درستگی کے لئے وہ دوائی استعمال کی گئی جس کے استعمال سے فرانس کے جسم سے لگی جھونکیں یعنی بادشاہ، ملکہ، شہزادے، شہزادیاں، امراء اور وہ سب اشخاص جو سیاسی زندگی سے متعلق تھے یا اس کے آئینہ دار تھے، کچل دیئے گئے۔ جس کی وجہ سے نہ صرف فرانس بلکہ دنیا کا نقشہ بدل گیا۔

اگر ہم آج کے پاکستان اور 18 صدی کے فرانس کا موازنہ کریں تو ہمیں پاکستان کے حالات ماضی کے فرانس سے ملتے جلتے نظر آتے ہیں پاکستان کے اندر لاوہ تو ابلتا ہوا دکھائی دے رہا ہے جو باہر نکلنے کا راستہ تلاش کر رہا ہے مگر جب تک یہ لاوہ ابل کر باہر نہیں آتا اور موروثی سیاستدانوں، سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور وڈیروں کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے نہیں جاتا، تب تک اس ملک کو کوئی بھی سیاستدان یا فوجی حکمران، خواہ وہ عمران خان ہو، نواز شریف ہو، یا کوئی اور تیس مار خان، ٹھیک نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔۔۔

جنسی درندگی کے روز افزوں واقعات

پچھلے کئی روز سے جس تواتر کے ساتھ معصوم بچیوں کے ساتھ جنسی درندگی کے جو واقعات ہمارے سامنے آ رہے ہیں وہ یقینا ہم سب کیلئے نہایت باعثِ افسوس اور تشویش ناک ہیں۔اِس وقت ایک بڑے قومی اخبار کا صفحہ اول میرے آنکھوں کے سامنے ہے، جس کی چند نمایاں سرخیاں کچھ یو ں ہیں۔ " سندر اور قصور میں درندہ صفت ملزمان کی دو کمسن بچیوں سے زیادتی" شاہدرہ ٹاون میں اوباش نوجوان کی دس سالہ بچے سے بد فعلی" سنبل سے زیادتی کا کوئی ملزم گرفتار نہ ہو سکا، چھاپے جاری"۔۔ایسا کیوں ہو رہا ہے ؟ اور اس کا سدِباب کیا ہے ؟ اس کا جائزہ لینے کے لئے اگر ہم جنسی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ جتنی انسانی تاریخ قدیم ہے اتنی ہی انسان کی جنسی تاریخ بھی قدیم ہے۔ جنسی خواہش زمانہ قدیم کے غیر مہذب اور وحشی انسان میں بھی موجود تھی اور آج کے مہذب انسان میں بھی بدجہ اتم موجود ہے۔ بھوک اور پیاس کی طرح جنسی خواہشات کا پیدہ ہونا فطری امر ہے ۔انسان کی بنیادی ضروریات جن میں روٹی، کپڑا اور مکان شامل ہیں۔ بالکل اسی طرح جنسی خواہشات کا پیدا ہونا اور جائز طریقہ سے تسکین و تکمیل اشد ضروری ہے۔ یہ خواہش جانور اور پرندے بھی رکھتے ہیں، جنسِ مخالف سے ملاپ کی خواہش ہر انسان کی فطرت میں

شامل ہوتی ہے۔اس کی شدت کے پیشِ نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان کا دم پہلے نکلتا ہے اور خواہش بعد میں دم توڑتی ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ انسان اس خواہش سے ہی دست بردار ہو جائے، بالکل ناممکن ہے۔ البتہ اس رجحان میں جو اضافہ دیکھنے میں آ رہا ہے اس کی بڑی وجہ عصرِ حاضر میں استعمال ہونے والی سائنسی ایجادات، کمپیوٹر، انٹر نیٹ، فلمیں، الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا ہے جو نئی نسل کو ایک طرف کئی سہولیات میسر کر رہا ہے مگر دوسری طرف اسے جنسی بے راہ روی کی طرف بھی راغب کر رہا ہے۔ گویا یہ وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے ہمارا معاشرہ بے راہ روی کی انتہا کو چھو رہا ہے۔ وطنِ عزیز میں انسان کا خون بہانا تو گزشتہ کئی سالوں سے بچوں کا کھیل بن چکا ہے۔ جس بے دردی کے ساتھ ہمارے ہاں انسان، انسان کو قتل کر رہا ہے، وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارا معاشرہ گراوٹ کی انتہا کو پہلے سے ہی چھو رہا ہے مگر اب جس درندگی کے ساتھ معصوم اور نابالغ بچیوں اور بچوں کی عزت کی پامالی کے جو واقعات سامنے آ رہے ہیں اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ہمارا معاشرہ انسانوں کی نہیں، درندوں کا معاشرہ بن چکا ہے۔ اگر معاشرتی گراوٹ ایسی انتہا کو پہنچ جائے تو وہاں بدامنی، بھتہ خوری، بے روزگاری، مہنگائی، ملکی خزانے کی لوٹ مار اور قتل و غارت اس معاشرے کا مقدر بن جاتی ہے۔

بحر حال اس معاشرے کا ایک حصہ ہونے کی بناء پر ہم سب کا یہ فرض بنتا ہے کہ

ہم سب یہ سوچیں، غور کریں کہ اس بگاڑ کو کیسے ختم یا کم کیا جا سکتا ہے۔

مغرب نے تو اس کا حل یہ نکالا ہے کہ اپنے معاشرے کو مکمل جنسی آزادی دے رکھی ہے جو کوئی جیسے چاہے، جس وقت چاہے، اپنے جنسی خواہش کو بلا روک ٹوک پورا کر سکتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ جنس کے معاملہ میں مغرب کا انسان جانوروں سے بھی آگے نکل گیا ہے۔ وہ اس معاملے میں جس انتہا کو چھو رہا ہے اسے دیکھ کر تو شیطان بھی شرمارہا ہوگا۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہم دینِ فطرت یعنی اسلام کے پیروکار ہیں، جس میں اس فطری خواہش یعنی جنسی خواہش کو جائز طریقوں سے پورا کرنے یا اپنی جنسی خواہشات کو قابو میں رکھنے کے لئے مکمل راہنمائی موجود ہے جس کی تفصیل اگرچہ یہاں کالم میں بیان کرنا ممکن نہیں، کوئی چاہے تو قرآن مجید اور احادیث نبویؐ کی کتب یا عالمِ دین سے آسانی سے راہنمائی حاصل کر سکتا ہے البتہ یہاں سرورِ کائنات، سردارِ دو جہاںؐ کی ایک حدیث نقل کرتا چلوں فرماتے ہیں کہ " مرد و زن کی نظریں ابلیس کے تیروں سے زیادہ زہر آلود ہیں" آج ابلیس کے تیروں کی چونکہ ہر طرف بوچھاڑ ہے لہٰذا ہر مرد و زن کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ابلیس کے تیروں سے بھی زیادہ مہلک تیروں سے اپنے آپ کو بچا کر رکھے، اپنی نظریں نیچے رکھے، پانچ وقت نماز پڑھے اور اللہ اور اسکے رسولؐ کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہوئے زندگی گزارے۔

معاشرے میں پھیلتے ہوئے ایسے قبیح جرائم (جنسی درندگی) جہاں ہماری اجتماعی شعور کے لئے لمحہ ء فکریہ ہیں، وہاں حکومتی انتظامی مشینری کا بھی یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ان جرائم کی بیخ کنی کے لئے موثر اقدامات کو یقینی بنائے اور معصوم بچیوں اور بچوں کی عزتوں کی پامالی جیسے سنگین جرائم میں ملوث افراد کو معاشرے میں عبرت کا نشان بنائے تا کہ پرا گندہ زہنیت کے لوگون کو ایسے جرائم کے ارتکاب کی جرات ہی نہ ہو۔ کیونکہ ہر حکومت کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ معاشرے کے بگاڑ کا باعث بننے والی تمام عوامل کا تدارک کرے۔ حکمرانوں کو مظلوم خاندانوں سے محض زبانی اور رسمی ہمدردی کا اظہار نہیں کرنا چاہئے بلکہ مجرمان کو کیفر کردار کو پہنچا کر مظلوم خاندانوں کے انصاف کا تقاضا بھی پورا کرنا چاہئے۔۔۔۔۔۔۔

حکومت، طالبان مذاکرات۔اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟

جب سے اسلام آباد میں ہونے والی آل پارٹی کانفرنس میں سیاسی اور عسکری قیادت نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ ملک میں امن قائم کرنے کے لئے طالبان سے مذاکرات کئے جائینگے ،تب سے یہ موضوع الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کا محورِ سخن بنا ہوا ہے ، پاکستان کا ہر فرد بھی اس کشمکش میں مبتلا ہو گیا ہے کہ حکومت اور طالبان کے درمیان ان مذاکرات کا کیا بنے گا؟کیا یہ مذاکرات کامیاب ہونگے اور وطنِ عزیز میں امن کا خواب شرمندہء تعبیر ہو گا یا نہیں ؟آیئے ! آج اس بات کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں۔ اے پی سی میں شامل تمام سیاسی اور دینی جماعتوں کا اس بات پر اتفاقِ رائے کا پیدا ہونا کہ طالبان سے مذاکرات کا راستہ اختیار کرکے امن کو قائم کرنے کا موقعہ دیجائے، اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ وطنِ عزیز میں امن قائم کرنے کے لئے طالبان سے مذاکرات ناگزیر ہیں اور یہ کہ جنگ کسی بھی مسئلے کا مستقل حل نہیں ہوتا۔شاید اسی وجہ سے وزیرِ داخلہ چوہدری نثار نے اے پی سی میں شامل شرکاء کو یقین دلایا کہ ہم نے طالبان سے رابطے قائم کر لئے ہیں اور اس کے لئے باقاعدہ ایک میکانزم بھی تیار کر لیا گیا ہے۔پاکستانی افواج

کے سپہ سالار جنرل کیانی نے بھی سیاسی قیادت سے پوری طرح متفق نظر آئے۔ ڈی جی آئی ایس آئی نے بھی اپنے چالیس منٹ کی تقریر میں پوری صورتِ حال انتہائی موثر انداز میں سیاسی قیادت کے سامنے رکھ دی تاکہ درست فیصلہ تک پہنچنے میں آسانی ہو، گویا اب اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت مذاکرات کے لئے سنجیدہ ہے اور وہ مذاکراتی عمل کے ذریعے امن قائم کرنے کی خواہاں ہے۔ لیکن اے پی سی کے اعلان کے بعد چند عوامل ایسے نظر آنے لگے ہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ کچھ داخلی اور خارجی عناصر ایسے ضرور ہیں جو حکومت اور طالبان کے درمیان مذاکراتی عمل کو سبوتاژ کرنے کے درپے ہیں۔ مثلاً ۱۵ ستمبر کواپر دیر میں پاک فوج کے سینئر جرنیل میجر جنرل ثنااللہ اور انکے ساتھیوں کو شہید کر دیا گیا اور طالبان کی طرف سے اس واقعہ کی ذمہ داری قبول کرنے کا بیان سامنے آ گیا مگر کو ہاٹ سے نون لیگ کے راہنما جاوید ابراہیم پراچہ کا بیان ایک نجی ٹی وی چینل کے ذریعے سامنے آیا کہ یہ جھوٹ ہے اور میجر جنرل ثنااللہ کی شہادت کا طالبان سے کوئی تعلق نہیں، انہوں نے کہا کہ اس قسم کی من گھڑت بیانات مذاکراتی عمل کو سبوتاژ کرنے کی سازش ہے، پاکستانی طالبان پاکستان کے وفادار ہیں۔ طالبان پر انسانی دشمنی کا الزام لگانے والے وہ فسادی عناصر ہیں جو نامعلوم مقام سے اس قسم کی ذمہ داری قبول کرنے کا اعلان کرکے پاک فوج اور طالبان کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔'' آج جاوید ابراہیم پراچہ کا یہ بیان بھی سامنے آیا ہے کہ طالبان کے

مختلف دھڑوں کے درمیان مذاکرات پر ابھی تک اتفاق نہیں ہو سکا ہے،انہیں ابھی مزید وقت درکار ہے۔

اگر ہم اب تک ہونے والے مذاکراتی عمل کے پیش رفت کو مدِ نظر رکھیں تو جو حقائق ہمارے سامنے آتے ہیں ۔وہ یہ ہیں کہ حکومت طالبان کے ساتھ مذاکرات کرنے میں سنجیدہ ہے ،مگر حکومت کے پیچھے کچھ عناصر ایسے بھی ہیں جو مذاکراتی عمل کو فلاپ کرنا چاہتے ہیں۔طالبان کو بھی مذاکرات سے انکار نہیں مگر طالبان چونکہ مختلف دھڑوں میں منقسم ہیں ،اس لئے ان کو ایک پلیٹ فارم پر ہونے میں مشکلات پیش آرہی ہیں۔بحر حال یہ امید کی جا سکتی ہے کہ حکومت اور طالبان کو درپیش مشکلات کے باوجود انشاللہ مذاکرات ضرور ہونگے، وقتی طور پر پیش رفت نہ ہونے کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ سارا عمل سبوتاژ ہو گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہماری سیاسی اور عسکری قیادت اس متوقع صورتِ حال سے ہر گز بے خبر نہیں ہوں گے جو نیٹو فورسز کے افغانستان سے روانگی کے بعد رونما ہو گی۔اس لئے وہ مذاکراتی عمل کو کامیاب کرنے کی ہر ممکن کو شش کریں گے۔اس دوران کئی اونچ نیچ یقینا سامنے آئینگے مگر امید ہے کہ آخر یہ مذاکراتی عمل کامیاب ہو جائیگا اور پاکستان میں ایک بار پھر امن و امان کی فضاء بحال ہو جائیگی۔بشر طِ یہ کہ پاکستانی حکومت اور پاکستانی طالبان کو اس بات کا شدت سے احساس ہو کہ مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑانے کے لئے ایک

بین الاقوامی کھیل کھیلا جا رہا ہے، اور اغیار کی سازشوں نے آج ہمیں اس افسوسناک صورتِ حال تک پہنچا دیا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے گریبان پکڑے ایک دوسرے کے خلاف برسرِپیکار ہیں، پوری پاکستانی قوم کی یہ تمنا ہے، یہ آرزو ہے، یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کو راہِ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے جو کسی وجہ سے گمراہ ہو چکے ہیں اور وطنِ عزیز ایک بار پھر تمام مسلمانوں کے لئے امن و امان کا گہوارہ بن جائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پنجابی دوستوں کی خدمت میں

آج الیکٹرانک میڈیا کا دور ہے۔ مختلف نجی ٹی وی چینل کے ذریعے جہاں ہمیں دنیا بھر کی خبریں پل بھر میں پہنچ جاتی ہیں، وہاں کسی بھی اہم قومی مسئلہ پر ہمیں مختلف الخیال افراد کی رائے سے بھی آگاہی حاصل ہوتی رہتی ہے۔ نائن الیون کے بعد دنیا میں ایک بڑی تبدیلی آئی۔ امریکہ عراق اور افغانستان پر چڑھ دوڑا۔ جس کے نتیجہ میں پاکستان کا امن تہہ و بالا ہو گیا۔ طالبان جو روس کے خلاف نبرو آزمائی کے وقت مجاہد کہلاتے تھے، دہشت گرد پکارے جانے لگے۔ الیکٹرانک میڈیا پر یار لوگوں نے اور لنکرز پرسن (خصوصا جو پنجاب سے تعلق رکھتے ہیں) نے اپنی ذہانت اور ایسی کمالِ گفتاری دکھائی اور تا حال دکھا رہے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، ان کے گفتگو سے صاف نظر آتا ہے کہ وہ پٹھانوں کے رسم و روج، عادات، ضابطہ اخلاق اور طرزِ زندگی سے واقف نہیں، پٹھانوں کی تاریخ سے صرف دو واقعات کی مثالیں اپنے پنجابی بھائیوں کی خدمت میں پیش کروں گا، تاکہ ان پر یہ واضح ہو جائے کہ پٹھان اپنے غیر تحریری آئین یعنی پختونوالی (پٹھانوں کا اپنے لئے مقرر کردہ ضابطہء اخلاق) کے کس قدر پابند ہیں اور وہ اپنے ہاں آئے ہوئے مہمانوں یا پناہ لئے ہوئے افراد کی حفاظت کے بارے میں کتنے حساس ہیں۔

سر اولف کیرو نے اپنی کتاب ''The Pathan'' میں ایک مشہور واقعے کا حوالہ دیا ہے جو پٹھانوں میں زبان زدِ خاص و عام ہے۔واقعہ کچھ یوں ہے کہ احمد شاہ ابدالی ایک دن اپنے دورانِ حکومت میں گھوڑے پر سوار ہو کر ایک جنگل کی طرف شکار کھیلنے نکلا،کافی تگ و دو اور خاردار جھاڑیوں میں گھومنے کے بعد ایک سوٗر کو مار کر زخمی کر دیا۔سوٗر زخمی حالت میں بھاگ کر ایک پٹھان قبیلے کے خیمہ میں گھس گیا۔بادشاہ اس کا پیچھا کرتے ہوئے خیمے تک پہنچا اور تیزی کے ساتھ اپنے نیزے کے ساتھ سوٗر پر وار کرنا چاہا مگر جوں ہی اس نے نیزہ اٹھایا،تو اپنے سر پر صاحبِ خانہ کا نیزہ دیکھا،اور دیکھتے ہی دیکھتے قریب کے دوسرے خیموں سے نیزہ بردار پٹھان قہر آلود نگاہوں سے بادشاہ کی طرف بڑھے۔حیران ہو کر بادشاہ نے پوچھا'' کیا تم نہیں جانتے، میں تمہارا بادشاہ احمد شاہ ابدالی ہوں ؟'اور یہ سوٗر نہ صرف میرا شکار ہے بلکہ ایک سوٗر ہے، تم اسے بچانے کی خاطر مجھے مار رہے ہو؟ نیزہ بردار پٹھانوں نے جواب دیا' بادشاہ کی حیثیت آپ کو پختونوالی کا محافظ ہونا چاہیے،پٹھان اپنے ہاں پناہ لئے ہوئے مہمان کو کبھی کسی کے حوالے نہیں کرتے'' احمد شاہ ابدالی نے یہ سن کر معافی مانگی اور اپنا سا منہ لے کر چلا گیا۔

ایک اور واقعہ بھی ملاحظہ کیجئے،کہتے ہیں ،پٹھانوں کے ایک قبیلے پر

ڈاکوؤں نے حملہ کیا، ڈاکوؤں کا مقابلہ کرنے کے لئے سارے لوگ باہر نکل آئے، ایک بڑھیا اپنی جھونپڑی میں اکیلی رہ رہی تھی، وہاں اچانک دو آدمی پناہ مانگتے ہوئے بڑھیا کی کٹیا میں گھس آئے مگر جلد ہی گاوں کے چند لوگوں نے بڑھیا کی جھونپڑی کو گھیرے میں لے لیا اور غصے بھرے لہجہ میں بڑھیا کو آواز دیتے ہوئے کہا کہ ان دو آدمیوں کو فوراباہر نکالو۔بڑھیا نے جواب دیا''انہوں نے میرے گھر میں پناہ لی ہے۔ میں ان کو ہرگز باہر نہیں نکال کر کر تمہارے حوالے نہیں کروں گی'' لوگوں نے کہا، تمہیں معلوم ہے کہ جن لوگوں کو تم نے پناہ دی ہے ، یہ لوگ کون ہیں ؟بڑھیا نے کہا' ہاں میں جانتی ہوں، یہ ڈاکو ہیں۔ لوگوں نے بتایا' یہ صرف ڈاکو ہی نہیں ، انہوں نے ابھی ابھی تمہارے دو بیٹوں کو قتل کیا ہے، مگر بڑھیا نے نہایت استقامت سے جواب دیا کہ میرے دو بیٹے تو قتل ہوئے لیکن اگر یہ دو آدمی میں آپ کے حوالے کر دوں تو'' پشتونوالی یعنی پٹھانوں کی غیرت قتل ہو جائیگی اس لئے میں کسی صورت میں ان لوگوں کو آپ کے حوالے نہیں کروں گی۔اسی طرح نائن الیون کے بعد جاب امریکہ نے افغانستان میں قائم طالبان حکومت کو کہا کہ اسامہ ہمارے حوالے کردو ورنہ ہم افغانستان پر حملہ کر دینگے تو طالبان نے صرف اس بناء پر اسامہ کو ان کے حوالہ کرنے سے انکار کیا کہ ہمارے ہاں آئے ہوئے یا پناہ لئے ہوئے مہمان کو دشمن کے حوالے نہیں کیا جاتا۔یوں طالبان نے اقتدار گنوادیا،ہزاروں جانوں کی قربانیاں دیں اورتا حال دے رہے ہیں مگر اسامہ

کو امریکہ کے حوالے نہیں کیا۔' ان واقعات کا حوالہ دینے کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اسلام آباد کے ایر کنڈیشنڈ کمروں میں بیٹھ کر قبائلی علاقوں سے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہیں یا حکومتِ وقت کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ جب تک شدت پسند ہتھیار نہیں ڈالتے تب تک ان سے مذاکرات ہی نہ کئے جائیں۔ وہ شاید پٹھانوں کے رسم ورواج، پختونوالی، ضابطہ اخلاق اور کردار سے مکمل طور پر واقف نہیں۔ ان کو یہ علم ہونا چاہئے کہ دیانت، غیرت، شجاعت، عزتِ نفس، ننگ، ناموس،، اپنے قول پر پکا رہنا، مہمان نوازی اور خواتین کا احترام پٹھانوں کی گھٹی میں شامل ہے۔۔۔۔۔۔

مذاکرات یا جنگ!!!؟

اے پی سی میں ہونے والے فیصلہ پر، کہ طالبان سے مذاکرات کئے جائیں گے،اس وقت قوم دو حصوں میں بٹی ہوئی نظر آتی ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مذاکرات ہی دہشت گردی کی جنگ سے نکلنے کا واحد راستہ ہے۔جنگ کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتا، ہر مسئلے کے حل کے لئے آخر میز پر بیٹھ کر حل نکالا جاتا ہے۔ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر جنگ سے مسئلہ حل ہوتا تو پچھلے دس سال سے ہم جنگ لڑ رہے ہیں،مگر جنگ ختم ہونے کے بجائے، مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوا کی، جبکہ دوسرا نقطہ نظر رکھنے والے لوگوں کا خیال ہے کہ اپر دیر میں میجر جنرل ثنااللہ اور ان کی ساتھیوں کی شہادت اور پشاور میں چرچ میں بم دھماکے کے نتیجہ میں سو سے زیادہ ہلاکتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ دہشت گرد صرف بندوق کی زبان سمجھتے ہیں،ان کے خلاف ایک بھرپور اپریشن ہونا چاہئے۔۔آج وزیرِداخلہ چوہدری نثار علی خان کا بیان بھی سامنے آیا ہے کہ وزیر اعظم کی واپسی پر طالبان سے مذاکرات کے فیصلے پر نظرثانی کی جائیگی،، اگر ہم غصے اور جذبات کو ایک طرف رکھ کر ٹھنڈے دل و دماغ سے اس مسئلہ پر غور و فکر کریں تو چند ایک باتیں ایسی ہیں، جو بالکل واضح ہیں، ان میں کوئی ابہام نہیں،جسے مدِ نظر رکھتے ہوئے ہمیں یہ فیصلہ کرنے میں

آسانی ہوگی کہ پاکستانی ریاست کو طالبان سے مذاکرات کا راستہ اپنانا چاہئے یا جنگ کرنی چاہئے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی بھی ذی شعور شخص جنگ کو پسندیدہ عمل قرار نہیں دے سکتا اس لئے کہ جنگ میں انسانی جانوں کا ضیاع لازمی امر ہے۔ اگر ہم پچھلے دس سال پر نظر دوڑائیں تو پاکستان اور افغانستان میں جتنا انسانی خون بہایا گیا ہے، اس کا کسی بھی فریق کو ذرہ بھر بھی فائدہ نہیں ہوا، بلکہ شدید نقصان ہوا ہے اور نہ صرف یہ کہ تاریخ عالم میں ایک سیاہ باب کا اضافہ کیا گیا ہے بلکہ اسلامی تاریخ پر بھی ایک سیاہ دھبہ ہے کیونکہ اس جنگ میں مرنے والوں کی اکثریت مسلمانوں کی ہے لہذا جنگ کو ترجیح دینا بعید از عقل بات ہوگی۔ بعض لوگ سوات اپریشن کا حوالہ دے کر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ وہاں فوجی اپریشن کے نتیجہ میں امن قائم ہوا ہے جبکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ چار سال گزرنے کے باوجود فوج وہاں سے نہیں نکل سکی اور اپرشن کے نتیجہ میں وہاں سے بھاگنے والے (مولوی فضل اللہ اور ان کے ساتھی) افغانستان میں بیٹھ کر پاکستانی فوج کے خلاف کاروائیاں کر رہے ہیں، ایک معتبر ذرائع کے مطابق حال ہی میں اپر دیر میں پاک آرمی کے ایک جرنیل اور ان کے ساتھیوں کی شہادت انہی کے کاروائیوں کا نتیجہ ہے۔ بنا برایں یہ کہنا کہ فوجی اپریشن ہی دہشت گردی ختم کرنے کا نسخہ کیمیا ہے، درست نہیں۔

جہاں تک مذاکرات کا تعلق ہے، اس میں شک نہیں کہ طالبان سے مذاکرات ایک نہایت پیچیدہ معاملہ ضرور ہے کیونکہ طالبان کوئی ایسی تنظیم یا گروہ کا نام نہیں جو کسی ایک کمان کے تحت سرگرمِ عمل ہو یا اس کا ایک وجود ہو۔اس وقت درجنوں گروپس سرگرم ہیں، ان کے مقاصد اور اہداف میں بھی فرق ضرور ہوگا۔ان کے ماسٹر مائینڈ بھی یقینا الگ الگ ہونگے۔بوجہ ازیں ان سے مذاکرات و معاملات کوئی آسان کام نہیں مگر ناممکن نہیں، کیونکہ تحریکِ طالبان کا بار بار سانحہ پشاور سے انکار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بھی مذاکراتی عمل پر آمادہ ہیں بلکہ معتبر ذرائع کے مطابق طالبان کے تیس قابلِ ذکر گروپس ہیں۔جس میں سے پچیس گروپ مذاکرات پر آمادہ ہیں جبکہ پانچ گروپ جنہیں بھارت، اسرائیل اور امریکہ سے مدد مل رہی ہے، نہ صرف یہ کہ مذاکرات پر آمادہ نہیں ،بلکہ وہ مذاکراتی عمل کو سبوتاژ کرنے کے درپے ہیں۔شنید ہے کہ تحریکِ طالبان پاکستان نے حکومت کے ساتھ مذاکراتی عمل کو آگے بڑھانے کے لئے دیگر عسکریت پسند تنظیموں کے ساتھ مل کر ایک مذاکراتی کمیٹی بھی تشکیل دی ہے۔اندریں حالات مذاکرات کی مخالفت کرنا اور جنگ کی بات کرنا گھاٹے کا سودا ہوگا۔خدانخواستہ اگر مذاکرات ناکام ہوتے ہیں، تو جنگ کا آپشن تو کہیں نہیں جاتا مگر فی الحال حکومت کو وقت ضائع کئے بغیر مذاکراتی عمل کا آغاز کرکے گومگو کی کیفیت ختم کردینی چاہئے تاکہ امن وامان کی بحالی شروع ہوجائے اور قوم موجودہ بے یقینی کی کیفیت نجات حاصل کرے۔۔۔۔۔

پھولوں کا شہر پشاور، پھر لہو لہو

ابھی کو ہاٹی چرچ اور چارسدہ روڈ پر بس میں ہونے والے دھماکوں کی نتیجہ میں جان بحق ہونے والوں کا خون خشک بھی نہیں ہوا تھا، زخمیوں کی پٹیاں ہسپتالوں میں اتری بھی نہیں تھیں کہ قصہ خوانی بازار میں تیسرا بڑا کار بم دھماکہ ہوا جس کے نتیجہ میں 45افراد جان بحق اور 115زخمی ہوئے متعدد دکانیں تباہ، مسجد شہید اور درجنوں گاڑیاں راکھ کا ڈھیر بن گئیں۔قصہ خوانی بازار بے گناہ اور معصوم لوگوں کے خون سے سرخ ہوگیا۔سیاسی لیڈرشپ ہمدردی جتانے موقع واردات اور ہسپتال پہنچی بھی تو اپنے سیاسی حریفوں کے خلاف زہر اگلوا کر سیاسی سکور حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ 9ستمبر کو اے پی سی میں شدت پسندوں سے مذاکرات کی نوید سنا کر حکومت عوام کو لالی پاپ سنانے لگی، مگر عوام پوچھتی ہے،مذاکرات کب ہونگے؟ جب پورا خیبر پختونخواہ قبرستان بن جائیگا، تب مذاکرات کئے جائینگے؟اے پی سی میں ہونے والے مذاکرات کے فیصلہ کو بیس دن سے زیادہ ہوچکے ہیں مگر اب تک ایک انچ کی پیش رفت بھی نہیں ہوئی۔حکومت کا کوئی ایجنڈا ہے نہ کوئی رابطہ۔حکومت کی طرف سے مکمل خاموشی، جبکہ ملک دشمن عناصر کی طرف سے پوری یکسوئی کے

ساتھ کاروائیاں جاری ہیں۔ ان کے عزم میں کوئی کمی ہے نہ کوئی لڑکھڑاہٹ، جب کہ حکومت کے تو پاوئں ہی نظر نہیں آتے، لڑکھڑاہٹ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مایوسی ہے، جھنجلاہٹ ہے، خیبر پختونخوا کا مسلسل خون بہہ رہا ہے مگر کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ صرف مذمتی بیان یا بیرونی سازش کی بیان بازی کرنے کے بعد اربابِ اقتدار و اختیار سکون کی نیند سو جاتے ہیں۔ عوام پوچھتی ہے، اگر ان دھماکوں میں بیرونی ہاتھ ملوث ہے تو آپ کی پولیس، آپ کی فوج، آپ کی انٹیلیجنس ادارے، یہ سب کیا کر رہے ہیں؟ کیا وہ ان کے مذموم حرکتوں کو طشت از بام نہیں کر سکتے؟ کیا وہ ان کے ہاتھ روک نہیں سکتے؟ کیا وہ عوام کو یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ یہ کون ہیں جو یہ دھماکے کرا رہا ہے، کون خیبر پختونخواہ میں خون کی ہولی کھیل رہا ہے، طالبان، بھارت یا امریکہ؟ طالبان تو ان دھماکوں سے بار بار لاتعلقی کا اظہار کر رہا ہے وزیر اعظم نواز شریف بھی فرماتے ہیں کہ ان دھماکوں کے پیچھے خفیہ ہاتھ ملوث ہو سکتا ہے اگر ایسا ہی ہے تو اور کون ہے بھارت؟ اگر یہ بھارت ہے تو جنرل اسمبلی میں وزیر اعظم نواز شریف نے اپنے خطاب میں اس کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ جبکہ من موہن سنگھ نے ڈنکے کی چوٹ پر کہا کہ پاکستان اس خطہ میں دہشت گردی کا کارخانہ ہے۔ انہوں نے تو سفارتی آداب کو بھی مد نظر نہیں رکھا جبکہ نواز شریف ان سے محبت کی پینگیں بڑھاتے رہے۔ اگر ان دھماکوں کے پیچھے امریکہ کا ہاتھ ہے تو ان سے کھل کر بات کیوں نہیں کی جاتی۔ روز روز مرنے

سے کیا ایک دن مرنا بہتر نہیں، روز روز مرنا، روز روز اپنوں کی لاشیں اٹھانے سے تو یہ بہتر ہے کہ ایک دن ہی مر جائیں۔

عمران خان کو صوبہ خیبر پختونخوا کے عوام نے اس لئے ووٹ دیئے تھے کہ وہ امن کی بات کرتے تھے جبکہ اے این پی صوبے میں امن قائم کرنے میں ناکام ہو چکی تھی۔

اب ان کا امتحان ہے اگرچہ ان کے ہاتھ میں مکمل اختیار نہیں مگر صوبہ خیبر پختونخوا میں امن کی ذمہ داری ان کے سر ہے اور عوام کی نظریں ان کی طرف ہی اٹھتی ہیں لہٰذ اان کو چاہئیے کہ وہ ایمرجنسی کی بنیاد پر صوبہ خیبر پختونخوا میں امن

لانے کی سر توڑ کوشش کرے۔ اگر ان کی نہیں چلتی، مرکزی حکومت ان سے تعاون نہیں کرتی یا امن دشمن عناصر اتنے طاقتور ہو چکے ہیں کہ ان کے سامنے وہ بے بس ہیں تو پھر کسی لگی لپٹی بغیر عوام کو سچ بتاتے ہوئے اقتدار کو چھوڑ دے، صوبائی اسمبلی توڑ نے کا اعلان کرتے ہوئے حکومت کسی اور کے حوالہ کر دے۔

نجانے کیوں، مجھے ایسا لگتا ہے کہ پاکستان میں روز روز قتل و غارت کا یہ گھناونا کھیل کوئی غیر ملکی طاقت کھیل رہا ہے، حکومت اس سے پوری طرح باخبر بھی ہے مگر ہماری لیڈر شپ اتنی بزدل ہے کہ وہ ان کا نام لیتے ہوئے

بھی ڈرتی ہے، کجا یہ کہ وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر کہے کہ بس، جو کر لیا، بہت کر لیا، اس کے بعد اس پاک سر زمین پر ہمارا اختیار ہو گا اور اگر کسی نے آیندہ یہاں بارود سے بھری گاڑی یا میزائیل سے لیس ڈرون بھیجنے کی حماقت کی تو پھر ہم ہونگے یا تم ہوگے ۔ہم ماریں گے یا مریں گے مگر ذلالت کی زندگی گزاریں گے نہ اپنے عوام کو مزید اس طرح مارنے کی اجازت دیں گے۔جب تک ہماری قیادت اپنے دل و دماغ میں چھپے خوف کو باہر نکال نہیں پھینکتی، تب تک قصہ خونی بازار میں ہونے ولے افسوسناک واقعہ کی طرح مزید واقعات کا ہونا خارج از امکان نہیں، لہٰذا حکومت کے ارباب و اختیار سے یہی گزارش ہے کہ خدارا! اس خفیہ ہاتھ کو تلاش کرو، جس کا ذکر تم روز کرتے ہو، مگر ہم پر رحم کرو اور ان ظالموں سے مذکرات کرو یا جنگ، ہمیں اس سے غرض نہیں مگر ہمیں آگ و خون کے اس سمندر سے نکال دو، ہمارے اعصاب شل ہو رہے ہیں اور ہمارے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا ہے۔-------

نواز شریف ! مہنگائی بڑھاؤ ہم تمھارے ساتھ ہیں

میرے نزدیک اچھی حکومت وہ ہوتی ہے جو عوام کے لئے آسانیاں پیدا کرے اور ان کے مشکلات میں کمی لائے جبکہ بدترین حکومت وہ ہوتی ہے جو عوام کے مشکلات میں کمی لانے کی بجائے اضافہ کرنے کا باعث بنے۔ہم (اہلِ قلم) جب اقتدار کے حامل سیاسی پارٹی پر تنقید کرتے ہیں تو اس پارٹی سے تعلق رکھنے والے حضرات ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں مگر ہم کیا کریں،جب برسرِ اقتدار سیاسی پارٹی اپنے تمام ماضی کے وعدوں کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے بجلی کی نرخوں میں یکدم 5.89 روپے فی یونٹ کا اضافہ کردے، تیل کے نرخ 5,57 روپے فی لیٹر بڑھائے تو ہم ان پر تنقید نہیں کریں گے تو کیا انہیں خراج تحسین پیش کریں گے؟ نواز شریف حکومت نے بجلی اور پٹرول کی قیمتوں میں یک لخت اتنا اضافہ کردیا ہے، جس کی نتیجہ میں تیس سے چالیس فی صد مہنگائی میں اضافہ ہوگا۔ بجلی کے نرخ میں جو اضافہ کیا گیا ہے اس نے سابقہ تمام ریکارڈ توڑ دیئے ہیں ۔ گذشتہ 65 سالوں میں بجلی کے نرخ میں ایک ہی دفعہ اتنا بڑا اضافہ نہیں دیکھا گیا۔ جو اس وقت نواز شریف حکومت نے کیا ہے۔اگرچہ نرخوں میں براہِ راست تیس اضافہ کیا گیا ہے لیکن اسی تناسب سے سرکاری ٹیکس بھی بڑھ جائیگا اور سبسڈی ختم ہونے سے بجلی کے بلوں میں چالیس فی صد تک اضافہ ہوگا جبکہ

متوسط طبقہ پر اس اضافے کا بوجھ سب سے زیادہ یعنی 140 فی صد تک ہو سکتا ہے۔ پٹرول اور ڈیزل کے نرخوں میں نواز شریف حکومت نے اپنے چار ماہ کے دورانِ حکومت میں چار بار اضافہ کیا ہے۔ عام طور پر حکومت کی طرف سے یہ استدلال پیش کیا جاتا تھا کہ عالمی منڈی میں تیل کی قیمتوں میں اضافے کی وجہ سے ایسا کرنا ناگزیر ہو گیا ہے مگر اس مرتبہ تو حکومت یہ جواز بھی اس لئے پیش نہیں کر سکتی کہ اس وقت عالمی منڈی میں تیل کی قیمتیں گر گئی ہیں۔

اس حکومت سے پہلے پیپلز پارٹی کی حکومت کو بدترین حکومت سمجھا جا رہا تھا کیونکہ اس دورِ حکومت میں مہنگائی عروج پر تھی۔ اسی وجہ سے ۱۲ مئی کے انتخابات میں عوام نے پیپلز پارٹی کی حکومت کو مسترد کرکے بدلہ لے لیا۔ نواز شریف انتخابی مہم کے دوران عوام سے بار بار یہ وعدہ دہراتے رہے کہ ہماری حکومت عوام کے مشکلات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مہنگائی کو کم کرے گی، کشکول توڑ دے گی، لوڈ شیڈنگ ختم کرے گی وغیرہ وغیرہ۔ مگر افسوس کہ معاملہ الٹا نکلا، ایسے لگتا ہے کہ نواز شریف نے پاکستان کے تمام مالی معاملات واختیارات آئی ایم ایف کے حوالے کر دیئے ہیں۔ عوام سے ہمدردی کی جھلک کہیں بھی نظر نہیں آتی، عوام کی زندگی کو مشکل سے مشکل بنایا جا رہا ہے۔ بظاہر جو صورتِ حال نظر آ رہی ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نواز شریف کی حکومت کا دور عوام کے لئے کڑے سے کڑا امتحان ہو گا۔ بجلی اور تیل کی قیمتوں میں با

ربار ہو شربا اضافہ غریب اور متوسط طبقہ کی زندگی اجیرن کر دے گا، مہنگائی کا وہ طوفان آئے گا کہ دنیا دیکھے گی مسلم لیگ (ن) کی حکومت سے وابستہ خواب کچے گھر وندوں کی طرح ٹوٹ پھوٹ جائینگے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ نواز شریف کی مالیاتی امور کی ٹیم بجائے بجلی اور تیل مہنگا کرنے کے کچھ ایسے راستے تلاش کرتے جس سے مالیاتی خسارہ بھی پورا ہو جاتا اور غریب آدمی کی دال روٹی بھی چلتی کیونکہ غریب عوام اس خواہش کے تحت تو مسلم لیگ ن کو برسرِ اقتدار لائی ہے۔ البتہ خیبر پختونخوا میں بہت سارے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ نواز شریف کو پنجابی سمجھ کر، صوبائی عصبیت کی بناء پر اہلِ پنجاب نے گزشتہ انتخابات میں ووٹ دیئے، پاکستان کے باقی تین صوبوں کے عوام نے انہیں ان کی سابقہ دورِ حکومت کی کارکردگی کو مدِ نظر رکھے ہوئے مسترد کر دیا، اب جو لوگ یہ نعرہ لگاتے ہوئے نہیں تھکتے تھے کہ " نواز شریف قدم بڑھاؤ، ہم تمھارے ساتھ ہیں " اب انہیں مہنگائی سے گھبرانا نہیں چاہئیے بلکہ اس نعرہ میں تھوڑی سی تبدیلی لا کر کہنا چاہیئے کہ " نواز شریف ! مہنگائی بڑھاؤ، ہم تمھارے ساتھ ہیں" لیکن کبھی کبھار نواز شریف کو حبیب جالب کے یہ اشعار بھی سنایا کریں۔ "تم سے پہلے وہ اک شخص جو یہاں تخت نشیں تھا۔۔اس کو بھی اپنے خدا ہونے کا اتنا ہی یقین تھا
کوئی ٹھہرا ہو جو لوگوں کے مدِ مقابل تو بتاؤ۔۔وہ کہاں ہے جنہیں ناز بہت اپنے تئیں تھا "

اب وہ پھرتے ہیں تنہا اسی شہر میں لئے دل کو۔اک زمانے میں مزاج اس کا عرشِ ''
''بریں تھا

البتہ ہم میاں صاحب کو اپنی یہ عاجزانہ مشورہ دے سکتے ہیں کہ ہمیں آپ کی نیت پر شک نہیں آپ نے جلا وطنی کاٹی ہے، مشکلات۔برداشت کی ہیں اب اللہ تعالٰی نے آپ کو پاکستان کا مسیحا بننے کا سنہری موقعہ عطا کیا ہے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایئے اور غریبوں کی خوابوں کو چکنا چور ہونے سے بچانے کی بھرپور کوشش کیجئے۔اتنی مہنگائی اور غریب دشمن اقدامات سے گریز کیجئے ورنہ یاد رکھیئے' اللہ کی لاٹھی بے
آواز ہے اور وہ جسے چاہے، عزت دے دیتا ہے، جسے چاہے، ذلیل کر دیتا ہے۔۔

زرداری یا نواز شریف ؟ باپ اچھا یا بیٹا۔۔؟

کہتے ہیں کسی گاؤں میں ایک شخص رہا کرتا تھا جس کا یہ کام تھا کہ گاؤں میں جب بھی کوئی شخص فوت ہوجاتا اور اس کی تدفین ہو جاتی تو وہ شخص رات کے اندھیرے میں قبرستان جا کر قبر کھود کر کفن چوری کرتا، وقت گزرتا رہا، آخر وہ شخص خود سخت بیمار پڑ گیا، بچنے کی امید نہ رہی،بیٹا اس کے سرہانے بیٹھ گیا، باپ نے حسرت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور کہا 'بیٹا ! میں نے زندگی بھر کوئی اچھا کام نہیں کیا، ساری عمر کفن چوری کرتا رہا۔ میرے مرنے کے بعد گاؤں کے لوگ مجھے نہایت.برے الفاظ میں یاد کیا کریں گے ، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف کرے گا نہ میرے عذاب میں کمی آئیگی۔بیٹے نے یہ بات سنی تو مسکرا کر باپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا' ابا جان ! فکر نہ کیجئے ، میں ایسا بندوبست کر لونگا کہ لوگ تجھے.برا نہیں کہیں گے ، یوں تیرے گناہ بھی بخش دیئے جائینگے'' یہ سن کر باپ راہی عدم ہوگیا۔اس کے مرنے کے بعد بیٹے نے باپ کے کام کو جاری رکھا البتہ اس میں ایک اضافہ یہ کیا کہ مردے سے کفن نکالنے کے بعد لاش کی بے حرمتی بھی ضرور کرتا، گاؤں کے لوگوں نے بیٹے کی یہ ستم ظریفی دیکھی تو کہنے لگے '' اللہ بخشے ،اس کے باپ کو،.بڑا اچھا آدمی تھا، کفن نکالتا مگر لاش کی بے حرمتی تو

نہیں کیا کرتا تھا۔اب بیٹا تو کفن نکال کر لاش کی بے حرمتی بھی کرتا ہے۔ گویا گاؤں کے لوگوں کی نظروں میں اب کفن چور باپ بیٹے کے مقابلہ میں اچھا نظر آنے لگا۔

یہ تمثیل میں لکھنے پر اس لئے مجبور ہوا کہ قارئین کو زرداری اور نواز شریف کے طرزِ حکومت کا موازنہ کرنے میں آسانی ہو۔زرداری حکومت کو گزرے زیادہ عرصہ نہیں گزرا، اسلئے سب کو یاد ہوگا کہ کرپشن کا دور دورہ تھا، وزراء پر بد عنوانی کے مقدمات چل رہے تھے۔ بجلی کے لوڈشیڈنگ نے لوگوں کا جینا حرام کر رکھا تھا، بے روزگاری، لاقانونیت، مہنگائی، دہشت گردی، اغواء برائے تاوان، بھتہ خوری غرض ایسی کوئی برائی نہ تھی جو اس وقت موجود نہ تھی۔لوگ اس انتظار میں تھے کہ کب انتخابات ہونگے تاکہ اس حکومت سے جان چھوٹے اور نئی حکومت آکر عوام تھوڑا بہت سکھ کا سانس لے سکے۔ انتخابات کا ڈھول ڈالا گیا تو قومی سطح پر دو بڑے لیڈر عوام کے سامنے آ گئے۔ نواز شریف اور عمران خان۔ نواز شریف کا بڑے بڑے جلسوں میں انگلی اٹھا کر اقتصادی بد حالی، رشوت، لوڈ شیڈنگ، طرزِ حکمرانی اور بے روزگاری پر پیپلز پارٹی کی قیادت پر شدید تنقید کیا کرتے تھے اور ٹھونک بجا کر کہا کرتے تھے کہ اگر ہماری حکومت آ گئی تو لوڈ شیڈنگ ختم کر دینگے، کشکول توڑ دینگے، بین الاقوامی قرضے لینا بند کر دینگے وماہذا القیاس۔لوگوں نے سمجھا کہ میاں نواز شریف ملک بدری

کی سزا گزار کر شاید بدل گئے ہیں، پھر یہ کہ دو دفعہ وزیر اعظم رہنے کی وجہ سے تجربے کی دولت سے بھی مالا مال ہیں، پنجاب کے لوگوں کو اس میں یہ بھی خوبی نظر آئی کہ خیر سے وہ پنجابی بھی ہیں جبکہ عمران خان جو بھی ہیں مگر خان ہی ہیں۔ لٰہذا لوگوں نے نواز شریف کو ووٹ دے کر تخت پر بیٹھا دیا۔ زرداری رخصت ہوئے اور وہی کام ادب واحترام کی وجہ سے میں اسے کفن چوری نہیں کہونگا) نواز شریف کے حوالہ کر) گئے۔ اب نواز شریف کی حکومت کو قائم ہوئے 100 دنوں سے زیادہ گزر چکے ہیں ان 100 دنوں میں جو کام اب تک نواز شریف حکومت کر چکی ہے اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ پاکستان کے مردہ عوام سے اب صرف کفن ہی نہیں نکالا جا رہا ہے بلکہ لاش کی بے حرمتی بھی کی جا رہی ہے۔ وعدوں کا نبھانا تو ایک طرف، نئے نئے طریقہ واردات عوام پر آزمائے جا رہے ہیں۔ اب عوام کا گوشت صرف شیر ہی نہیں کھا رہا ہے بلکہ اسے عالمی بھیڑیئے یعنی آئی ایم ایف کے آگے ڈال دیا گیا ہے۔ ان کی فرمائش پر پٹرول مہنگا، بجلی مہنگی، سبزی مہنگی، آٹا مہنگا، اشیائے ضرورت کی تمام چیزیں آئی ایم ایف کے حکم کے مطابق مہنگی کر دی گئی ہیں۔ اس ماہ کے اختتام تک پاکستان میں ہر چیز، سوئی سے لے کر جہاز تک، پچاس فی صد مہنگی ہو جائیگی۔ جنرل سیلز ٹیکس /ویلیو ایڈڈ ٹیکس میں اتنا اضافہ کیا گیا ہے کہ غریب لوگوں کا جینا محال ہو گیا ہے۔ واضح رہے کہ صرف چار ماہ میں نواز شریف حکومت نے چار مرتبہ بجلی اور پٹرول کے نرخوں میں اضافہ کیا ہے، ابھی تو اس کے

چار سال آٹھ ماہ اور باقی ہیں۔آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا، ابھی تو عشق کے امتحاں اور بھی ہیں۔

ایک بات تو واضح ہے کہ زرداری حکومت نے کرپشن، مہنگائی اور لوڈ شیڈنگ کرکے پرویز مشرف کے گناہ بخشوا دیئے، لوگ پرویز مشرف کو بھلا کر زرداری حکومت کو دہائیاں دینے لگے تھے، اب نواز شریف حکومت ،زرداری کی گناہیں بخشوانے لگی ہوئی ہے۔اب وہ وقت دور نہیں کہ لوگ کہیں گے کہ زرداری کی حکومت اچھی تھی۔زرداری بھینس کا دودھ دھو کر خود بھی پیتا، اتحادیوں کو بھی پلاتا اور بھینس کا گوبر ایک طرف پھینک دیتا مگر نواز شریف دودھ ، لسی کو خود پی لیتا ہے اور گوبر عوام کے سروں پر پھینک دیتا ہے۔اندریں حالات قارئین ہی فیصلہ کرلیں کہ زرداری یا نواز شریف؟ باپ اچھا تھا یا بیٹا اچھا ہے۔۔؟اور اپنے خیالات کا اظہار اپنا تبصرہ لکھ کر کیجئے۔

پلِ صراط پر کھڑے لوگ

سیاسی موضوعات اور ملک کے سلگتے مسائل پر لکھ لکھ کر آج قلم کے منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے زندگی کی ایک ایسی حقیقت کے بارے لکھنا چاہتا ہوں جو تجربات کی سنگلاخ وادیوں سے گزرنے کے بعد سمجھ میں آئی ہے۔کتابوں میں ہم جو ضرب الامثال، محاورات اور تمثیل وغیرہ پڑھتے ہیں ان کے پسِ پردہ کوئی نہ کوئی فلسفہ یا سوچ ضرور موجود ہوتی ہے مگر کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ان اصل مفہوم اور ان میں پوشیدہ گہرے فلسفہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوں۔میں بھی انہی لوگوں میں سے ہوں ۔بچپن میں ایک تمثیل سنی تھی، اب ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد اس تمثیل کی گہرائی اور مطلب سمجھنے کے اہل ہوا ہوں جب اس کی عملی مثال دیکھی مگر آیئے ! پہلے تمثیل کو پڑھ لیجئے۔

یہ بات تو آپ نے سنی ہو گی کہ جنت میں داخل ہونے کے لئے پہلے پلِ صراط میں سے گزرنا پڑتا ہے۔کہتے ہیں ، اسی بات کی تشریح کرنے کے لئے ایک گاؤں میں مولوی صاحب بڑے پر جوش انداز میں پلِ صراط کی تفصیل بتاتے ہوئے کہ رہے تھے کہ پلِ صراط سر کے بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہوگا۔ایک دفعہ پلِ صراط کی تصویر کشی کے بعد جب مولوی صاحب نے اپنی

تقریر میں زیادہ اثر پیدا کرنے کے لئے دوبارہ پلِ صراط کی کا نقشہ جذباتی انداز میں کھینچا تو ایک سیدھا سادہ کسان اٹھ کر مولوی صاحب سے مخاطب ہوا۔ " مولوی صاحب ! سیدھی اور صاف بات کیوں نہیں کہتے کہ پلِ صراط سرے سے موجود ہی نہیں " یہ بات میں نے بچپن میں سنی تھی مگر اب جبکہ زندگی کے 64 بہاریں اور خزاں دیکھ چکا تو اس کی سمجھ آئی ہے کہ اس تمثیل کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزارنا ہی دراصل پلِ صراط پر سے گزرنے کے مترادف ہے، فی زمانہ بدی کی کشش انسان کو قدم قدم پر اپنی طرف کھینچتی ہے خوفِ خدا کے سبب ہر بدی سے بچنا بالکل یوں ہی ہے جیسے انسان سمندر میں رہے اور اس کا دامن بھی نہ بھیگے۔

آج جبکہ عموما یہ سمجھا جاتا ہے کہ وطنِ عزیز میں انسانی اقدار پست سطح کو چھو رہے ہیں ، ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو پلِ سراط پر کھڑے ہیں، ان کی ایک طرف جدید دور کی آسائشیں ہیں، جھوٹا وقار اور معاشرتی رتبہ ہے، دولت اور آرام دہ زندگی ہے مگر دوسرے طرف فقط صبر اور دنیا کے آلائشوں سے دامن بچا کر اللہ تعالی کی خوشنودی اور اس کی مخلوق کی بہتری موجود ہے۔ ایسے ہی ایک شخص کو میں نے بڑے قریب سے دیکھا ہے، زیادہ تفصیل بیان نہیں کرونگا، ورنہ قارئین اسے خوشامد کے زمرے میں شمار کر لیں گے صرف اتنا کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا سب کچھ اس کے پاس ہے، صرف نام ہی گوہر زمان نہیں بلکہ

گو ہرِ زمانہ ہے، علم کی روشنی پھیلانا اس کا پیشہ ہے۔ان کا تعلیمی ادارہ گورنر کے پی کے سے صوبہ خیبر پختونخواہ میں بہترین تعلیمی ادارے کا ایوارڈ حاصل کر چکا ہے ان کے خاکساری کا یہ عالم ہے کہ موبائل فون پاس نہیں، ذاتی گاڑی نہیں، ایئر کنڈیشنر کبھی استعمال نہیں کیا، ان کا کہنا ہے کہ انسان مر جاتا ہے مگر اس کے کام باقی رہ جاتے ہیں ۔اس کے قریب کچھ عرصہ گزار کر میں نے پلِ صراط پر سے گزرنے کا مفہوم سمجھا ہے، یقیناً متوازن زندگی بسر کرنا نہایت کٹھن اور مشکل کام ہے۔اگر آپ بااختیار رہیں اور اپنے اختیارات کا غلط استعمال نہیں کرتے، اگر آپ دولت مند ہیں اور دولت کو نیکی پھیلانے کے لئے استعمال کرتے ہیں اور مواقع میسر ہونے کے باوجود غلط راستوں اور شیطانی لذّتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں۔اگر آپ تنگ دست ہیں لیکن مواقع میسر ہونے کے باوجود غلط ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی قبول نہیں کرتے تو یقیناً آپ پلِ صراط پر سے گزر رہے ہیں اور جس نے توازن برقرار رکھا وہ پلِ صراط پر سے گزر گیا، وہ جنت میں داخل ہو گیا۔۔۔

وطنِ عزیز میں اب بھی بے شمار ایسے لوگ ہونگے جو پلِ صراط پر کھڑے ہو کر زندگی گزار رہے ہونگے اِسی لئے تو ہزار خطروں کے باوجود پاکستان قائم و دائم ہے۔میں داد دیتا ہوں ایسی تمام شخصیات کو جنہوں نے اپنی نفسانی اور مادی خواہشات کو قربان کرتے ہوئے نیکی کا راستہ اختیار کیا ہوا ہے، گویا

بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز پلِ صراط پر سے گزر رہے ہیں۔ ہم سب کو چاہیئے کہ زندگی کو پلِ صراط سمجھیں اور ہر شعبہ زندگی میں توازن برقرار رکھیں کیونکہ پلِ صراط کو کامیابی سے عبور کرنا ہی انسانی زندگی کا معراج ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔

عیدِ قرباں ، ہو جا قرباں

جب آپ یہ کالم پڑھ رہے ہونگے ، تب تک آپ نے نہ صرف یہ کہ بیل، بکری یا بھیڑ کی قربانی دی ہوئی ہو گی بلکہ اپنی قربانی بھی دے چکے ہونگے۔ جزا اور ثواب کا اختیار یقیناً اللہ کے ہاتھ میں ہے، لیکن میرا دل کہتا ہے کہ اس بار آپ کو ایک قربانی کا نہیں ، بلکہ کئی قربانیوں کا ثواب ملے گا کیونکہ اس مرتبہ آپ چاہیں یا نہ چاہیں ، آپ کو متعدد قربانیاں دینی پڑ رہی ہیں۔ ان قربانیوں کا اہتمام حکومتِ وقت نے خاص طور پر آپ کے لئے کیا ہے۔ مثلاً بجلی کی قیمت میں پانچ روپے فی یونٹ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ گویا چھری کافی تیز کر دی گئی ہے اور اگلے مہینے جب آپ اپنا بجلی کا بِل دیکھیں گے تو خود بخود قربانی کا بکرا بن جائینگے۔ ہو سکتا ہے آپ بجلی کا بل نہ دیتے ہوں اور یہ جملہ پڑھ کر یہ سوچ کر مسکرا رہے ہوں کہ میں نے کونسا بجلی کا بل دینا ہے کہ قربانی دونگا، لیکن نہیں یہ تو آپ کی غلط فہمی ہے، بجلی مہنگی ہو گئی تو آپ کے لئے گندم، آٹا، گھی دالیں ، مرچ، مسالحہ سب کچھ مہنگا ہو گا کیونکہ آٹے کی مشین بجلی پر چلتی ہے گھی کا کارخانہ بھی بجلی پر رواں دواں ہوتا ہے۔ جب بجلی مہنگی تو ہر چیز مہنگی، اور جب ہر چیز مہنگی تو آپ کو اپنی سب سے زیادہ پیاری اور محبوب چیز یعنی نوٹوں کی

قربانی اپنے حساب سے زیادہ دینی پڑے گی۔ جو آپ کے لئے باعثِ ثواب ہوگا، یا باعثِ عذاب ہوگا، یہ تو آپ کی نیت پر منحصر ہے اور نیتوں کا حال تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ہاں اتنا ضرور ہے کہ اگر آپ نے ووٹ مسلم لیگ (ن) کو دیا تھا تو آپ اپنے آپ کو بجا طور پر ان قربانیوں میں حصہ دار تصور کر سکتے ہیں۔اگر بجلی مہنگی ہونے کی وجہ سے اپ قربانی دینے سے رہ بھی گئے تو فکر کی کوئی بات نہیں، حکومت نے پٹرول اور ڈیزل کی قیمتوں میں اضافہ کرکے آپ کو قرباں کرنے کا خصوصی اہتمام بھی کر رکھا ہے۔جس ٹرک میں آپ کے لئے گندم ،آٹا، چینی، اینٹیں یا دیگر کوئی بھی سامان آئے گا، وہ کرایہ تو زیادہ ضرور لے گا، تو پھر کوئی بھی چیز آپ کو پرانی قیمت پر تو نہیں دی جا سکتی، لہٰذا نئی قیمت ، زیادہ قیمت کی قربانی دینی پڑے گی۔

موسمِ سرما کی آمد آمد ہے ،ملک کے بہت سارے علاقوں میں گیس پریشر پہلے سے کم کر دیا گیا ہے ، جہاں کم نہیں ہوا ، وہاں انتظار کریں، گیس کہاں سے نکلتی ہے یا گیس کس کی نکلتی ہے ، یہ بعد کی بات ہے مگر قربانی دینی پڑے گی ، بھلا کس بات کی قربانی؟ اس پر خود ہی ذرہ سوچئے ! کبھی عید خوشیوں اور راحتوں کا پیغام ہوا کرتی تھی لیکن اب صورتِ حال بدل چکی ہے، شاندار حکومتی اقدامات کی وجہ سے اب ہر دن عیدِ قرباں بن گیا ہے اور ہر شب ،آہِ قرباں بن گیا ہے۔رہی آپ کی کھالیں ،اگر واپڈا، نیپرا، گاڑی اور ٹریکٹر وغیرہ کو آپ

نے اپنی کھالیں نہیں دی ہیں، تو فکر کی کوئی بات نہیں، سبزی منڈی یا ستا بازار میں تشریف لے جایئے، وہاں سبزی فروش قصاب آپ کی کھال اتار دیںگے۔ یوں آپ کی قربانی میں کوئی کسر باقی نہیں رہے گی۔ ویسے سچی بات یہ ہے، کہ آپ نے جس بکری، بھیڑ، بیل یا گائے کی قربانی دی ہے، اس میں اور آپ میں کوئی فرق باقی نہیں رہا ہے، دیکھیں، اس پر آپ نے چھری چلائی، کیا ذبح ہونے والے جانور نے کوئی احتجاج کیا؟ نہیں کیا، حکومت نے آپ کے گردن پر چھری چلائی، آپ نے کوئی احتجاج کیا؟ نہیں کیا، پھر آپ نے قربان ہونے والے جانور کی کھال اتاری، اس نے اُف کیا، نہیں کیا۔ حکومت نے آپ کی کھال اتاری، آپ نے اف کیا؟ نہیں کیا تو پھر خود ہی انصاف کیجئے کہ قربانی کے جانور کی قربانی اور آپ کی جان کی قربانی میں کوئی فرق باقی رہا؟ اگر فرق باقی نہیں رہا اور ہم بھی قربان ہونے والے جانور کی طرح احتجاج کر سکتے ہیں نہ فریاد، تو پھر یہ پھٹکار جو ہم پر برس رہی ہے اسے برداشت کرنا ہی پڑے گا اور حکومت کی طرف سے نازل کردہ ذلت کو قبول کرنا پڑے گا۔ کبھی آپ کا شکار تیر سے کیا جائیگا تو کبھی شیر آپ پر حملہ آور ہو کر آپ کی تکا بوٹی کریگا۔ قصہ مختصر، میں یہی کہونگا کہ عیدِ قرباں، ہو جا قرباں۔۔ عید مبارک۔

پختونوں کی خون کی قیمت

پاکستان کے تیسری مرتبہ بننے والے وزیر اعظم جناب میاں محمد نواز شریف آج کل امریکہ کے دورے پر ہیں بعض لوگوں نے ان کے اس دورے سے بہت ساری توقعات وابستہ کر رکھی ہیں۔ خصوصاً ڈرون حملوں سے متعلق اندازے لگائے جارہے ہیں کہ کیا نواز شریف امریکہ سے ڈرون حملے بند کروانے میں کامیاب ہو جائینگے یا نہیں؟ خود نواز شریف نے بھی اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ وہ امریکہ کے صدر اوباما کے سامنے ڈرون حملوں کا معاملہ اٹھائینگے۔ کیا واقعی میاں نواز شریف ڈرون حملے رکوانے میں کامیاب ہو جائینگے ؟ یہی وہ سوال ہے ، جس کا ہم سب کو انتظار ہے اور اس کا جواب جاننے کے لئے پاکستانی عوام بے چین ہے۔ مگر یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاکستانی قیادت میں اتنی ہمت و جراء ت موجود ہے، جو امریکی صدر اوباما کے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنا موقف موثر انداز میں پیش کر سکے ؟ کیا پاکستانی قیادت کے دل و دماغ میں بھوک کی وہ شدت باقی نہیں رہی جو دو جمع دو کا جواب چار روٹیاں دیتی ہیں ؟ اور سب سے بڑی بات یہ کہ کیا ڈرون حملے رکوانا ہماری قیادت کی ترجیحات میں شامل بھی ہے یا ایسی باتیں صرف عوام کی نظروں میں اپنا قد بڑھانے کے لئے کی جارہی ہیں، جبکہ اصل مقصد امریکہ سے ڈالروں کا وصول ہے، خواہ اس

کے بدلے پختونوں کے مزید خون کی قیمت کیوں نہ چکانی پڑی۔

ان سوالات کا جواب ڈھونڈنے کے لئے جب ہم اپنے ذہن پر زور ڈالتے ہیں تو ہماری توقعات خدشات میں بدل جاتی ہیں۔اس لئے کہ ماضی اس بات کی گواہ ہے کہ ہماری قومی قیادت ہمیشہ امریکہ سے مرعوب رہی ہے اور ان کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو چکی ہے کہ ہماری کرسی اقتدار کا دار و مدار امریکہ کی خوشنودی پر منحصر ہے، وہ چاہے تو ہمارا اقتدار و وقار قائم رہے گا، اس کی مرضی نہ ہو تو ہمارے ٹانگوں سے اقتدار کی کرسی کھینچ دی جائیگی۔اس خوف کی وجہ سے وہ امریکہ قیادت کے سامنے ڈٹ کر بے خوف ہو کر جرات و بے باکی کے ساتھ بات نہیں کر سکتے،اور گومگو کی صورتِ حال سے دو چار ہوتے ہیں جس کی وجہ سے پاکستان امریکہ کے ساتھ ہر سودا میں خسارے میں رہتا ہے۔علاوہ ازیں ہماری قیادت کی نظر مسائل پر کم اور ڈالروں پر زیادہ ہوتی ہے ،وہ جو کہتے ہیں کہ کسی بھوکے سے پوچھو کہ دو اور دو کتنے ہوتے ہیں ؟تو وہ جواب میں کہتا ہے ، چار روٹیاں۔یہی حال ہمارے حکمران لیڈروں کا ہے کہ وہ امریکی قیادت کے سامنے ہمیشہ اپنی بھوک کا اظہار کرتے ہیں۔مدد یا امریکہ مدد، پکارتے ہیں پھر امریکہ ان کے جھولی میں کچھ نہ کچھ ڈال ہی دیتا ہے، اور اگلے دن ڈرون حملہ کر دیتا ہے، مگر خون ہمیشہ پختونوں کا ہی بہتا ہے، ڈرون حملہ ہو یا خود کش حملہ ، خون پختونوں کا ہی بہے گا، مرنے والے عوام میں سے ہوں یا پولیس

کے جوان، تعلق ان کا لازما پختونوں سے ہی ہو گا۔ گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ امریکہ پاکستان کو جو مدد ڈالروں کی صورت میں دیتا ہے ،وہ پختونوں کی خون کی قیمت ادا کر رہاہوتا ہے اور غالب گمان یہ ہے کہ اس مرتبہ بھی وزیر اعظم نواز شریف کے دورہ، امریکہ میں بہت سارے مفاہمتوں کے یاد داشتوں پر دستخط ہو نگے، دہشت گردی کے خلاف مل کر لڑنے کا عزم دہرایا جائیگا۔ قرضوں اور دیگر معاشی مدد کو اس طرح پیش کیا جائیگا جیسے امریکہ نے پاکستان کو بڑے معاشی مدد کا اعلان کیا ہو، اور نواز شریف کا دورہ نہایت کامیاب رہا ہو، عوام کو یہی تاثر دیا جائیگا مگر در حقیقت پختونوں کے خون کے بدلے امریکہ سے کچھ مراعات حاصل کی جائینگی اور امریکہ اس کے بدلے اس امر کی یقین دہانی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا کہ 2014 میں وہ افغانستان سے بحفاظت نکل جائے ، اور اپنی جو فوج افغانستان میں چھوڑ دے اسے بھی تحفظ حاصل ہو اور افغانستان میں 2001 سے پہلے والے حالات پیدا نہ ہوں۔

قارئین ! جب آپ یہ کالم پڑھ رہے ہو نگے تو نواز شریف اور اوباما کی ملاقات ہو چکی ہو گی اور میڈیا کے ذریعے بہت ساری باتیں آپ تک پہنچ چکی ہو نگی، دیکھئیے، کیا ہوتا ہے۔ڈرون حملے بند ہوتے ہیں یا پختونوں کی خون کی قیمت لگائی جاتی ہے اور ڈرون حملوں ، خود کش دھماکوں اور سڑک پر نصب دھماکوں کے ذریعے پختونوں کے خون کا بہاؤ حسبِ معمول جاری و ساری رہتا ہے۔۔۔۔۔۔

حکومت ڈرون نہیں، تو مہنگائی ہی روک دے

یہ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی کہ حکومت نے کبھی نیک نیتی سے ڈرون حملوں کو رکوانے کی کوشش کی نہ ڈرون حملے رکوانا ان کی بس کی بات ہے، جس طرح ایک مزارع اپنے وڈیرے کو آنکھیں نہیں دیکھا سکتا، جس طرح زرِ خرید غلام اپنے مالک کی نافرمانی نہیں کر سکتا، بالکل اسی طرح ہمارے حکمران امریکی حکام کو آنکھیں دِکھا سکتے ہیں نہ حکم عدولی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ڈرون حملے رکوانے کے لئے جرأت، ایمان کی طاقت اور اللہ پر بھروسہ ہونا چاہئیے جو بدقسمتی سے ہمارے حکمرانوں میں نہیں ہے ورنہ ڈرون حملے کرنے والے خود ہی کہتے ہیں کہ پاکستان چاہے تو ڈرون حملے کل ہی بند ہو سکتے ہیں، امریکی کانگرس میں ایوانِ نمائیندگان کی خارجہ امور کمیٹی کے ایک رکن ایلن گریسن کا بیان آج کے اخبارات میں چھپا ہے وہ کہتے ہیں کہ پاکستان چاہے تو ڈرون حملے بند ہو سکتے ہیں اگر وہ امریکی ڈرونز کو سہولت دینا بند کر دے۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ پاکستانی ائر فورس کافی طاقتور ہے، اس کے پاس قوت ہے، اپنی فضائی سرحد پر وہ جب چاہیں، پابندی لگا سکتے ہیں پاکستان کی منظوری کے بغیر اس طرح کی کاروائی ممکن ہی نہیں۔ ایلن گریسن نے کہا کہ پاکستان سے ہزاروں میل دور واشنگٹن میں یہ فیصلہ کیوں ہوتا ہے کہ کون زندہ رہے گا اور کون نہیں۔ ان کا

کہنا تھا یہ فیصلہ خدا کا ہونا چاہئیے مگر یہاں یہ فیصلہ ڈرونز کر رہے ہیں۔ گویا جو حملہ آور ہیں ان کے دل و دماغ میں کبھی کبھار سچ بولنے کی طاقت و جرات پیدا ہو جاتی ہے مگر جو ڈرون حملوں کا شکار ہیں ان کو سچ بولنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ بحر حال ڈرون حملے پاکستانی حکمرانوں کی مرضی سے ہو رہے ہوں یا ان کے مرضی کے بغیر ہو رہے ہوں، مگر جو بات واضح ہے وہ یہ ہے کہ حکومت ڈرون حملے روک نہیں سکتے اور جب تک امریکہ چاہے گا، ڈرون حملے ہوتے رہیں گے۔

مگر ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ اگر ایک طرف ڈرون حملے ہو رہے ہیں تو دوسری طرف عوام مہنگائی ڈرون حملوں کا شکار ہیں۔ ڈرون حملے اگر ہفتوں، مہینوں میں ہوتے ہیں تو مہنگائی کے حملے گھنٹوں کے حساب سے ہو رہے ہیں اگر شام کو ٹماٹر ساٹھ روپے کلو بِک رہے ہیں تو اگلے دن صبح 70 روپے کلو فروخت ہوتے ہیں۔ حکومت کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے مہنگائی نے غریب عوام کا جینا دوبھر کر رکھا ہے۔ حکومت ایک ہفتے پٹرول کی قیمت میں اضافی کرتی ہے تو دوسرے ہفتے بجلی کی نرخوں میں بے پناہ اضافے کا اعلان کرتی ہے، ابھی اس اضافے کے اعلان کی سیاہی خشک نہیں ہوئی ہوتی کی سیلز ٹیکس میں اضافے کا اعلان کیا جاتا ہے۔ ایک ساتھ مہنگائی کے ان ڈرون حملوں نے عوام کی قوتِ برداشت چھین لی ہے۔ عوام جائیں تو جائیں کہاں؟ انتخابات سے قبل مسلم لیگ ن نے

عوام کو لوڈ شیڈنگ، مہنگائی اور بے روزگاری کے خاتمے کے سنہرے خواب دکھائے تھے مگر حکومت بنانے کے بعد اب مسلسل عوام کو کڑوی گولیاں کھلائی جا رہی ہیں۔

موجودہ حکومت نے جن شرائط پر آئی ایم ایف سے قرضہ لیا ہوا ہے وہ یقیناً پاکستانی عوام کے لئے زہرِ قاتل سے کم نہیں، روپے کی قدر و قیمت روز بروز گھٹتی جا رہی ہے جس کی وجہ سے مہنگائی کا جن منہ کھولے غریب عوام کا خون چوس رہا ہے۔ عوام دو وقت کی روٹی کے لئے ترس رہی ہے اور حکمرانوں کو اپنے اللوں تللوں اور عیش و عشرت سے فرصت نہیں، حکمرانوں کی ترجیحات عوام کے مسائل نہیں ہیں۔ وزیر اعظم صاحب کو بیرونی ممالک کے دوروں سے فرصت ہی نہیں مل رہی ہے، حالانکہ ان کے دوروں سے پاکستان کو کسی طور فائدہ ملنے کی توقع نہیں، نواز شریف ٹیبل ٹاک میں کمزور ترین شخص ہیں، وہ کسی کو قائل کرنے کی قوت سے یکسر محروم ہیں، جس کا ایک واضح ثبوت ان کا حالیہ امریکہ کا دورہ ہے جہاں اپنا مقدمہ موثر انداز میں پیش کرنے کی بجائے اوباما سے ملاقات کے بعد اپنے ہی ملک کو برا بھلا کہنے لگے۔ ہماری گزارش اتنی ہے کہ حکومت ڈرون روکے یا نہ روکے، وہ ڈرون حملے روک سکتی ہے یا نہیں، مگر وہ اتنی مہربانی کر لے کہ مہنگائی کو لگام دے دے، مہنگائی روک لے کیونکہ عوام تو اس مہنگائی کے ہاتھوں جیتے جی مر چلی ہے۔۔۔

ڈرون حملوں پر احتجاج اور مذمت کا کیا فائدہ ؟

حالیہ ڈرون حملے کے بعد پاکستانی حکومت نے امریکہ سے شدید احتجاج کیا ہے اور امریکہ سے تعلقات پر نظر ثانی کا اعلان بھی کیا ہے۔امریکہ کے سفیر کو وزارتِ خارجہ طلب کر کے ایک احتجاجی مراسلہ ان کے حوالہ کیا گیا، مگر ایسا پہلی مرتبہ نہیں ہوا بلکہ یہ بے فائدہ مشق پہلے بھی کئی مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ پاکستانی عوام اپنے حکمرانوں کی بزدلی بلکہ بے غیرتی پر انگشت بداندداں ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ تاریخ عالم میں ہمیں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی ملک نے کسی دوسرے ملک کو اس بات کی اجازت دی ہو کہ وہ ان کی فضائی سرحدوں کو روندتے ہوئے ان کے عوام پر بم برسائے، میزائل برسائے، پاکستان کے حکمران ہی دنیا میں وہ واحد حکمران ہیں جنھوں نے امریکہ کو اپنی سرزمین (فاٹا) پر ڈرون حملوں کی نہ صرف اجازت دی بلکہ ان کو اڈے اور دیگر سہولیات بھی مہیا کیں اور امریکی مفادات کے لئے اپنے عوام سے مسلسل جھوٹ بھی بولتے رہے۔اگر کہیں نیم دلی سے احتجاج بھی کیا تو امریکہ نے انہیں چھوٹے بچوں کی طرح ہاتھ میں ڈالر دے کر نہال کر دیا، کیونکہ امریکہ ہمارے حکمرانوں کے نفسیات سے خوب واقف ہے وہ جانتا ہے کہ پاکستانی حکمران ملکی مفاد سے زیادہ ڈالروں سے پیار کرتے ہیں ماضی میں

پاکستانی پارلیمنٹ نے متفقہ قرارداد پاس کی اور سب کی متفقہ رائے اور مطالبہ تھا کہ ڈرون حملے بند کئے جائیں، موجودہ حکومت نے آل پارٹی کانفرنس بلائی، متفقہ فیصلہ ہوا کہ ڈرون حملے بند کئے جائیں تاکہ طالبان سے مذاکرات کئے جائیں، حکیم اللہ محسود پر ڈرون حملے سے دو دن پہلے امریکہ کی سفیر کو استدعا کی گئی کہ ڈرون حملے بند کئے جائیں تاکہ طالبان سے مذاکرات کرکے امن بحال کیا جائے مگر ان تمام کوششوں اور منتوں کے باوجود امریکہ نے ڈرون حملہ کرکے امن کی کوششوں کو میزائیل سے اڑا دیا۔اس کے باوجود حسبِ روایت احتجاج اور مذمت جیسے عاجزانہ،بزدلانہ اور غیر مردانہ بیانات دیئے جارہے ہیں۔

ایسا مردِ قلندر کوئی نہیں جو پاکستانی عوام کی دلوں کی ترجمانی کرتے ہوئے اعلان کردے کہ آج کے بعد اگر امریکہ یا کسی بھی ملک نے ہماری فضائی حدود کی خلاف ورزی کی تو خلاف ورزی کرنے والے ڈرون/جہاز کو گرا دیا جائیگا۔پاکستان ایئر فورس کے شاہینوں کو حکم دیا جائے کہ ہماری فضائی سرحدوں کی کڑی نگرانی کی جائے اور جو کوئی فضائی سرحد کو کراس کرتا ہے اس پر جھپٹ کر ادھر ہی ڈھیر کر دیا جائے۔یقین کیجئے کہ امریکہ کو یہ جرات نہیں ہوگی کہ وہ ہمارے سرحدوں کے قریب بھی پھٹکے۔امریکہ ایک بزدل قوم ہے، اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایران نے جب ان کو آنکھیں دکھائیں تو آنکھیں موندھ کر پیچھے ہٹ گئے۔

شام پر حملے کا ارادہ کیا، تو پیوٹن نے کہا، خبر دار ! یہ سنتے ہی امریکہ کو سانپ سونگھ گیا۔اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امریکہ بزدلوں کے سامنے بہادر ہے مگو بہادروں کے سامنے بہت بزدل ہے۔

مسلمان قوم تو وہ قوم ہے جس کا بچہ پیدا ہوتے ہی اس کی کان میں اذان دی جاتی ہے اور اسے بتایا جاتا ہے کہ اللہ سب سے بڑا ہے اللہ کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں، مگر پتہ نہیں کہ ان کروڑ پتی اور ارب پتی (جو پچھلے پینسٹھ سالوں سے ہمارے حکمران چلے آرہے ہیں)کے بچوں کے کان میں پیدائش کے وقت اذان نہیں دی جاتی یا ان پر اس کا اثر نہیں ہوتا، جو امریکہ کو (نعوذباللہ) سب سے بڑا سمجھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر امریکہ ہماری معاشی مدد نہیں کرے گا تو ہم بھوکے مر جائینگے ، اگر وہ ہمیں ڈالرز نہیں دینگے تو ہماری معیشت کا پہیہ رک جائیگا، اگر ہم اپنی فضائی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے ان کے ڈرون کو مار گرائینگے تو امریکہ ہم سے ہماری زندگی کا حق چھین لے گا۔ہم سے ہماری زمینیں، کارخانے، دولت، شان ،اختیار و اقتدار سب کچھ چھین لیا جائیگا۔حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور نہ ہوگا،رزق دینے والا اللہ کی ذات ہے اور عزت دینے والا بھی اللہ کی ذات ہے مگر اس کا دار و مدار ہماری نیتوں پر ہے۔اگر ہمارے حکمران اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں تو یاد رکھیں اللہ کی ذات بڑی غیور ہے وہ غیرت مندوں کو پسند کرتا ہے اور غیرت

مندوں کی لاج رکھتا ہے۔

پاکستانی قوم ایک غیرت مند قوم ہے وہ اپنی انا، عزت اور حرمت کے لئے بہت کچھ قربان کر سکتی ہے لہٰذا بہتر ہو گا کہ پاکستانی حکمران اپنے قوم کے جذبات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ڈرون حملوں پر احتجاج یا مذمت کرنے کے بجائے مزاحمت اور فضائی مدافعت کا اعلان کر دے۔ آخر اتنی بڑی فضائی، بڑی اور بحری فوج ہم نے کس مقصد کے لئے پال رکھی ہے؟ کیا اس کا مقصد صرف اور صرف یہ نہیں ہے کہ ہم ہر صورت اپنی فضائی، خشکی اور آبی سرحدوں کی حفاظت کریں گے، مر جائینگے مگر اپنی قومی غیرت کو پامال نہیں ہونے دیں گے اگر یہ اس کا مقصد ہے تو اپنی قومی غیرت کو اس طرح سرِ عام نیلام نہ کیجئے! اپنی فضائی عقابوں کو حکم دیجئے کہ وہ فضائی لائن کو عبور کرنے والے ہر کبوتر کو اپنا شکار بنا لے۔ پاکستانی قوم کو اپنی فضائی عقابوں اور بری افواج پر مکمل بھروسہ ہے انہوں نے ماضی میں وہ شاندار کارنامے سرانجام دیئے ہیں کہ دنیا حیرت زدہ تھی اور آج بھی وہ اس قابل ہے کہ دنیا ان کی بہادری کے جوہر دیکھ کر حیران رہ جائیگی۔۔

مجھے عورت پسند ہے

یوں تو دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا مرد ہو، جسے عورت پسند نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاک ذات نے انسان کے خمیر میں مرد اور عورت دونوں کیلئے ایک دوسرے کے لئے کشش رکھی ہے ،ایسا نہ ہوتا تو شاید یہ دنیا مانندِ جہنم ہوتی۔مگر عورت کی پسندیدگی کی وجوہات دنیا میں الگ الگ ضرور ہیں، دنیا میں بہت سارے انسان عورت ذات کو شاید اس لئے پسند کرتے ہیں کہ اس کی قربت ان کو جنسی آسودگی دلانے کا باعث بنتی ہے مگر مجھے عورت اس لئے پسند ہے کہ میرے آقا، سرورِ کائنات، سردارِ دو جہاں حضرت محمد ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ مجھے عورت اور خوشبو پسند ہیں۔اور جس چیز سے ہمارے پیارے پیغمبر نے اظہارِ محبت کیا ہو اس سے محبت کرنا میں اپنے ایمان کا حصہ سمجھتا ہوں۔ عورت مجھے اس لئے بھی پسند ہے کہ میری ماں ایک عورت ہے جو پیار و محبتوں کا ایک مجموعہ ہے۔انسانی رشتوں میں سب سے زیادہ محبت کرنے والی ہستی ماں ہی تو ہے۔ ماں کا وجود محبت کا وہ بے کراں سمندر ہے جس کے وسعت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، دنیا میں میرے جتنے بھی دیگر رشتے ہیں وہ مجھ سے محبت کرنے کی قیمت مانگتے ہیں ، صرف میری ماں وہ واحد ہستی ہے جو مجھ سے محبت کے بدلے کچھ نہیں مانگتی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ دنیا میں ہر انسان کا وجود ماں (جو ایک عورت ہے) کا احسان ہے

شاید اس لئے اللہ تعالیٰ نے جنت ماں کے قدموں تلے رکھی ہے۔اگر اتنی عظیم ہستی "میری ماں" ایک عورت ہے تو میں کیوں عورت سے محبت نہ کروں۔اگرچہ میری ماں اس وقت دنیا میں نہیں رہی لیکن اب بھی جب مجھے کہیں تکلیف پہنچتی ہے یا کہیں ٹھوکر لگتی ہے تو میرے منہ سے بے ساختہ اور غیر ارادی طور پر "ہائے ماں، ہائے مورے" کی آواز نکلتی ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ مجھے اپنی ماں (جو ایک عورت ہے) سے بے پناہ محبت ہے۔

مجھے عورت اس لئے بھی پسند ہے کہ میری بیوی ایک عورت ہے جو نہ صرف یہ کہ میری اولاد کی خالق ہے بلکہ وہ دنیا کے اس تکلیف دہ سفر میں قدم قدم پر میرا ہاتھ بٹاتی ہے وہ ہر معاملے میں میری خدمت گار ہے مثلاً وہ میرے کپڑے دھلا کر، استری کرا کر میرے دھوبی کا کام کرتی ہے، کھانا پکا کر، برتن دھو کر گویا باورچی اور ملازمہ کا کام کر تی ہے، میرے غیر موجودگی میں گھر کی حفاظت کا کام کرکے گویا چوکیدار کا کام بھی کرتی ہے۔میری فطری خواہش یعنی جنسی ضرورت، لذت، سکون و راحت کا ذریعہ بھی میری بیوی یعنی ایک عورت ہی ہے وہ میری زندگی کی ساتھی اور ہر غم و خوشی میں شریکِ سفر ہے۔مجھے عورت اس لئے بھی پسند ہے کہ میری بیٹی بھی ایک عورت ہی ہے جسے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت بڑی رحمت سمجھتا ہوں۔اس سے مجھے اور مجھے اس سے والہانہ پیار ہے وہ میرے کسی چھوٹی سی تکلیف پر بھی تڑپ اٹھتی ہے وہ میری خدمت میں سکون و

مسرت محسوس کرتی ہے وہ میری جنت کی ضامن بھی ہے بشرطیکہ میں اس کی پرورش صحیح طریقہ سے کروں۔ میری بہن بھی ایک عورت ہے جو مجھ سے پر خلوص پیار و محبت کا رشتہ نبھا رہی ہے میرے لئے وہ ایک ایسا پھول ہے جس کی مہک کبھی ختم نہیں ہو تی۔ایک ایسی دوست ہے جو کبھی بے وفا نہیں ہو تی۔ میں اس کی ہر خوشی پر اور وہ میری ہر خوشی پر پھولے نہیں سماتی۔

چونکہ مجھے عورت ذات سے پیار ہے اس لئے مغربی ممالک میں عورت سے جو سلوک کیا جاتا ہے اس کا مجھے بہت افسوس ہے۔

کیونکہ وہاں عورت کو ایک کھلونا سمجھا جاتا ہے، مرد جب چاہے اس سے سے کھیلتا رہتا ہے مگر جب اس کا جی بھر جاتا ہے تو اس (عورت) کو پھینک دیا جاتا ہے۔اس کی مقبولیت اس کی جسم کی کشش تک محدود ہے۔وہاں جب عورت بوڑھی ہوجاتی ہے تو اسے اولڈ ہاوس میں میں پھینک دیا جاتا ہے،جب کہ ہمارے ہاں جب عورت بوڑھی ہو تی ہے تو وہ ماں، دادی اماں، نانی اماں بن کر مزید قابلِ احترام اور قابلِ عزت سمجھی جاتی ہے ۔اس لئے میں ان عورتوں کو خوش قسمت تصور کرتا ہوں جو پاکستان میں پیدا ہوئی ہیں اور پاکستان میں اپنی زندگی گزار رہی ہیں جن کی عزت و عصمت کی حفاظت کے لئے ان کے بھائی، انکے شوہر جان دینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

البتہ مجھے نفرت ہے ایسی عورت سے ، جو فساد کا جڑ بن جاتی ہے جو باپ، بھائی یا خاوند کے ہاتھ میں ہتھیار دے کر قتل و انتشار کا باعث بنتی ہے یا اپنے باپ، بھائی اور شوہر کے لئے بدنامی و رسوائی کا سیاہ داغ بن جاتی ہے۔ مجھے عورت پسند ہے مگر وہ عورت جو اپنی ہر حیثیت میں اپنے فرائض کو بہ احسنِ تقویم پورا کرنے کی خلوصِ دِل سے پورا کرنے کی کوشش کرتی ہے اور ہمیشہ اپنے اور اپنے دیگر رشتوں کی تقدس، عزت اور احترام کو ملحوظِ خاطر رکھتی ہے۔-----------

---------------------------------------الراقم : روشن خٹک

رابطہ نمبر:03018888237

لوڈشیڈنگ ختم؟ کیوں جھوٹ بولتے ہو

اِس وقت اخبارات کاڈھیر میرے سامنے پڑا ہے۔ تمام اخبارات میں شہ سرخیوں کے ساتھ یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ'' ملک بھر میں گھریلو صارفین کے لئے بجلی کی لوڈ شیڈنگ ختم کر دی گئی ہے۔'' جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ بجلی کی لوڈشیڈنگ حسبِ معمول جاری ہے۔ اگر یہاں پشاور میں لوڈ شیڈنگ ختم نہیں ہوئی تو وثوق سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ دیہاتوں میں یقینا بجلی کی لوڈشیڈنگ زور و شور سے جاری و ساری ہو گی۔ لوڈ شیڈنگ عوام کے لئے ایک بڑا عذاب تو یقینا ہی ہے مگر بقولِ غالبؔ رنج سے خو گر ہو جائے انساں تو مِٹ جاتا ہے رنج۔ مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پہ کہ آسان ہو گئیں۔ یہ مصیبت چونکہ عرصہ دراز سے عوام برداشت کرتے چلے آ رہے ہیں اس لئے اب اس مشکل کے عادی ہو گئے ہیں۔ مگر ایک اور تکلیف دہ بات جو عوام پر حکمرانوں نے نازل کی ہوئی ہے وہ ان کا ہر بات میں ہر بار مسلسل جھوٹ بولنا ہے۔ دور کیوں جایئے ! سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کے زمانہ اقتدار سے اگر ہم اپنے حکمرانوں کا جھوٹ گننا شروع کر دیں تو حیرانگی ہوتی ہے اور ہمیں پاکستانی عوام کے فولادی جسم اور سخت جاں ہونے پر بھی حیرت ہونے لگتی ہے جو اپنے حکمرانوں کے اتنے بھاری بھر کم جھوٹ کے پلندوں کو برداشت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ امریکہ نے جب پہلا فضائی حملہ ڈمہ ڈولا پر کیا

تو صدر مشرف حکومت نے عوام سے یہ کہ کر جھوٹ بولا کہ یہ حملہ اپنے ہی ائیر فورس نے کیا ہے، امریکہ کے ڈرون حملوں کی نہ صرف یہ کہ اجازت دی بلکہ ائیر بیس بھی دیئے مگر اپنے عوام سے یہ بات چھپاتے رہے۔ پھر زرداری اور ان کے حلیف جماعتوں کے اقتدار کا سورج چمکا، تو انھوں نے مشرف کی پالیسی جاری رکھی، عوام کے سامنے ڈرون حملوں کی مذمت کرتے رہے اور امریکہ کو تھپکی دیتے ہوئے کہتے رہے کہ آپ ڈرون حملے جاری رکھیں۔اس وقت پانی و بجلی کے وزیر نے عوام کو تسلی دیتے ہوئے دعویٰ کیا کہ فلاں تاریخ تک بجلی کی لوڈشیڈنگ ختم کر دی جائیگی مگر عملاً کچھ بھی نہ ہوا ان کی پانچ سالہ دورِ حکومت ختم ہو گئی مگر بجلی کی لوڈشیڈنگ ختم نہ ہو سکی۔ اس کے بعد نواز شریف کی باری آئی، انتخابات سے پہلے ان کی طرف سے عوام کے سامنے جھوٹ کے انبار لگا دیئے گئے، کہا گیا ' اگر ہمیں اقتدار ملا تو بجلی کی لوڈشیڈنگ کا خاتمہ کر دینگے، ملک میں امن قائم کریں گے، مہنگائی، بے روزگاری کا خاتمہ کریں گے وغیرہ وغیرہ، مگر آج حالت یہ ہے کہ لوگ مایوسی کا شکار ہیں، نواز شریف کے تمام وعدے جھوٹ ثابت ہوئے ہیں۔بلکہ الٹا گنگا بہہ رہی ہے، عوام کے لئے آسانیاں پیدا کرنے کی بجائے آئے روز مشکلات میں اضافہ ہو رہا ہے۔

وزیر اعظم نواز شریف امریکہ کے دورے پر گئے تو عوام کو بتایا گیا کہ امریکی صدر اوباما سے ڈرون حملے روکنے کی بات کی گئی ہے مگر ابھی ان کے

دورے کی دھول بھی نہیں بیٹھی تھی کہ امریکہ نے نہ صرف یہ کہ ڈرون حملہ کر دیا بلکہ یہ بیان بھی داغ دیا گیا کہ پاکستان کے وزیر اعظم نے صدر اوباما سے ڈرون کی بات تک نہیں کی ۔ بات ان کی درست تھی کیونکہ دونوں صدور کے ملاقات کے بعد جو مشترکہ پریس ریلیز جاری کیا گیا، اس میں ڈرون حملوں سے متعلق ذکر ہی موجود نہ تھا۔ جو اس بات کا ثبوت تھا کہ وزیر اعظم پاکستان نے قوم سے جھوٹ بولا۔ طالبان سے مذاکرات کا ڈول ڈالا گیا تو بتایا گیا، مذاکرات شروع ہو گئے ہیں، حکیم اللہ محسود کے ہلاکت کے فورا بعد وزیرِ داخلہ چوہدری نثار نے بیان دیا کہ اگلے دن مذاکرات شروع ہونے تھے مگر طالبان کا بیان آیا کہ ہمیں تو مذاکرات سے متعلق علم ہی نہیں تھا۔

یہ چند ایک ایسی مثالیں تھیں جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہمارے حکمران عوام سے مسلسل جھوٹ بولتے چلے آ رہے ہیں۔ اب مؤقر روزنامہ جات میں یہ شہ سرخی دیکھ کر دل خوشی سے جھوم اٹھا کہ ’’ ملک بھر میں گھریلو صارفین کے لئے بجلی کی لوڈ شیڈنگ ختم ، این ٹی ڈی سی کے مطابق شارٹ فال کم ہو کر صرف 1200 میگاواٹ رہ گیا ہے لہٰذا ملک بھر میں بجلی کی لوڈ شیڈنگ ختم کر دی گئی ہے ‘‘لیکن اس خبر کی سیاہی ابھی خشک ہی نہیں ہوئی تھی کہ لوڈ شیڈنگ نے اپنا چہرہ دکھا دیا۔ عوام اپنے ان جھوٹے حکمرانوں سے پوچھتی ہے ، آخر کب تک جھوٹ بولتے رہو گے ؟ کب تک آپ کا جھوٹ چلتا رہے گا ؟برداشت کی بھی کوئی

حد ہوتی ہے، جس دن عوام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اس دن حکمرانوں کو شاید چھپنے
کی جگہ بھی نہیں مل سکے گی۔ لہٰذا حکمرانوں سے اپیل ہے کہ خدارا ! اب عوام سے
جھوٹ بولنا بند کر دیجئے۔۔۔

" شاباش۔ عمران خان "

ہمارا معاشرہ نہ صرف یہ کہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے بلکہ اس کے جسمِ بیمار میں بے شمار خرابیاں زہر کی طرح سرایت کر چکی ہیں،ان بیشمار خرابیوں میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ ہم توصیف کی تعریف میں بھی بہت زیادہ کنجوسی سے کام لیتے ہیں۔کوئی نہایت قابلِ تعریف اور اچھا کام ہی کیوں نہ کرے ہم اس کی تعریف کرنے کی بجائے اس میں کوئی عیب ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہمارا قومی مزاج ہی negative thinking یعنی منفی سوچ کا عادی ہو چکا ہے، positive thinking مفقود ہے۔ہمیں عیب تلاش کرنے میں مزا آتا ہے،دوسروں کی برائیاں بیان کرنے میں لطف آتا ہے، کسی کی اچھائی ڈھونڈنے میں ہماری نظر بہت کمزور واقع ہوئی ہے۔ہم اہلِ قلم حضرات اگر کسی کی توصیف یعنی اچھائی احاطہ تحریر میں لے آئیں تو فورا جانبداری کا الزام لگ جاتا ہے حالانکہ اچھے کام کی تعریف اور برے کام کی نشاندہی کرکے اصلاح کی کوشش کرنا ہم سب کا فرض ہے۔

گزشتہ عام انتخابات کے نتیجہ میں صوبہ خیبر پختونخواہ میں پاکستان تحریکِ انصاف کی حکومت بنی جبکہ مرکز میں مسلم لیگ نون برسرِ اقتدار آئی.اگرچہ بعض باخبر لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ عام انتخابات میں ایک منظم سازش کے تحت

دھاندلی ہوئی اور کے پی کے کی حکومت پی ٹی آئی کو دینا بھی ایک خاص مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہے۔بحر حال یہ تو آنے والا وقت ثابت کرے گا کہ کیا واقعی پی ٹی آئی کے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے اور کے پی کے کی حکومت اس لئے دی گئی ہے کہ پنجاب میں ان کا راستہ روکا جاسکے یا یہ محض الزام تراشی ہے۔البتہ جو بات سب کو معلوم ہے اور جو اظہر من الشمش ہے، وہ یہ ہے کہ پاکستان تحریکِ انصاف کے چیئرمین جناب عمران خان نے انتخابی مہم کے دوران کھل کر بار بار یہ بات کہی تھی کہ اگر ہماری جماعت برسرِ اقتدار آئی تو ہم کرپشن کو جڑ سے اکھاڑ دیں گے اور کرپشن کرنے والوں سے ہم ہرگز اتحاد نہیں کریں گے۔آج یہ خبر پڑھ کر عوام کو یقین آنے لگا ہے کہ عمران خان نے حکومت میں شامل اپنے اتحادی جماعت قومی وطن پارٹی کے دو وزراء ' بخت بیدار اور ابرار تنولی' کو بدعنوانی اور کرپشن کے الزامات کی بنیاد پر برطرف کردیا۔اگر چہ ان کے اس اقدام سے قومی وطن پارٹی نے ناراض ہو کر پی ٹی آئی سے اتحاد ختم کر لیا۔اب وہ ہمارے وطن کے مخصوص سیاسی طور طریقوں کے مطابق پی ٹی آئی کے خلاف سازشوں میں بھی شریک ہو سکتی ہے مگر عمران خان نے اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان کے وزراء کو برطرف کرکے کرپشن کے خلاف اپنی موقف کو صحیح ثابت کیا۔جو کرپشن کے خلاف بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوگا، عمران خان نے یہ بھی واضح کیا کہ ان دو وزراء کی برطرفی دیگر وزراء اور ارکانِ اسمبلی کے لئے وارننگ ہے۔ہمارے ملک کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ یہاں قانون صرف

غریب عوام کے لئے ہے ایلیٹ طبقہ اپنے آپ کو ہمیشہ قانون کی پابندی سے مبرا سمجھتا ہے۔ جس دن سے قانون ہمارے حکمرانوں، وزیروں، مشیروں اور ارکانِ اسمبلی کو اپنی گرفت میں لینا شروع کر دیگا، سمجھ لیجئے کہ پاکستان اب راہِ راست پر گامزن ہو گیا۔ اور ترقی و خوشحالی کی منزل پر پہنچ کر ہی دم لے گا۔ لہٰذا ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ تحریکِ انصاف کے چیئرمین جناب عمران خان نے پاکستان کے گندے سیاسی تالاب میں ایک ایسی دوا کی گولی پھینک دی ہے جس سے صفائی کا آغاز ہو سکتا ہے بشر طیکہ دیگر صوبائی حکومتیں اور مرکزی حکومت بھی عمران خان کی تقلید کریں اور سیاسی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کرپٹ اور بد عنوان وزراء اور ارکانِ اسمبلی کو نا اہل قرار دیتے ہوئے ایوانِ نمائیندگان سے باہر پھینک دیا کریں۔ عمران خان کے اس اقدام کو چونکہ عوام قومی صحت کے لئے ایک مجرب نسخہ سمجھتی ہے، بناء برایں ہم عمران خان کو شاباش اور خراج تحسین پیش کرتے ہوئے حکومتِ وقت سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ بھی عمران خان کی طرح بد عنوان اور کرپٹ وزراء کے خلاف سخت ایکشن لے لیا کریں اور ساتھ ہی عمران خان سے بھی گزارش کریں گے کہ مستقبل میں بھی وہ اس طرزِ عمل کو جاری رکھیں اگر اس کی اپنی پارٹی کے وزراء، مشیر اور ارکانِ اسمبلی بھی بد عنوانی میں ملوث پائے جائیں تو کسی رو رعائت کے بغیر ان کے خلاف بھی ایسا ہی ایکشن لے کر ان کی چھٹی کرا دیا کریں۔

غیرت ہے بڑی چیز جہان تگ و دو میں

پہلے امریکہ قبائلی علاقوں میں ڈرون حملے کرکے بار بار ہماری قیادت کی غیرت کو للکارتا رہا۔ اب امریکہ نے صوبہ خیبر پختونخواہ کے بندوستی علاقے ہنگو میں ایک مدرسے پر ڈرون حملہ کرکے چھ افراد کو شہید جبکہ آٹھ کو زخمی کرکے پوری قوم کے غیرت کو للکارا ہے۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ مشیر امورِ خارجہ سرتاج عزیز نے سینیٹ کی قائمہ کمیٹی برائے خارجہ امور کو بتایا تھا کہ امریکہ نے طالبان سے مذاکرات کے دوران ڈرون حملے نہ کرانے کی یاد دہانی کرائی ہے اس کے باوجود نہ صرف یہ کہ امریکہ نے ڈرون حملہ کیا بلکہ اس کا دائرہ بھی وسیع کر دیا اور اب ان کے ڈرون پاکستان کے عام بندوبستی علاقے میں بھی شروع ہو گئے۔ جس کے جواب میں ہمارے حکمران یہ بیان دے کر اپنے آپ کو بری الزمہ قرار سمجھتے ہیں کہ ڈرون حملے پاکستان کے خود مختاری اور سالمیت کے خلاف ہیں۔

پاکستانی عوام اپنی قیادت کے بے حمیّتی اور سرد مہری پر حیرت زدہ ہے۔ایک مسلمان ملک جو ایٹمی طاقت بھی ہے اور ایک طاقتور فوج کی حامل بھی ہے، وہ کیسے ایسے حملوں کو برداشت کر رہی ہے، ہم نے تاریخِ عالم کے اوراق بھی

ٹوٹے مگر ہمیں کوئی ایسی مثال نہیں ملی کہ کسی ملک نے کسی دوسرے ملک کو یہ اجازت دے رکھی ہو کہ وہ ان کے فضائی حدود کو عبور کرتے ہوئے ان کے باشندوں پر میزائل اور بم برسائے۔شاید دنیا میں یہ پہلی اور آخری مثال ہو جو ہمارے حکمرانوں نے قائم کر دی ہے جنھوں نے امریکہ کو اپنے ملک کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کرنے اور اپنے باشندوں کو ہلاک کرنے کی کھلی چھٹی دے رکھی ہو۔ حکیم الامت، شاعرِ مشرق جناب علامہ اقبال کی روح ہماری قیادت کی بزدلی دیکھ کر تڑپ رہی ہو گی۔ مجھے آج ان کی ایک نظم یاد آ رہی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ قارئین اسے پڑھیں اور ہمارے حکمرانوں کو فرصت ملے تو وہ بھی اسے پڑھ لیں،، نظم کا عنوان ہے

'' بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو ''

غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں۔۔پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا
حاصل کسی کامل سے یہ پوشیدہ ہنر کر۔۔کہتے ہیں کہ شیشے کو بنا سکتے ہیں خارا
افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر۔۔۔۔ہر فرد ہے ملّت کے مقدر کا ستارہ
دین ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملّت۔۔۔۔ہے ایسی تجارت میں مسلمان کا خسارا
دنیا کو ہے پھر معرکہ روح و بدن پیش۔۔۔۔۔۔تہذیب نے پھر اپنے بندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردیِ مومن پہ بھروسہ۔۔۔۔۔۔ابلیس کو یورپ کی مشینوں پہ سہارا

تقدیرِ امم کیا ہے، کوئی کہہ نہیں سکتا۔۔۔۔ مومن کی فراست ہو، تو کافی ہے اشارا

افسوس اس بات کا ہے کہ ہم نے اپنے آباواجداد اور اسلاف کے سبق کو بھلا دیا ہے، نہ ہم دین کے رہے نہ دنیا کے، جو جگ ہنسائی ہماری اس وقت دنیا میں ہو رہی ہے، شاید کسی کی نہیں ہوئی ہو گی۔پاکستانی عوام کو نہ صرف سیاسی قائدین سے گلہ ہے بلکہ عسکری قیادت سے بھی شکوہ ہے کیونکہ ان کو ہمیشہ اپنی عسکری قیادت پر بھروسہ اور فخر رہا ہے ۔عوام ملکی قیادت کے اس منطق سے ہرگز متفق نہیں، کہ اگر ہم امریکہ کے ڈرون گرا ئینگے تو امریکہ ہم پر حملہ کر دے گا یا وہ ہمارا دانہ پانی بند کرکے بھوکوں مروائے گا۔

پاکستانی قوم بڑی غیرت مند قوم ہے، وہ ہر مشکل کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، اب ہمارے حکمرانوں کو چاہئے کہ وہ امریکہ کو کھل کر یہ بات بتا دیں کہ Enough is Enough۔جو ہو چکا، سو ہو چکا، اس کے بعد ہم کسی فضائی حملے کو برداشت نہیں کریں گے۔ہمیں یقین ہے اگر ہمارے حکمران یہ جرات کرلیں تو امریکہ کو پاکستان پر دوبارہ حملے کی جرات نہ ہو گی، اگر اس نے یہ حماقت کر بھی لی تو اسے منہ کی کھانی پڑیگی بصورتِ دیگر پاکستانی عوام ذلت کی زندگی سے مرنے کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے

شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہوتی ہے۔۔۔

سادہ لوح عوام، بمقابلہ چالاک حکمران

اس بات میں اب کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی کہ پاکستان کے لوگ دو حصوں میں بٹ چکے ہیں۔ایک طرف وہ لوگ ہیں جو دو وقت کی روٹی کو ترس رہے ہیں، جن کے بچے ہاتھوں میں ڈگریاں لئے ہوئے روزگار کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں، جن کے پاس بچوں کے علاج اور تعلیم کے لئے پیسے نہیں، جن کا مستقبل داؤ پر لگا ہوا ہے، ان کی جان محفوظ ہے نہ ان کا مال محفوظ ہے۔دوسری طرف پاکستان کا وہ طبقہ ہے جن کے پاس اتنی مال و دولت ہے، جس کا وہ حساب تک نہیں رکھ سکتے، کیونکہ انہوں نے اس ملک سے بے حساب مال سمیٹا ہے۔ان کے بچے بیرونِ ملک دنیا کے بہترین تعلیمی اداروں میں پڑھ رہے ہیں، انکے بچے بے شک نکمے، نکھٹو اور کورے ہی کیوں نہ ہوں، پاکستان میں وہ وزیر تک کا عہدہ آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں۔دو طبقوں میں بٹا ہوا یہ پاکستانی معاشرہ نہ صرف یہ کہ دلچسپ ہے بلکہ نہایت قابلِ رحم بھی ہے۔ذرا غور فرمایئے ! پہلا طبقہ یعنی پاکستان کے غریب عوام پاکستان کے آبادی کا اٹھانوے فی صد جبکہ دوسرا طبقہ یعنی سرمایہ دار طبقہ کل آبادی کا صرف دو فی صد ہے مگر یہ اٹھانوے فی صد لوگ دو فی صد لوگوں پر حاوی نہیں ہو سکتے بلکہ ان دو فی صد لوگوں نے اٹھانوے فی صد لوگوں کو غلام بنا رکھا ہے، یہ دو فی صد لوگ ان کے مختارِ کل بنے ہو

ئے ہیں ۔ملک کے تمام وسائل پر انہوں نے قبضہ جما رکھا ہے ،وہ یا ان کے بچے اپنے ہاتھوں سے کچھ نہیں کرتے بلکہ غریب کے ہاتھوں کی کمائی سے یہ لوگ اپنی تجوریاں بھرتے ہیں ۔ان کی فیکٹریاں، ان کی زمینیں ،ان کے کارخانے سبھی غریب لوگوں کے ہاتھوں رواں دواں ہیں مگر غریبوں کے ہاتھ خالی اور ان کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔

مگر جو بات میرے لئے باعثِ حیرت ہے وہ یہ ہے کہ یہ تھوڑے سے لوگ یعنی یہ سر مایہ دار طبقہ ہمیشہ ان غریب لوگوں کو بڑے آ سانی کے ساتھ بے وقوف بھی بنا لیتا ہے اور ان سے ووٹ لے کر مسندِ اقتدار پر قابض ہو جاتا ہے گویا اقلیت اکثریت کو ہر بار بے وقوف بناتا چلا آ رہا ہے مگر وائے ناکامی کہ احساسِ زیاں جاتا رہا، ان اکثریت کے حامل عوام کو اس زیاں کا احساس تک نہیں ہے۔جب الیکشن کا وقت آ تا ہے تو احساسِ کمتری میں مبتلا یہ غریب طبقہ الیکشن کے کروڑ پتی امیدوار سے ہاتھ ملانے کو بھی بڑی سعادت سمجھتا ہے، جس طرح پتنگے شمع کے گرد گھومتے ہیں یہ بے چارہ بھی اس امید پر ان کے گرد طواف کرنے لگ جاتا ہے کہ کل کو ان کا یہ منتخب امیدوار ان کے کسی نہ کسی کام ضرور آ ئے گا مگر یہ انکی بھول ہو تی ہے۔منتخب ہونے کے بعد سر مایہ دار طبقے کا فرد ان کے کسی کام نہیں آ تا، کام آ نا تو در کنار، الٹا انکے لئے نقصان کا باعث بنتا ہے کیونکہ وہ ملکی وسائل کو لوٹتا ہے جس کے نتیجہ میں مہنگائی بمعہ

دیگر مشکلات کا وہ شکار ہو جاتا ہے۔ عوام کو بے وقوف بنانے کا یہ عمل اس وقت سے جاری ہے جب سے ہمارا یہ پیارا ملک معرضِ وجود میں آیا ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں، موجودہ برسرِ اقتدار پارٹی مسلم لیگ ن کے حکمرانوں پر نظر دوڑایئے! عوام تین بار ان کے امیدواروں کو ایوانِ اقتدار تک لے آئے، کیا وہ ان غریب عوام کے کام آئے؟ نہیں، بلکہ الٹا باعثِ مصیبت بنے۔ دراصل ان لوگوں نے ایک ایسی چال چلی ہے کہ یہ لوگ اقتدار میں نہ بھی ہوں، تو یہ حکمران ہی ہوتے ہیں، اپنی دولت اور اثر و رسوخ کی بنیاد پر یہ اپنے علاقے پر حکمرانی کرتے ہیں۔ علاقے کا تھانیدار اور پٹواری وغیرہ ان کے زیرِ اثر ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے نفسیاتی طور پر وہ عام آدمی کو اپنے دباو میں رکھتے ہیں۔ صرف الیکشن کے دوران ہی نہیں، الیکشن کے بعد بھی وہ عوام کو بے وقوف بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے اس کی ایک تازہ مثال موجودہ حکومت کی سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کے خلاف غداری کا مقدمہ ہے جو صرف اور صرف اس لئے ہے کہ عوام کی توجہ اصل مسائل سے ہٹایا جائے۔ ملک کو اس وقت بدامنی، بے روزگاری، مہنگائی اور لوڈشیڈنگ جیسے سنگین مسائل کا سامنا ہے اسے حل کرنے کی بجائے حکومت لاحاصل اور بے مقصد کاروائیاں کرکے عوام کو بے وقوف بنانے میں مگن ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ یہ چالاک حکمران ہر مرتبہ عوام کو بے

وقوف بنانے میں کیوں کامیاب ہوتے ہیں ؟ اقلّیت اکثریت کو کیسے مغلوب کرتی چلی آ رہی ہے ؟اس سوال کا جواب جاننے کے لئے میں نے اپنے ذہن پر زور ڈالا تو مجھے اکی ایک ہی وجہ سمجھ میں آئی اور وہ یہ کہ پاکستان کے 80 فی صد غریب عوام میں 60 فی صد تو مکمل ان پڑھ ہیں جبکہ 20 فیصد، جو بظاہر پڑھے لکھے ہیں ، وہ ایسے تعلیمی اداروں میں زیرِ تعلیم رہے ہیں جہاں 2 جمع 2 کا جواب 4 روٹیاں پڑھائی جاتی ہیں،جہاں تعلیم کا مقصد صرف ملازمت کا حصول اور روزی روٹی کمانا ہوتا ہے۔ جو ذہن کو وسعت، کشادگی، خود داری، وطن سے محبت اور دور اندیشی نہیں سکھاتی بلکہ سوچ کے دائرے کو تنگ اور محدود کرتی ہے جس کی وجہ سے وہ انگریزوں کے غلاموں کے غلام رہنے پر احتجاج نہیں کرتے، بغاوت نہیں کرتے، ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ صرف سرمایہ دار طبقہ کے لوگ ہی عرصہ دراز سے ایک آزاد مملکتِ خداداد میں سیاہ و سفید کے مالک بنے ہو ئے ہیں اور پچھلے 65 سالوں سے غریب عوام کی خون چوس رہے ہیں مگر پھر بھی وہ آہ تک نہیں کرتے اور ہر مرتبہ عام انتخابات میں انہی کا چناو کرتے ہیں،وجہ صاف ظاہر ہے کہ پاکستان کا سرمایہ دار طبقہ بہت چالاک اور عوام بہت سادہ لوح ، ان پڑھ اور نا سمجھ ہیں جس کی وجہ سے پاکستان جیسا جنت نما ملک سرمایہ داروں کے لئے تو جنت ہے مگر غریب عوام کے لئے دوزخ بنا ہوا ہے۔ جس کا علاج

تعلیم، خود آگاہی اور ذہنی بیداری کے بغیر ممکن نہیں۔۔۔

الیکٹرانک میڈیا سے عوام کا شکوہ

دنیا ایک گلوبل ویلیج کا روپ دھار چکی ہے، خبریں، رپورٹس اور ایک دوسرے کے خیالات پل بھر میں الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک باآسانی تک پہنچ جاتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ دنیا کے بااثر ممالک اپنے ایجنڈا کی تکمیل کے لئے الیکٹرانک میڈیا کا سہارا لیتی ہیں اور اور اس کو ہم نوا بنانے کے لئے زرِ کثیر خرچ کرتی ہیں ۔ معاشرے کے ذہنی تربیت، بنانے یا بگاڑنے میں الیکٹرانک میڈیا کے کردار سے انکار نہیں کیا جاسکتا لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر کسی ملک کا میڈیا اپنے عوام کے ذہنی تربیت میں مثبت کردار ادا کرے تو یقیناً نہ صرف یہ کہ پورے معاشرے پر اس کا مثبت اثر پڑے گا بلکہ بحثیت مجموعی پورا ملک ترقی و خوشحالی کی طرف محوِ سفر رہے گا لیکن بدقسمتی سے اگر میڈیا ہی گمراہ ہو جائے تو یوں سمجھ لیجئے کہ پوری قوم گمراہی کا شکار ہو کر غلط راستے پر چل پڑے گی۔۔

آیئے ! آج اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ کیا ہماری الیکٹرانک میڈیا کا کردار مثبت اور درست سمت میں رواں دواں ہے ؟ اور وہ قومی کردار کی تشکیل میں مثبت کردار ادا کر رہی ہے ؟ اس کے لئے ہمیں اپنے ٹی وی چینلز اور دنیا

کے مشہور و معروف ٹی وی چینلز کی نشریات کا بغور مشاہدہ کرنا ہو گا۔ اگر آپ بی بی سی، فوکس نیوز، سی این این، اے بی سی نیوز اور جزیرہ وغیرہ کی خبریں اور ٹاک شوز دیکھیں تو وہاں آپ کو کوئی وزیر، مشیر یا سیاستدان نہیں دکھائی دے گا۔ وہ اپنے ٹاک شو میں محقق، اعلیٰ تعلیم یافتہ، سکالرز اور دانشوروں کو بلا کر پیش کردہ مسائل پر انکی بنیادی وجوہات اور حل پر گفتگو کرتے ہیں اور موضوع عموماً وہ ہوتا ہے جس کا تعلق عوام کو درپیش مشکلات سے ہو۔ اس کے مقابلہ میں اگر آپ اپنے ٹی وی چینلز کی نشریات خصوصاً ان کے ٹاک شوز دیکھیں تو ہر چینل پر آپ کو سیاستدان ہی نظر آئینگے بلکہ صبح اور دوپہر پریس کانفرنس اور شام کو ٹاک شو پر چند گنے چنے چالیس پچاس سیاستدانوں کا قبضہ نظر آتا ہے (ماسوائے چند ایک کے) وہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور اپنے پارٹی کے لیڈر کی تعریف میں رطب اللساں نظر آتے ہیں ان کے پاس نہ تو اپنا کوئی ویژن ہوتا ہے نہ کوئی من موہا دلیل، البتہ غیر اخلاقی زبان کے استعمال میں وہ ماہر ضرور ہوتے ہیں۔

ان ٹی وی چینلز میں جو شخصیات بطورِ میزبان کام کرتے ہیں اور عرفِ عام میں انہیں اینکرز پرسن کہا جاتا ہے ان کا پس منظر بھی عجیب اور ان کی علمیت بھی عجیب، اکثریت صحافت کے اسرار و رموز سے بے خبر، سیاست، معیشت، دفاع اور خارجہ امور سے نابلد البتہ گفتار کے غازی ضرور ہوتے ہیں۔ ٹی وی چینلز کے ،

مالکان انہیں لاکھوں روپے تنخواہ اور مراعات سے نوازتے ہیں۔قسمت کی دیوی ان پر اکثر مہربان ہوتی ہے جس کی وجہ سے بہت تھوڑے عرصہ میں ہزار پتی سے کروڑ پتی اور بڑے بڑے پلازوں کے مالک بن جاتے ہیں۔ٹاک شو کے لئے وہ جو موضوع چنتے ہیں اس کا تعلق عموماً عوام کے مسائل و مشکلات سے نہیں ہوتا بلکہ ان کے موضوع کا تعلق حکمرانوں کے مسائل اور دلچسپی سے متعلق ہوتا ہے۔مثلاً وہ اپنے ٹاک شو میں مہنگائی، بے روزگاری، لوڈ شیڈنگ، صحت، تعلیم، کرپشن، تھانہ، پٹواری، زراعت کے مسائل یا تعلیم یافتہ نوجوانوں کو درپیش مسائل کو موضوعِ گفتگو نہیں بناتے بلکہ وہ ایسے موضوعات چنتے ہیں جس میں سرمایہ دار اور حکمران طبقے کی دلچسپی ہوتی ہے۔وہ حکمران طبقے کے بڑے بڑے مالیاتی اسکینڈل عوام کے سامنے لاتے ہیں نہ ان کے سیاہ کرتوتوں کو اپنے ٹاک شو کا موضوع بناتے ہیں۔بعض اینکرز حضرات جب ملک میں دہشت گردی، بدامنی، ڈرون حملوں یا نیٹو سپلائی پر گفتگو کرتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے جیسے وہ امریکہ یا انڈیا کا مقدمہ لڑ رہے ہیں عوام کو الیکٹرانک میڈیا سے یہ شکوہ ہے کہ وہ ان کے مسائل کو محورِ گفتگو نہیں بناتے، ملک کے غریب عوام یہ چاہتی ہے کہ الیکٹرانک میڈیا عوام کے مسائل مثلاً مہنگائی، بے روزگاری، لوڈ شیڈنگ، زراعت سے متعلق کسانوں کے مسئلے اور بدامنی جیسے موضوعات کو اپنے ٹاک شوز کا حصہ بنائے اور حکمرانوں کی توجہ اس طرف مبذول کرے مگر ان مسائل پر گفتگو کرنے کے لئے صاحبِ بصیرت اور صاحبِ علم لوگوں کو بلائے جو

نہ صرف ان مسائل کی بنیادی اسباب کی نشاندہی کرے بلکہ قابلِ عمل حل بھی پیش کرے۔

ملک کو دلدل سے نکالنے کا واحد راستہ

بِلا شک و شبہ اِس وقت پاکستان کا ہر محبِ وطن شہری ملک کی موجودہ صورتِ حال کی وجہ سے سخت الجھن اور پریشانی کا شکار ہے۔ پورا ملک مختلف قسم کے بحرانوں میں گھرا ہوا ہے۔اندرونی، ریجنل اور عالمی سطح پر موجود خطرات نے پاکستان کو اس طرح جکڑ رکھا ہے کہ اس سے نکلنے کی صورت نظر نہیں آتی۔اگرچہ مختلف فورم پر دہشت گردی، مہنگائی، لوڈشیڈنگ اور بے روزگاری جیسے مسائل پر گفتگو اور ان کے حل کے لئے تجاویز بھی پیش کئے جاتے ہیں مگر کوئی بھی نسخہ کارگر ثابت نہیں ہوتا اور مرض بڑھتا گیا،جوں جوں دوا کی" کے مصداق لوگوں کے مسائل و مشکلات میں کمی آنے کی بجائے وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔آیئے ! آج اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ کہ اس کی بنیادی وجہ کیا ہے ؟ اور اس کا ممکنہ حل کیا ہے ؟

یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ کسی بھی ملک کی بنیاد اس ملک کا سیاسی نظام ہوتا ہے، سیاسی نظام پر ہی ملک کا ڈھانچہ استوار ہوتا ہے۔ ہمارے ملک کا سیاسی نظام ایسے اسمبلیوں کو وجود میں لاتا ہے جو عوام کی ہرگز نمائندگی نہیں

کرتیں بلکہ اس نظام کے تحت ایک مخصوص ٹولہ اس ملک کے حکمرانی کے مناصب پر فائز ہوتا چلا آرہا ہے وہ حسبِ ضرورت کبھی روٹی، کپڑا اور مکان کا نام لیتا ہے، کبھی ایشیا کا معاشی ٹائیگر بننے کا دعویٰ کرتا ہے، کبھی اسلام کا نام لیتا ہے اور کبھی جمہوریت کا علمبردار بن کر اقتدار کے ایوانوں میں قابض ہو جاتا ہے۔

ہمارے سیاسی نظام نے جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور امراء طبقے کو اتنا مضبوط بنا دیا ہے کہ ان کے مرضی کے خلاف کوئی قانون پاس کیا جا سکتا ہے نہ انتظامیہ ان کے مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھا سکتی ہے۔دولت کے بل بوتے پر قائم اس نظام نے عوام کو مجبور اور امراء طبقہ کو مختارِ کل بنا دیا ہے۔ایک فرد جب سیاست کو تجارت سمجھ کر برسر اقتدار آتا ہے تو اس سے یہ توقع ہرگز نہیں کرنی چاہئے کہ وہ ذاتی اغراض و مقاصد کو چھوڑ کر ملک کے مفاد میں پالیسیاں وضع کریگا۔ہمارے موجودہ سیاسی نظام کے تحت لوگ اپنے نظریئے، کردار، قابلیت اور کارکردگی کی بنیاد پر نہیں بلکہ دولت اور اثر و رسوخ کی وجہ سے حکمران چلے آرہے ہیں ان کے سامنے عوام خود کو بے بس محسوس کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ پانی کو دودھ اور دودھ کو شہد کہنے سے پانی دودھ بن جاتا ہے

نہ دودھ شہد ہوتا ہے اس طرح ہمارے ملک میں قائم سیاسی نظام کے تحت قائم ہونے والی حکومت کو آپ لاکھ بار جمہوریت، جمہوریت پکارتے رہیں، صرف کہنے سے استحصالی نظام، جمہوریت نہیں بن جاتا۔ جب تک جمہوریت کی روح کے مطابق جمہوری اصولوں پر عمل نہیں کیا جاتا۔ جمہوریت کا ہمہ وقت پراپیگنڈا کرنا مگر عمل سے ثابت نہ کرنا، عوام کو آسانیاں فراہم کرنے کی بجائے مزید مشکلات میں ڈالنا جمہوریت نہیں، جمہوریت کی نفی ہے۔ موجودہ سیاسی نظام کے تحت جو ارکانِ اسمبلی منتخب کیا جاتا ہے وہ عوام کے ساتھ کوئی ذہنی رشتہ نہیں رکھتے، اٹھانوے فی صد ارکانِ اسمبلی کا تعلق امراء طبقہ سے ہوتا ہے، امراء کے اپنے مسائل اور ذاتی دلچسپیاں ہوتی ہیں۔ اقتدار اور اختیار حاصل کرنے کے بعد ان کو عوام سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ اگر ہم گزشتہ پانچ چھ سالوں کا جائزہ لیں تو بظاہر ایک جمہوری حکومت رہی مگر اس جمہوری حکومتوں نے عوام کو کیا دیا ہے ؟ بدامنی، مہنگائی، بے روزگاری لوڈشیڈنگ، ذہنی انتشار، یہ ہے جمہوری حکومتوں کا تحفہ۔۔۔۔۔ >>> ،کافی غور و خوض کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہنچتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب تک ہمرا سیاسی نظام درست نہیں ہوتا، جب تک عوام کے خیر خواہ اور حقیقی نمائندے اسمبلیوں تک نہیں پہنچتے تب تک ملک موجودہ اندھیروں سے نہیں نکل سکتا ۔ موجودہ نظام کے تحت ارکانِ اسمبلی یا ان میں سے بننے والے وزیر اعظم ،وزراء' مشیر خلوص دِل سے عوام کے مسائل حل کرنا چاہتی ہے نہ وہ ان مسائل کو حل کرنے کا فہم، ادراک، ویژن

اور صلاحیت رکھتے ہیں۔۔اگر ملک کو خونی انقلاب سے بچانا ہے اور موجودہ دلدل سے نکالنا ہے تو اس کا واحد راستہ یہ ہے کہ کہ ایک ایسا سیاسی نظام وضع کیا جائے جسکے تحت اسمبلیوں میں ایسے لوگ جائیں جو غریب عوام کے نمائیندگی کا حق ادا کر سکیں۔امیدواروں کے لئے پاکیزہ کردار اور بے داغ ماضی کی سخت ترین شرائط رکھے جا ئیں ۔جن لوگوں نے قومی خزانے کو لوٹا ہو ان کو الیکشن کے لئے نا اہل قرار دیا جائے۔ممبرانِ اسمبلی کے لئے مخصوص فنڈ، الاونسز، ملازمتوں میں مخصوص نشستیں اور دیگر مرعات ختم کی جائیں۔کوئی بھی رکنِ اسمبلی سرکاری محکموں یا حکومت خزانے سے نا جائز فائدہ اٹھانے کا مرتکب ہو جائے تو فوری طور پر اس کی اسمبلی کی رکنیت ختم کی جا ئے ۔موجودہ مسائل و مشکلات کی تمام تر ذمہ داری ہماری قیادت اور نا اہل حکمرانوں پر عائد ہوتی ہے ۔ لہٰذا اگر پاکستان کو دلدل سے نکالنے اور ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کا اگر کوئی راستہ ہے تو وہ یہی ہے کہ ملک کے سیاسی نظام میں انقلاب لا کر ملک کو جا گیرداروں، سرمایہ داروں اور امراء طبقہ سے نجات دلائی جائے بصورتِ دیگر ملک کے مسائل و مشکلات میں کمی آنے کی بجائے اضافہ ہوتا چلا جائیگا۔ کیونکہ جب تک کنویں سے کتے کو باہر نکال کر پھینک نہیں دیا جاتا تب تک کنویں کے پانی کا صاف ہونا ممکن نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

فنی تعلیم کی حوصلہ شکنی کیوں ؟

بلا شک و شبہ کسی بھی ملک کی ترقی میں فنی تعلیم رگوں میں خون جیسی حیثیت رکھتی ہے۔دنیا میں ترقی یافتہ ممالک پر نظر دوڑائیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کی ترقی کا راز فنی تعلیم کی مرہونِ منّت ہے۔فنی ٹیکنالوجی میں کوئی بھی ملک جتنی زیادہ مہارت حاصل کرے گا، اتنا ہی وہ ترّقی کی دوڑ میں آگے بڑھتا جائے گا۔اس کی متعدد امثال چین، جاپان، کوریا، جرمنی، امریکہ اور روس کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔جو اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ کسی بھی قوم کی ترقی کا دار و مدار اس قوم کی سائنسی و فنی تعلیم کی مہارت سے براہِ راست بندھا ہوا ہے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے ہاں الٹا گنگا بہتی ہے۔فنی تعلیم کی ترویج و ترقی کے بجائے بعض عناصر اسے کمزور کرنے کے درپے ہیں جس کی ایک واضح مثال اربابِ اختیار کا یہ فیصلہ ہے کہ بی ٹیک (بیچلر آف ٹیکنالوجی) کا دورانیہ چار سال سے کم کرکے تین سال کر دیا گیا ہے اور اس کے نصاب میں بھی نا مناسب رد و بدل کیا گیا ہے۔جس کا مقصد صرف یہی ہے کہ ان کو ڈی گریڈ کرکے بی ایس سی انجینئرنگ کے مقابلہ میں سے کم سطح پر لایا جائے۔اس ناروا فیصلہ پر بی ٹیک طلباء سراپا احتجاج ہیں اور انھوں نے گزشتہ روز پشاور پریس کلب کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا اور مطالبہ کیا کہ نیا کو

رس معیار پر پورا نہیں اترتا لہٰذا پرانا کورس بحال کیا جائے اور کورس کا دورانیہ حسبِ سابق چار سال ہی رہنا دیا جائے۔

سائنس و ٹیکنالوجی کی مہارتوں کے حصول میں جامعات کے کردار سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن جامعات کے ساتھ ساتھ فنّی و تربیّتی اداروں کی اہمیّت بھی کچھ کم نہیں ہے ۔ بلکہ دیکھا جائے تو صنعتی انقلاب نے ہنر مندوں کی اہمیت میں کئی گنا اضافہ کر دیا ہے۔ ہمارے ملک میں عوام اور اربابِ اختیار دونوں فنی تعلیم کی اہمیت سے پوری طرح باخبر ہیں اور اس کے ترویج کے لئے ٹیکنالوجی کے کالج بھی قائم کر دیئے گئے ہیں۔ گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی پشاور، کوہاٹ، سوات، نوشہرہ اور بنوں وغیرہ اس سلسلے میں قابلِ قدر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ان کے طلباء فارغ التحصیل ہو کر ملک اور صوبہ خیبر پختونخواہ کی ترقی میں اہم کردار بھی ادا کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود اگر ایسا کوئی قدم اٹھایا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کی اہمیت اور معیار پر منفی اثر پڑتا ہے تو اسے ملک دشمنی، صوبہ دشمنی پر ہی محمول کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس طرح تو ٹیکنالوجی کے طلباء کے گویا پر کاٹے جا رہے ہیں۔ کیونکہ باوجود اس کے کہ وہ تین سال ٹیکنالوجی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد پھر چار سال ٹیکنالوجی کی تعلیم حاصل کرتے ہیں یعنی کل سات سال فنّی تعلیم حاصل کرنے کے باوجود بھی اگر ان کو بیچلر ڈگری نہیں ملتی

تو یہ یقینا ان کے ساتھ بڑی نا انصافی والی بات ہو گی۔ بی ٹیک طلباء کا یہ خیال درست لگتا ہے کہ اگر ان کے کورس کو کم کرکے دورانیہ چار کی بجائے تین سال کر دیا گیا ہے تو اس کا مقصد سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ بی ٹیک طلباء کو بیچلر ڈگری دینے سے محروم رکھا جائے تاکہ انجنئرینگ یونیورسٹیز کی مونا پلی قائم دائم رہے۔ ہونا تو یہ چاہئیے کہ ٹیکنالوجی کی تعلیم میں بہتری لانے کے لئے مزید اقدامات اٹھائے جائیں ، ان کے نصاب میں ،ان کے معیار میں بہتری کی سعی کی جائے ،نہ کہ ان کے کے معیار کو گھٹانے کی کو شش کی جائے۔ صوبہ خیبر پختونخواہ میں اس وقت پاکستان تحریکِ انصاف کی حکومت ہے۔

جس سے بجا طور پر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ مستقبل کے ان ہنر مندوں اور انجینئرز کے مستقبل سے کسی کو کھیلنے کی اجازت نہیں دیں گے اسی طرح یونیورسٹی آف

پر بھی ہمیں فخر ہے مگر ساتھ ہی ہم ان سے (UET) انجنئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی پشاور یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ ٹیکنالوجی کے تربیتی اداروں کو بھی اپنا ایک بازو سمجھ کر گلے لگا ئینگے اور ان کے ساتھ سوتیلی ماں جیسا سلوک نہیں کریں گے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسانی معاشرے میں ہمیشہ ہنر مند افراد ہی طاقت

کا سرچشمہ رہے ہیں۔ ہنر مند شخص کبھی دوسروں کا محتاج نہیں ہوتا، کبھی ہم نے ہنر مند شخص کو بھیک مانگتے ہوئے نہیں دیکھا۔ لہٰذا حکومت کو بی ٹیک طلباء اور ان کے مادرِ علمی کی ہر ممکن مدد کرنی چاہیئے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ بی ٹیک طلباء کا احتجاج اور مطالبہ بالکل درست اور مبنی بر حق ہے لہٰذا حکومت اور یو ای ٹی فوری طور پر ان کے مطالبہ کو تسلیم کرے۔ نوجون نسل کے صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جائے، انہیں معاشرے پر بوجھ بننے کی بجائے کارآمد شہری بنانے میں مدد کی جائے اور انہیں خوف میں مبتلا کرنے کی بجائے ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

بلدیاتی انتخابات اور تاخیری حربے

سسٹم بڑا اچھا ہی کیوں نہ ہے۔ اگر اس کے چلانے والے اچھے نہ ہوں تو پھر کوئی بھی سسٹم کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ کسی بھی سسٹم کی کامیابی کا دار و مدار ہمیشہ ان کے چلانے والوں کی نیت پر منحصر ہوتا ہے۔ وطنِ عزیز ویسے بھی مختلف سسٹم کا تجربہ گاہ رہا ہے، کبھی پارلیمانی طرزِ حکومت تو کبھی صدارتی طرزِ حکومت، کبھی مارشل لاء تو کبھی باہر کی بلا۔ سابق صدر جنرل پرویز مشرفؒ لاکھ برا سہی، مگر ان کے بعض کاموں کو ہم کسی بھی صورت میں برا نہیں کہہ سکتے بلکہ تاریخ ہمیشہ ان کے بعض اچھے کاموں پر اچھائی کا ٹھپہ ضرور لگائے گی۔ اس میں ایک اچھا کام نجی ٹی وی چینلز کا اجراء یعنی ذرائع ابلاغ کی آزادی ہے اور دوسرا بڑا اچھا کام مقامی حکومتوں کا قیام ہے۔ انہوں نے ملک میں مقامی حکومتوں کا نظام متعارف کروایا جو نچلی سطح تک اختیارات منتقل کرنے کا ایک بہترین سسٹم ہے۔ اس سسٹم کی کامیابی کے لئے ان ہی کے دورِ حکومت میں کافی محنت بھی کی گئی اور ضلعی حکومتوں کا یہ نظام متعدد کمزوریوں کے باوجود عوام میں کافی مقبول ہوا، اس کی مقبولیت کا اندازا اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عام انتخابات کی نسبت بلدیاتی انتخابات میں عام لوگ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ ان کا جوش و خروش، ہار جیت پر تبصرہ آرائی اور عملی تحریک کئی گنا

زیادہ نظر آتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بلدیاتی انتخابات میں کونسلرز اور ناظمین وغیرہ کے لئے امیدواران کے جانے پہچانے اور شناسا لوگ ہوتے ہیں جبکہ عام انتخابات میں حصہ لینے والے امیدواران سے عوام کی اکثریت ناواقف ہوتی ہے کیونکہ حلقہ انتخاب بڑا وسیع ہوتا ہے اور ووٹرز کو امیدوار کے بارے میں سنی سنائی باتوں پر ہی اکتفا کرنا پڑتا ہے۔جبکہ بلدیاتی انتخابات کے موقعہ پر ووٹرز امیدوار کے ذاتی عیوب و محاسن سے واقف ہوتے ہیں اور وہ ان کے ہار جیت میں بھی زیادہ دلچسپی لیتے ہیں ۔اس میں بھی کوئی دو رائے نہیں کہ مقامی حکومتوں کا نظام غریب عوام کے لئے ایک نہایت مفید نظام ہے۔

مگر یہ بات کتنی افسوسناک ہے کہ مقامی حکومتوں کا جو نظام ایک فوجی حکمران نے متعارف کروایا تھا، جمہوری حکومتیں ان سے ہمیشہ گریزاں رہی ہیں اور بلدیاتی انتخابات کو کسی نہ کسی بہانے ملتوی کرتے چلی آ رہی ہیں حالانکہ جمہوری نظامِ حکومت میں بلدیاتی انتخابات نہایت اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔بلکہ بلدیاتی انتخابات کو جمہوریت کا الف ب سمجھا جاتا ہے۔ پیپلز پارٹی کی گزشتہ حکومت نے اپنے پانچ سالہ دورِ حکومت میں سپریم کورٹ کے واضح احکامات اور آئینی تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بلدیاتی انتخابات نہیں کروائے۔صوبائی حکومتوں نے بھی بلدیاتی انتخابات کرانا ضروری نہیں سمجھے۔

اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ موجودہ حکومت نے بادلِ نخواستہ بلدیاتی انتخابات کے لئے ہاں تو کر دی ہے مگر مختلف حیلے بہانوں سے فرار کی کوشش بھی جاری ہے۔جو حلقہ بندیاں کی گئی ہیں اسے پری پولنگ رگینگ قرار دیا جا رہا ہے سپریم کورٹ کی طرف سے دی گئی شیڈول خلاف الیکشن کمیشن کی درخواست پر ن نئی تاریخوں کا اعلان کر دیا گیا ہے اس لے مطابق سندھ میں ۱۸ جنوری اور پنجاب میں ۳۱ جنوری الیکشن کی تاریخ مقرر کر دی گئی ہے جس کا شیڈول بھی جاری کر دیا گیا ہے۔یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ صوبہ بلوچستان نے بروقت الیکشن کروا کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ حالات جیسے بھی ہوں ، اگر حکومت چاہے تو الیکشن کروانا ناممکن نہیں۔صوبہ خیبر پختونخواہ میں بائیو میٹرک سسٹم کے ذریعے انتخابات کروانے کاارادہ ظاہر کیا جا رہا ہے مگر یہ انتخابات کب ہو نگے ؟اس کا یقینی طور پر فی الحال کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ایک بات واضح ہے کہ قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی برائے پارلیمانی امور کی سفارش سے الیکشن کمیشن نے مکمل اتفاق کر لیا ہے اور تاخیری حربوں کے لئے مختلف جواز تلاش کئے جا رہے ہیں۔

ان تاخیری حربوں کے پیچھے کون سے محرکات ہیں ؟اگر ہم بغور جائزہ لیں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ارکاں قومی اسمبلی یا ارکانِ

صوبائی اسمبلی یہ نہیں چاہتے کہ ان کے اختیارات میں ذرہ بھر کمی آئے یا جو فنڈ ان کو مختص کئے جاتے ہیں ان میں کمی آئے یا مقامی سطح پر ان کے اثر و رسوخ میں کمی آ جائے۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ اس طرح کی تاخیری حربوں کا استعمال عوام میں مایوسی کا سبب بن رہے ہیں اور اگر بلدیاتی انتخابات کو پھر موخر کر دیا گیا تو یہ جمہوریت کے لئے ایک بڑا دھچکا ثابت ہو گا۔ آخر کب تک حکمران آئینی تقاضہ اور ملکی ضرورت کو پس پشت ڈالتے رہیں گے ۔آخر تو ان کا انعقاد ہونا ہی ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہو گا کہ مرکزی اور صوبائی حکومتیں بلا تاخیر بلدیاتی انتخابات منعقد کروا کر کچھ اختیارات نچلی سطح تک منتقل کرا دیں کیونکہ اسی میں ملک اور عوام کی بہتری ہے۔۔

معاملہ سابق صدر پرویز مشرّف کا۔۔۔؟

سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف پر آئین کے آرٹیکل چھ کے تحت غداری کا مقدمہ ایک ایسا ڈرامہ ہے جس کے ڈراپ سین کا اندازہ لگانا کسی کے لئے مشکل نہیں لیکن اس ڈرامہ کے پیچھے جو محرکات اور مقاصد کارفرما ہیں، شاید اس کا اندازہ بہت کم لوگوں کو ہے حکومت یا اس کے ہم نوا سیاستدان پرویز مشرف پر غداری کا مقدمہ چلا کر جو مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس سے زیادہ نقصان دہ اور خطرناک وہ مقصد ہے جو پاکستان کے دشمن پاکستان کے آرمی چیف کو غدار ثابت ہونے کے بعد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ موجودہ حکومت کے ناسمجھ حکمران پرویز مشرف کے ٹرائیل اور عدالت آتے ہوئے اچانک بیمار پڑ جانے کو اپنی ایک کامیابی سمجھتے ہونگے کیونکہ ایسا ہونے سے میڈیا کی توجہ مہنگائی، لوڈ شیڈنگ، سی این جی کی بندش جیسے سنگین مسائل سے ہٹ کر پرویز مشرف کی بیماری یا بیرونِ ملک جانے پر مرکوز ہو گئی ہے مگر انہیں اندازہ نہیں کہ پاکستان کے ایک سابق آرمی چیف پر غداری کا مقدمہ قائم کرنے، اسے غدار گردانئے سے کیا مسائل جنم لے سکتے ہیں ؟، ہم سب یہ جانتے ہیں کہ 1999 میں جب نواز شریف کی حکومت تھی، تو کس طرح یکے بعد دیگرے انہوں نے احمقانہ طریقہ سے آرمی چیف بدلے، معیشت کو کس طرح پامال کیاگیا،اور جب نواز شریف کی حکومت ختم کی گئی تو لوگوں نے

خوشی میں مٹھائیاں تقسیم کیں لیکن جو بات زیادہ قابلِ ذکر اور قابلِ توجہ ہے، وہ یہ ہے کہ 12 اکتوبر 1999 کو نواز شریف حکومت کو کس نے ختم کیا؟ کس نے نواز شریف کو ہتھکڑیاں پہنائیں؟ کس کے سامنے نواز شریف کا رنگ اڑ گیا تھا؟ کس کے سامنے نواز شریف کا چہیتا سیف الرحمٰن روتا رہا؟ کیا پرویز مشرف نے نواز شریف کو گرفتار کرنے کا حکم دیا تھا؟ یقیناً جواب نفی میں ہے۔ نواز شریف اور اس کے ساتھیوں کو جب گرفتار کیا جا رہا تھا تو پرویز مشرف فضا میں تھے، ہوائی جہاز میں سوار تھے، اس کے جہاز کو پاکستان میں اترنے کی اجازت نہیں دی جا رہی تھی جس کی وجہ سے اسے جان کے لالے پڑے ہوئے تھے وہ اس پوزیشن ہی میں نہیں تھے کہ حکومت کے خلاف کوئی ایکشن کرتے۔ زمین پر جو بھی کارروائی کی گئی خواہ وہ جہاز کو بحفاظت لینڈ کرنے کے اقدامات تھے یا نواز شریف کو بمعہ ان کے ساتھیوں کے گرفتار کرنے کی کارروائی تھی، سب کچھ ان کے ساتھیوں نے کیا، مگر کتنی عجیب بات ہے کہ آج غداری کا مقدمہ صرف اور صرف پرویز مشرف کے خلاف قائم کیا گیا ہے۔ مگر ہمیں شاید اس لئے یہ عجیب نہیں لگتا کہ ہم ماضی میں بھی یہی کچھ کرتے چلے آرہے ہیں۔ ہم نے قائدِ اعظم کے ساتھ ان کے زندگی کے آخری دنوں میں کیا کیا؟ لیاقت علی خان کے ساتھ کیا کیا؟ سابق صدر ایوب خان کے ساتھ کیا کیا؟ ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ کیا کیا؟ ضیاء الحق کا انجام کیا ہوا؟ گویا ہم نے اپنا یہ وطیرہ بنا لیا ہے کہ ہمارا جو بھی حکمران تخت سے اترے گا، اس کو ہم تختہ تک لے جانے

میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔

اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ پرویز مشرف کے خلاف غداری کا مقدمہ 12 اکتوبر1999 کے اقدام کے خلاف نہیں بلکہ ۳ نومبر ۲۰۰۷ کے اقدام پر مقدمہ قائم کیا گیا ہے جو اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ موجودہ حکومت بعض لوگوں کو بچانا چاہتی ہے جبکہ ایک شخص کو تختہ دار تک پہنچانے کی مذموم کوشش کر رہی ہے۔مذموم لفظ میں نے اس لئے استعمال کیا کہ انصاف نہ صرف ہونا چاہئے بلکہ انصاف ہوتا ہوا نظر بھی آنا چاہئے۔جبکہ اس کیس میں انصاف ہوتا ہوا نظر نہیں آرہا ہے۔۔نہ صرف اندرونِ ملک بلکہ بیرونِ ملک بھی بھی اس عجیب وغریب غداری کے مقدمہ پر انگلیاں اٹھ رہی ہیں۔اگر انصاف ہی کرنا ہے تو پھر بارہ اکتوبر1999 سے بسم اللہ کیجئے اور اس جمہوریت کی بساط لپیٹنے والے تمام افراد خواہ وہ جرنیل ہوں یا سیاستدان، سابق چیف جسٹس افتخار چوہدری ہو یا پی سی او کے تحت حلف اٹھانے والے جج صاحبان۔سب کا ٹرائیل کیجئے اور جنہوں نے آئین توڑا ہو یا توڑنے میں مدد کی ہو، سب کو تختہ دار تک پہنچا دیجئے۔اگر ایسا نہیں کر سکتے تو پھر خدارا! دشمنوں کے عزائم کو سمجھنے کی کوشش کیجئے جو پاک فوج کو بدنام کرکے کمزور کرنے کے درپے ہیں، کیونکہ پاک آرمی ہی پاکستان کی سلامتی کی ضامن ہے جب تک پاک فوج اپنے پاؤں پر کھڑی ہے، کوئی مائی کا لعل پاکستان کو توڑ نہیں سکتا، بناء بر ایں

دشمن کی یہ کوشش ہے کہ کسی طرح پاک آرمی کو بدنام کیا جائے اور کسی ملک کے لئے اس سے زیادہ اور کیا بدنامی کی بات ہو سکتی ہے کہ اس کے آرمی چیف کو غدار ثابت کرکے سزا دی جائے۔

مناسب ہوگا کہ موجودہ حکومت لاحاصل کوششوں کی بجائے عوام کو درپیش مسائل کی طرف توجہ دے، عوام اس وقت مہنگائی، لوڈشیڈنگ، بے روزگاری اور بدامنی جیسے عذاب سے دوچار ہے، پرویز مشرف عوام کا مسئلہ نہیں ہے۔ مسلم لیگ ن کو عوام نے ووٹ اپنے مسائل حل کرنے اور مشکلات میں کمی لانے کے لئے ووٹ دیئے ہیں لہٰذا نواز شریف کو اپنی تمام تر توجہ عوام کے مسائل کی طرف مرکوز رکھنی چاہیے۔۔۔۔

بوٹوں کی آواز

وطنِ عزیز کی ایک بڑی اکثریت اس خیال کی حامی ہے کہ مارشل لاء ملک کے لئے نقصان دہ اور جمہوریت کا تسلسل ترقی و خوشحالی کا ضامن ہے ۔ بے شک ایسا ہی ہوگا، بشرطیکہ جمہوریت اپنی اصل روح کے مطابق ہو۔ایسی جمہوریت جو ہمارے ملک میں گذشتہ ادوار میں آئی، گئی ،اور ہے ایسی جمہوریت کو جمہوریت کہنا ہی جمہوریت کی رسوائی ہے۔ایسی ہی رسوائے زمانہ جمہوریت کی وجہ سے ملک میں مارشل لاء آتا رہا اور اگر ایسی ہی جمہوریت کا تسلسل جاری رہا تو وہ دن دور نہیں کہ ہمیں ایک اور مارشل لاء کا منہ بھی دیکھنا پڑے گا۔ 1999 میں موجودہ وزیرِ اعظم جناب نواز شریف کے بعض احمقانہ فیصلوں کی وجہ سے مارشل لاء نافذ ہوا تھا۔اکیلے جنرل (ر) پرویز مشرف نے ان کو گھر کی بلکہ سعودی عرب کی راہ نہیں دکھائی تھی بلکہ ان کے ساتھ بڑے محبِ وطن جرنیلوں نے بھی ان کا ساتھ دیا تھا۔ کیوں ؟ کیا ہمارے جرنیل جنھوں نے آئین کی تحفظ کی قسم کھائی ہو ، وہ آئین کو توڑنے کا سوچ سکتے ہیں ؟ ہرگز نہیں، مگر جب ملک کی سلامتی ہی خطرے میں پڑ جائے، جب ملک کو تحفظ دینے والا ادارہ (پاک فوج) کو تباہ کرنے کے اقدامات کئے جا رہے ہوں تو پھر مجبوراً پاک فوج کو آئین کے مقابلے میں ملک کو ترجیح دینی پڑتی ہے۔

آج پھر جناب نواز شریف وزیر اعظم پاکستان ہیں،اگر چہ عام خیال تو یہ تھا کہ نواز شریف ماضی سے سبق سیکھ چکے ہونگے اور وہ ان غلطیوں کو دوبارہ نہیں دہرائیں گے جو ان سے پہلے سرزد ہوئی تھیں مگر افسوس کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جناب نواز شریف نے ماضی سے کوئی سبق نہیں سیکھا اور وہ ایک دفعہ پھر احمقوں کے نرغے میں پھنس کر احمقانہ اقدامات کر رہے ہیں۔ جس کی ایک واضح مثال سابق آرمی چیف پر غداری کا مقدمہ قائم کرنا ہے۔اگر چہ نواز شریف یا ان کے ہم خیال سیاستدانوں کا خیال ہے کہ ایک آرمی چیف کو لٹکا کر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مارشل لاء کا دروازہ بند کرلیں گے مگر یہ ان کی خام خیالی ہے، مارشل لاء کا راستہ روکنے کا واحد اور موثر طریقہ یہ ہے کہ جمہوریت کو جمہوریت کی صحیح روح کے مطابق چلایا جائے، جس میں عوام کے مشکلات و مسائل میں اضافہ نہیں، بلکہ کمی آئے۔

ایک بات جو ہمیں اس وقت ذہن میں رکھنی چاہیے، وہ ہے کہ بدقسمتی سے پاکستان میں موجود تمام بڑے ادارے ماسوائے پاک فوج کے تباہ ہو چکے ہیں۔پاکستان کے دشمنوں کے آنکھوں میں پاک فوج (جو ایٹمی طاقت بھی ہے) کانٹے کی طرح چبھ رہا ہے،ان کا خیال ہے کہ اگر پاکستانی فوج کو کسی طرح کمزور کیا جائے، بدنام کیا جائے، ڈی مورال کیا جائے تو پھر بڑے آسانی کے ساتھ پاکستان کو

ٹکڑے ٹکڑے کیا جا سکتا ہے اور 1971 والی تاریخ کو دہرایا جا سکتا ہے یعنی پاکستان کے نقشہ کو حسبِ خواہش بدلا جا سکتا ہے۔ بناء برایں وہ پاکستانی فوج کو کمزور کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اندریں حالات اگر کوئی پاکستانی حکمران اپنی نا سمجھی کی وجہ سے پاک فوج کو کمزور کرنے، رسوا کرنے یا ڈی مورال کرنے کا کوئی بھی اقدام اٹھائے گا تو اسے نہ رف پاک فوج میں بلکہ پورے ملک میں ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائیگا۔ اور پاک فوج کا جب صبر کا پیانہ لبریز ہو گا تو نتیجہ مارشل لاء کی صورت میں نکلے گا۔

اس وقت سابق آرمی چیف جنرل پرویز مشرف کی ذات کی بات نہیں ہے، وہ پھانسی چڑھے یا بیرونِ ملک جائے، فوج کو اس سے غرض نہیں، مگر فوج کو پاک فوج کے وقار مورال اور دشمنوں کی بدنیتی سے ضرور غرض ہو گی۔ وہ ہرگز اس بات کو برداشت نہیں کریں گے کہ پاک فوج کے چیف کو ملک سے غداری کی سزا دی جائے۔ خواہ وہ پرویز مشرف ہو۔ ایوب خان ہو، یحیٰ خان ہو یا ضیا الحق ہو۔

کیونکہ پاک فوج کا ہر فرد، سپاہی سے لے کر جرنیل تک، ایمان کی حد تک دل و جان سے یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ پاک فوج کا جرنیل باقی سب کچھ ہو سکتا ہے مگر وہ ملک کا غدار کبھی نہیں ہو سکتا اور حقیقت بھی یہی ہے۔ لہذا نواز شریف کا پرویز مشرف پر غداری کا مقدمہ چلا کر اسے غدار ثابت کرنا صرف پرویز مشرف

کی نہیں، بلکہ پوری فوج کی تذلیل سمجھی جائیگی۔ لہٰذا کوئی محسوس کرے یا نہ کرے، ایک دفعہ پھر بھاری بوٹوں کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ اگر بوٹوں کی یہ چھاپ وزیراعظم نواز شریف بھی سن لے تو ان کے لئے اور ملک کے لئے نیک فال ثابت ہوگی ورنہ دمادم مست قلندر ہوگا اور یہ نام نہاد جمہوریت بھی ہمیں داغِ مفارقت دے دیگی۔۔۔۔۔

یکساں نصابِ تعلیم کی ضرورت

صوبہ خیبر پختونخواہ میں پاکستان تحریکِ انصاف کی حکومت صحت اور تعلیم جیسے اہم شعبوں کی اصلاح کے لئے پر عزم نظر آتی ہے۔ صحت کے شعبہ میں اچھی خاصی پیش رفت بھی نظر آ رہی ہے البتہ تعلیم کے شعبہ میں بہت کچھ کرنا باقی ہے امید ہے کہ اگلے تعلیمی سال یعنی ماہِ اپریل سے تعلیم کے شعبہ میں بھی اصلاحات کی جائینگی۔ چونکہ نصاب تعلیمی نظام کا ایک اہم عنصر ہے اور طالب علم کی ذہنی اور عملی رویئے کی تشکیل میں بہت ہی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تعلیم سے متعلقہ لوگ حکومت کی راہنمائی کے لئے نصاب کی اہمیت اور مقاصد پر اظہارِ خیال کریں۔ لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایک ملک میں ایک ہی نصاب یعنی یکساں نصاب کا ہونا بہت ضروری ہے ورنہ نتیجہ ملک میں باہمی انتشار ہوگا، جیسے کہ ہم آج وطنِ عزیز میں ہم دیکھ رہے ہیں۔

دورِ نبویؐ سے لے کر مغل دورِ حکومت تک اگر نظر دوڑائی جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں نظر آتی ہے کہ نصاب سب کے لئے یکساں تھا۔ امراء، متوسط طبقہ یا غرباء کے لئے کوئی علیحدہ نصابِ تعلیم نہ تھا۔ کوئی علیحدہ سکول و کالج یا مدرسہ نہ تھا بلکہ سب کو اکٹھے ایک جگہ بیٹھ کر پڑھنا پڑتا

تھا۔مگر آج ہم اپنے ملک میں نظر دوڑائیں تو نہ صرف نصابِ تعلیم مختلف نظر آئیں گے بلکہ سکول و کالج تک طبقاتی تقسیم کا ظالمانہ نمونہ پیش کر رہے ہیں۔امراء کے بچے تو ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں بیٹھ کر تعلیم حاصل کرتے ہیں جبکہ غرباء کے بچے ٹاٹ سے بھی محروم ہیں، یہی نہیں، ان کے نصاباتِ تعلیم بھی ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں۔اگر ہم صرف صوبہ خیبر پختونخواہ کی بات کریں تو ایڈورڈ کالج، پشاور ماڈل سکول اینڈ کالج، پشاور پبلک سکول اینڈ کالج، بیکن سکول، ایف سی اے، اور آئی سی ایم ایس جیسے تعلیمی اداروں میں امرأ کے بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں، ان کا نصاب بھی سرکاری نصاب سے علیحدہ ہے۔نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ غرباء اور متوسط طبقہ کے بچے ترقی کے میدان میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔

پاکستان حاصل کرنے کا مقصد تو یہ تھا کہ تمام شہریوں کو تعلیم حاصل کرنے، ترقی کرنے زندگی کی دوسری آسانیاں حاصل کرنے کے یکساں مواقع حاصل ہوں مگر افسوس کہ چھیا سٹھ سال گزرنے کے باوجود ہم تعلیم کے شعبہ میں یکساں نصابِ تعلیم ہی رائج نہ کر سکے۔جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج پورا پاکستان طبقاتی تقسیم کا شکار ہے غیر یکساں نصابِ تعلیم معاشرتی عدم توازن کا باعث بنا ہوا ہے دینی اور دنیاوی اداروں سے فارغ التحصیل طلباء میں ذہنی ہم آہنگی نہیں، انگلش میڈیم اور اردو میڈیم سکولوں، کالجوں سے فارغ التحصیل

طلباء میں بھی ذہنی ہم آہنگی کا فقدان ہے۔دینی مدرسوں سے فارغ التحصیل طلباء میں
بھی شدید مسلکی ذہنی اختلافات پائے جاتے ہیں۔

آج اگر پاکستان ایک کھچڑی بنی ہوئی ہے اور اتحاد و یکجہتی کا شدید فقدان ہے تو اس کی بڑی وجہ غیر یکساں نصابِ تعلیم ہی ہے۔نصاب کے لئے انگریزی میں لفظ Curriculm استعمال کیا جاتا ہے۔ Curriculmکا لفظ بھی یونانی زبان کا ماخذ Curreeہے جس کے معنی رن وے یا وہ راستہ جس پر دوڑا جاتا ہے، کے ہیں۔اگر کسی ملک کے بچوں کے لئے راستے ہی الگ الگ چنے جائیں تو ان کی منزل کیسے ایک ہو سکتی ہے؟وہ کیسے ایک سوچ کے مالک بن سکتے ہیں؟

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ پورے پاکستان میں یکساں طرز کا نصابِ تعلیم ہو، اور نصابِ تعلیم بھی ایسا ہو جو ہماری قومی ضروریات کے عین مطابق ہو۔کیونکہ مفکرینِ تعلیم کے مطابق نصاب نظامِ تعلیم میں دِل، مدرسہ کی روح، نظامِ تعلیم میں ریڑھ کی ہڈی اور منزل تک پہنچنے کے لئے 'سیدھا راستہ' کی حیثیت رکھتا ہے۔بلکہ میں تو یہ کہونگا کہ ملک میں جو حیثیت آئین کی ہے، نظامِ تعلیم میں وہی حیثیت نصاب کی ہے۔اس لئے یہ سب کے لئے ایک جیسا ہونا چاہئے، یہ یکسانیت نرسری سے ہونی چاہیئے۔اس وقت بورڈ امتحانات یعنی میٹرک اور ایف اے، ایف ایس سی کے لئے نصاب ایک ہی ہے مگر نرسری تا مڈل کلاسوں کے لئے

نصاب میں بہت زیادہ فرق ہے ذریعہ تعلیم بھی مختلف ہے، اس کا بھی فیصلہ ہو جانا چاہیئے کہ ذریعہ تعلیم انگریزی ہو یا اردو، جو بھی فیصلہ ہو اس کا اطلاق سب پر ہو، امراء کے لئے انگریزی، غرباء کے لئے اردو، یہ انتہائی ظلم و غیر مساویانہ سلوک ہے۔

اندریں حالات میری حکومت سے یہ گزارش ہے کہ تعلیم کی طبقاتی تقسیم اور نصاب کے غیر یکسانیت کو ختم کیا جائے، نصابِ تعلیم کے لئے ذریعہ تدریس (Medium of instruction) ایک زبان کو قرار دیا جائے۔۔

پاکستان کی ترقی میں حائل بڑی رکاوٹیں

پاکستان جنوبی ایشیا کا دوسرا سب سے بڑا ملک ہے مگر افسوس کہ اس خطے کے دیگر ممالک کے مقابلے میں پاکستان کی ترقی کا گراف سب سے نیچے ہے۔اس وقت پاکستان کی حالت ایک ایسے بیمار فرد جیسی ہے جس کو بیک وقت کئی بیماریاں لاحق ہوں۔
اگر چہ پاکستان کی معاشی صورتِ حال ماضی میں بھی تسلی بخش نہیں رہی مگر جس طرح اس خطہ میں موجود دہشت گردی نے پاکستان کی معیشت پر برا اثر ڈالا ہے اس طرح کسی اور ملک پر نہیں ڈالا، دہشت گردی نے ہمارے ملک کی معیشت کو یقینا ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے مگر اس کے علاوہ بھی کئی ایسے عوامل کارفرما ہیں جس نے پاکستان کی ترقی کرنے کا پہیہ بالکل جام کر رکھا ہے۔جس کی وجہ سے غربت میں روز بہ روز اضافہ ہو رہا ہے اور وطنِ عزیز ترقی کے زینہ پر چڑھنے کی بجائے نیچے کی طرف گرتا چلا جا رہا ہے۔
پاکستان میں جب بھی اور جو بھی سیاسی لیڈرشپ برسرِ اقتدار آتی ہے اس کی سب سے پہلی ترجیح یہ ہوتی ہے کہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک سے قرضہ حاصل کیا جائے۔ پیپلز پارٹی کی حکومت ہو یا مسلم لیگ (ن) کی حکومت، دونوں کی

ترجیح آئی ایم ایف سے قرضہ لے کر چل چلاؤ کرنا تھا۔اس وقت پاکستان پر 60 بلین ڈالرز بیرونی قرضہ اور 14 ہزار بلین روپے اندرونی قرضے کا بوجھ ہے۔قرضے کا قسط ادا کرنے کے لئے حکومت کو مزید قرضہ لیناپڑتا ہے اس وقت کی صورتِ حال یہ ہے کہ کوئی بھی پاکستان میں سمایہ لگانے کو تیار نہیں، بجلی، گیس کے بحران نے معاشی ترقی کے پہیئے کو منجمند کر دیا ہے بیرونی سمایہ کار تو درکنار پاکستانی سرمایہ دار بھی پاکستان میں اپنا سرمایہ پاکستان میں لگانے کو تیار نہیین، وہ اپنا سرمایہ بنگلہ دیش، سری لنکا اور چین منتقل کر رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے غربت بڑھ رہی ہے اور معاشی حالت روز بہ روز ابتر ہوتی جا رہی ہے۔

پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے اصولی طور پر زرعی آمدن پر تیکس لگنا چاہئے مگر جاگیر دار طبقہ اتنا با اثر ہے کہ وہ زرعی آمدن پر تیکس کے نفاذ کا قانون منظور ہی نہیں ہونے دیتا۔پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جہاں صرف 0.9% لوگ ٹیکس ادا کرتے ہیں حکومت کی طرف سے جو ٹیکس عام لوگوں پر عائد کیا گیا ہے وہ مبنی بر انصاف نہیں۔قومی احتساب بیوروکے ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں روزانہ 7 بلین روپے کا ٹیکس چوری کیا جاتا ہے۔ایف بی آر کی کارکردگی بالکل مایوس کن ہے۔

ہو چکی ہے۔ پاکستان کے آئین کے مطابق مالیاتی مقدمات کا فیصلہ چھ politicise عدلیہ ماہ کے اندر اندر ہو جانا چاہئیے مگر ہمارے ہاں کرپشن کے مقدمات 1990 سے زیرِ سماعت چلے آ رہے ہیں۔ کرپشن اگرچہ اس خطے کے دوسرے ممالک میں بھی کی جاتی ہے مگر پاکستان اس سلسلے میں نمبر ون ہے۔ پبلک اکاونٹ کمیٹی کا کہنا ہے کہ پاکستان میں لون ڈیفالٹر لی تعداد پندرہ ہزار سے تجاوز کر چکی ہے۔

امپورٹ ایکسپورٹ کا نظام تتّر بتر ہے اور ملک کی معاشی صحت پر بری طرح اثر انداز ہو رہا ہے۔ پاکستان کو اس وقت اپنی بر آمدات بڑھانے کی سخت ضرورت ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ایکسپورٹر حضرات اسے بھی منی لانڈرنگ کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ پولیٹیکل مافیہ اتنا مظبوط اور با اثر ہے کہ وہ منی لانڈرنگ سے متعلق قواعد و ضوابط کو لاگو ہی نہیں ہونے دیتے۔ مالی بد انتظامی اتنی زیادہ ہے کہ پاکستان کے اندرونی وسائل تو درکنار، باہر ممالک یا مالیاتی اداروں سے جو قرضہ لیا جاتا ہے وہ بھی پاکستان کے ترقی و خوشحالی کے منصوبوں پر خرچ نہیں کیا جاتا بلکہ بااثر، با اختیار اور برسر اقتدار لوگوں کے اثاثوں میں منتقل کر لیا جاتا ہے۔ پاکستان کے اس مخدوش معاشی صورتِ حال کو

بہتر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ٹیکس نظام نہ صرف یہ کہ درست کیا جائے بلکہ ٹیکس نیٹ ورک کے دائرے کو بڑھا دیا جائے، زرعی آمدن پر ٹیکس لگا دیا جائے، کرپشن کو روکنے کے لئے سخت قوانین بنا دیئے جائیں، ملک میں امن قائم کرنے اور دہشت گردی کو روکنے کے لئے جامع اور موثر پالیسی وضع کی جائے، لون ڈیفالٹرز سے قرضہ وصول کیا جائے، عدلیہ کرپشن میں ملوث افراد کے خلاف فوری کارروائی کرکے زیر سماعت مقدمات کا فیصلہ کرے اور غیر قانونی طور پر منتقل کئے گئے پاکستانی سرمایہ کو ملک میں واپس لانے کے لئے موثر اقدامات کرے کیونکہ جب تک ان معاشی بیماریوں کا علاج نہیں کیا جاتا تب تک پاکستان ترقی و خوشحالی کے منزل کو کو پا نہیں سکتا۔

خوف کے منڈلاتے بادل

پچھلے چند روز سے ملک میں خصوصاً خیبر پختونخواہ میں پیش آنے والے دہشت گردی کے واقعات نے پہلے سے موجود خوف میں اضافہ کر دیا ہے۔اتوار کے دن بنوں میں سیکیو ریٹی فورسز پر حملہ ہوا، پیر کے دن راولپنڈی کے آر اے بازار میں سیکیو ریٹی فو رسز کو پھر نشانہ بنایا گیا، منگل کو چاروں صوبوں میں پولیو ٹیموں پر حملے کئے گئے،اگلے دن بلوچستان کے ضلع مستونگ میں ایران سے کوئٹہ آنے والی بس خود کش حملہ ہوا، چارسدہ کے سرڈھیری بازار میں پولیس وین کو نشانہ بنایا گیا، کوہاٹ روڈ پر سیکم چوک کے قریب ایک ورک شاپ میں بم دھماکہ کیا گیا، صرف پانچ روز میں سو سے زیادہ لوگ راہی عدم کئے گئے، گویا ایک نہ رکنے والا سلسلہ ہے جو تھمنے کا نام نہیں لے رہا ہے۔پاک فوج نے ان پر ہونے والے حملوں کے ردِ عمل کے نتیجہ میں شمالی وزیرستان میں کاروائی کی، جس کے نتیجہ میں فاٹا سے لوگوں کا انخلاء بھی جاری ہے اور خواتین، بچے، بوڑھے سر چھپانے کی جگہ کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔

ان تمام واقعات کا ہمارے حکمرانوں کے پاس ایک ہی علاج موجود ہے اور وہ یہ کہ ہر واقعہ کے بعد وہ ایک مذمتی بیان جاری کر دیتے ہیں اور پھر اپنے

دلچسپی کے معاملات میں مگن ہو جاتے ہیں۔ خود وہ سینکڑوں محافظوں کے درمیان زندگی گزار رہے ہیں لیکن جن لوگوں کی حفاظت کی ذمہؓ داری اللہ تعالیٰ نے ان کی سپرد کی ہے، ان کی زندگی کی شمع بجھنے کی انہیں پرواہ نہیں۔انہیں یہ احساس تک نہیں کہ ان کی نا اہلی اور کمزوری کی وجہ سے کتنے لوگ روزانہ زندگی کی بازی ہار جاتے ہیں۔ گزشتہ دس سالوں کے دوران پچاس ہزار سے زیادہ اکستانی لقمہ اجل بن چکے ہیں مگر ہمارے قائدین نے تاحال کوئی ایسی پالیسی نہیں بنائی جو اس بلا مقصد جنگ کو ختم کرا سکے۔ تھوڑی بہت اگر کہیں کارروائی ہوئی بھی یا کوئی قدم اٹھایا بھی گیا، تو نیم دلی اور تذبذب کے ساتھ۔ مگر موثر پالیسی نہ بنا سکے۔اب صورتِ حال وز.بروز گمبھیر ہوتی جا رہی ہے۔پاک فوج پر، قانون نافذ کرنے والے دیگر اداروں پر، عبادت گاہوں اور مزاروں پر، گنجان بازاروں اور چھاونیوں پر اندرہی سے حملے ہو رہے ہیں۔ مظلوم اور زخم خوردہ پاکستانی اپنے ہی ملک میں ایک مقام سے دوسرے مقام تک ہجرت کرنے پر مجبور ہیں۔ کراچی میں الگ ناحق خون بہایا جا رہا ہے۔اندریں حالات پاکستان کو اندرونی اور بیرونی خلفشار سے بچانے کے لئے فوری اور جامع حکمتِ عملی بنانے کی اشدّ ضرورت ہے۔ موجودہ حکمران یہ کہہ کر.بری الذمہ نہیں ہو سکتے کہ دہشت گردی کا سلسلہ تو پچھلے ایک عشرہ سے جاری ہے مگر گذشتہ حکومتوں نے اس سلسلے میں کوئی جامع پالیسی نہیں بنائی۔اگر گذشتہ حکومتوں نے کچھ نہیں کیا تو موجودہ حکومت کی اب تک کارکردگی بھی تسلّی بخش نہیں ،وہ طالبان سے

مذاکرات کی رٹ بھی لگاتے رہے اور آل پاٹیز کانفرنس بلا کر تمام سیاسی جماعتوں نے انہیں مذاکرات کا اختیار بھی دے دیا مگر وہ گومگو کی کیفیت سے آج تک نہ نکل سکے۔حالانکہ اگرحکومت دانشمندی اور معاملہ فہمی کے ساتھ طالبان سے مذکرات کرتے یا آج بھی کرلیں تو ماضی میں جو کچھ ہوا، وہ تو ہوا مگر مستقبل میں انسانی خون کو بہانے سے روکا جاسکتا ہے۔بشرطِ یہ کہ موجودہ دہشت گردی کے بنیادی اسباب کا بغور مطالعہ کیا جائے،مثلاً طالبان میں کون کونسے گروپ اور کس کس کے حمایت یافتہ گروپ شامل ہیں، مسلمان ہونے کے باوجود ان کا نقطۂ نظر عام مسلمانوں سے مختلف کیوں ہے ؟ان کے مطالبات کیا ہیں؟معاشرے میں ایک اچھی خاصی تعداد ان کی حمایت کیوں کرتی ہے وغیرہ وغیرہ؟اس وقت تمام سیاسی جماعتیں طالبان کے خلاف اپریشن کے حق میں نہیں ہیں۔پاکستان تحریکِ انصاف کے چیئرمین عمران خان ،جماعتِ اسلامی کے سیّد منور حسن، جمیّت العلماء کے مولانا فضل الرحمٰن مذاکرات کے حق میں ہیں۔صرف ایم کیو ایم کے الطاف حسین اور پیپلزپارٹی کے بلاول زرداری بھٹو سخت اقدام اٹھانے یعنی جنگ کے حق میں ہیں۔ان حالات میں جبکہ ملکی قائدین ہی ایک پلیٹ فارم پر اکھٹے نہ ہوں ، لڑنے سے مقصد حاصل نہیں ہوگا۔لہٰذا مناسب ہوگا کہ پہلے سنجیدگی کے ساتھ مذاکرات کا راستہ اپنایا جائے۔پچھلے چند دنوں سے محسوس ہوتا ہے کہ مذاکرات کی کہانی ختم ہونے جارہی ہے اور دہشت گردی کے خلاف ایک فیصلہ کن اپریشن کی تیاریاں ہو رہی ہیں اگر ایسا ہی ہوا

تو اس کے نتائج کیا ہونگے ؟ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے مگر ایک بات جو واضح طور پر نظر آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ اس سے بڑے پیمانے پر نقصان ہوگا، کثیر تعداد میں لوگوں کو نقل مکانی کرنی ہوگی، بوجہ ازیں عام لوگ ابھی سے خوف زدہ ہیں خوف کے بادل سروں پر منڈلا رہے ہیں۔ حکومت یا سیاسی قیادت کو جس تدبر، معاملہ فہمی اور ذکاوت سے اس مسئلہ کو ہینڈل کرنا چاہئے تھا اس طرح حکومت نے اسے ہینڈل نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ آج ملک کے کونے کونے میں انسانی لاشیں بکھری پڑی ہیں۔ عام اور بے گناہ انسان مارے جا رہے ہیں جبکہ حکمران سینکڑوں، ہزاروں محافظوں کے جھرمٹ میں گھروں کے اندر یا گھروں سے باہر بیٹھے بیانات جاری کر رہے ہیں۔ اب بھی وقت ہے اگر حکومت اور سیاسی قیادت خلوصِ نیت کے ساتھ موجودہ حالات سے نکلنے کی کوشش کرے تو مذاکرات کا راستہ اپنا کر اس گھمبیر صورتِ حال سے نکلنے کی صورت پیدا کی جا سکتی ہے اور عام لوگوں خصوصاً خیبر پختونخواہ پر خطرات اور خوف کے منڈلاتے بادلوں کو ہٹایا جا سکتا ہے۔۔۔۔۔۔۔

ایک اچھی خبر۔طالبان سے مذاکرات کا فیصلہ

اس دورِ پر آشوب میں بم دھماکوں، قتل و غارت اغواء جیسی خبروں کے علاوہ اگر کسی دن اچھی خبر سننے کو ملے تو دِل خوشی سے جھوم اٹھتا ہے اور دلوں میں امید کے چراغ روشن ہو جاتے ہیں ۔ایسی ہی ایک اچھی خبر ہمیں اس وقت سننے کو ملی جب وزیر اعظم نواز شریف نے قومی اسمبلی میں طالبان سے مذاکرات کے لئے چار رکنی کمیٹی کے قیام کا اعلان کیا۔جس میں ان کے خصوصی معاون اور معروف کالم نگار عرفان صدیقی، رحیم اللہ یوسف زئی ،سابق سفیر رستم شاہ مہمند اور میجر (ر) محمد عامر شامل ہیں ۔وزیرِ داخلہ چوہدری نثار کمیٹی کی معاونت کریں گے جبکہ وزیر اعظم نواز شریف خود مذاکراتی عمل کی براہِ راست نگرانی کریں گے۔وزیر اعظم نے کہا ہے کہ مذاکرات اور دہشت گردی ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے، ہم پر امن حل کو ایک اور موقعہ دینا چاہتے ہیں، ہم نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ آگے بڑھیں گے،امن ہمارا خواب نہیں، منزل ہے۔ وزیر اعظم نواز شریف کا یہ اعلان پوری قوم کے لئے امید کی ایک کرن ہے ۔اس اعلان کے ساتھ ہی طالبان کی طرف سے شوریٰ کا اجلاس بلا کر مذاکراتی کمیٹی بنانے کا اعلان کیا گیا ہے جو ایک اچھی علامت ہے۔طالبان کی طرف سے مزاکراتی کمیٹی پر بھی کوئی اعتراض سامنے نہیں آیا۔ یہ امر بھی خوش آئیند ہے کہ ملک کے کی بڑی سیاسی جماعتوں (ماسوائے ایم کیو ایم) نے

بھی مذاکراتی کمیٹی کی تشکیل پر اطمینان کا اظہار کیا ہے اور مذاکراتی عمل کی تائید کی ہے۔ لہٰذا امید کی جا سکتی ہے کہ اگر دونوں طرف سے خلوصِ نیت کے ساتھ کوشش کی گئی تو مذاکراتی عمل کے کامیابی کا قوی امکان ہے۔ لیکن حکومت کو یہ بات مدِ نظر رکھنی چاہیئے کہ پاکستان کے اندرونی اور بیرونی دشمن ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ پاکستان میں امن بحال ہو، وہ پس پردہ اپنی پوری کوشش کریں گے کہ دونوں فریقین کے درمیان بدگمانی پیدا کرکے مذاکراتی عمل کو سبوتاژ کیا جائے۔

افسوس اس بات کا ہے کہ پاکستان کے دشمنوں سے تو یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ پاکستان میں مذاکراتی عمل کے ذریعے امن کی بحالی چاہیں گے مگر اپنے کچھ نادان سیاستدانوں کی اس مذاکراتی کمیٹی پر اعتراض عجیب سا لگتا ہے۔ حالانکہ اس کمیٹی میں شامل تمام افراد کو معاشرے میں نہایت عزت و احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور ان کی غیر جانبداری اور بالغ نظری پر انگلی نہیں اٹھائی جا سکتی۔ اس کے باوجود سیاست کا چوزہ بلاول زرداری بھٹو فرماتے ہیں کہ مذاکراتی کمیٹی کے ارکان تو طالبان کے ترجمان جیسے ہیں، شاید وہ کسی غیر مسلموں کو اس کمیٹی کے ارکان بنانا چاہتے ہیں جس طرح انہوں نے پاکستان کا صدر کسی عیسائی کو بنانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ وہ چونکہ غیر مسلموں کے درمیان ہی پھلے پھولے ہیں، ان کی پرورش، ان کی تعلیم اور ان کی صحبت غیر

مسلموں کے درمیان ہوئی ہے۔انہوں نے غیر مسلموں کی زبانی پاکستانیوں کی بد خواہی اکثر سنی ہوگی اور یہ بھی سنا ہوگا کہ پختون قوم دہشت گرد ہے اس لئے اس کو وزیر اعظم کی بنائی ہوئی مذاکراتی کمیٹی کے ارکان انہیں طالبان کے ترجمان لگتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ قوتیں جنہوں نے پہلے بھی امن کی کوششوں اور طالبان سے مزاکراتی عمل کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی تھی وہ اب پھر سرگرم عمل ہو سکتے ہیں۔امریکہ، انڈیا اور اسرائیل پس پردہ کوئی ایسا کھیل کھیل سکتے ہیں جس سے مذاکراتی عمل ناکام ہو کر پاک فوج کو جنگ میں دھکیل دیا جائے ماضی اس بات کی گواہ ہے کہ پاک فوج کو بدنام کرنے اور اسے کمزور کرنے کی کئی مرتبہ ناکام کوششیں ہو چکی ہیں۔ طالبان کے کم و بیش 35 گروپ اس وقت موجود ہیں چونکہ سب کو مذاکرات کے لئے ایک میز پر لانا ممکن نہیں ہوگا اس لئے ناراض گروپ مذاکرات کو ناکام بنانے کے لئے پاکستان کے اندر کوئی بھی تخریبی کاروائی کر سکتے ہیں۔علاوہ ازیں ہماری میڈیا خصوصا الیکٹرانک میڈیا میں کچھ ایسے نادان بیٹھے ہیں جو جان بوجھ کر نہیں، مگر اپنی کم علمی کے باعث ایسی ایسی باتیں کر جاتے ہیں یا کہلوا جاتے ہیں جس سے فریقین کے درمیان بد گمانی پیدا ہو سکتی ہے، غلط فہمی جنم لے سکتی ہے اور مذاکرات ناکامی سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا دونوں طرف کے مذاکراتی کمیٹیوں کو متذکرہ تمام عناصر سے خبر

دار رہ کر نہایت تحمل، برداشت اور اعلیٰ ظرفی کے ساتھ مذاکرات کی کامیابی کے لئے سر توڑ کوشش کرنی چاہیئے اور مستقبل میں انسانی جانوں کی ضیاع کو روکنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرنا چاہیے۔ مناسب ہوگا کہ دونوں طرف سے فوری طور پر سیز فائر کا اعلان کیا جائے تاکہ مذاکرات پر امن ماحول میں کئے جا سکیں۔

تعلیمی اداروں میں کردار سازی کی ضرورت

مجھے اس وقت بڑی تکلیف ہوتی ہے جب میں کسی اچھے خاصے پڑھے لکھے شخص کو جھوٹ بولتے ہوئے سنتا ہوں ، وعدہ خلافی کرتے ہوئے دیکھتا ہوں ، دھوکہ دہی اور فریب کرتے ہوئے دیکھتا ہوں یا منفی سوچ کا پرچار کرتے ہوئے دیکھتا ہوں کیونکہ تعلیم کا اولیں مقصد کسی بھی انسان کو ایک مثالی انسان بنانا ہوتا ہے، ایک با کردار انسان بنانا ہوتا ہے اگر تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی انسان کا کردار نہ سنورے تو ایسی تعلیم بھاڑ میں جائے ،ایسی تعلیم کا پھر کوئی فائدہ نہیں ۔آج وطنِ عزیز پہ جو کچھ گزر رہی ہے اور جن بحرانوں کا پاکستان کو سامنا ہے۔ میرے نزدیک ان تمام بحرانوں میں سب سے بڑا بحران پاکستانیوں کے کردار کا بحران ہے جو تمام مسائل کی جڑ اور بنیاد ہے کیونکہ کردار کے بحران سے دیگر بحرانوں کے سوتے پھوٹتے ہیں۔سائنس ، ٹیکنا لوجی، کمپیوٹر، موبائل فون کے زینے سے انسان بامِ عروج تک تو پہنچا مگر اس کے پریشاں حالی اور آشفتہ سری میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اچھے خاصے پڑھے لکھے اور متمول خاندان کے لوگ بھی اخلاقی اور روحانی اعتبار سے بالکل تہی دست نظر آتے ہیں۔اکثریت نے اخلاقی اقدار کو پسِ پشت ڈال کر زر پرستی اور مادیّت پرستی کو اپنا مقصدِ حیات بنا لیا

ہے۔اچھے لوگ بھی موجود ہیں مگر بہت کم تعداد میں ، ان کو بھی معاشی بد حالی نے بے حال کر رکھا ہے۔

تعلیمی اداروں میں موثر کردار سازی نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے من حیث القوم اپنا وقار داؤ پر لگا دیا ہے ۔ حکمرانوں اور عوامی سطح پر اخلاقیات سے بیگانگی، دیانت، سچائی، نظم و ضبط سے لا تعلقی ، پاکستانیوں کی پہچان بن گئی ہے۔ بین الاقوامی سطح پر ہم اپنی قدر و منزلت گنوا بیٹھے ہیں ۔دنیا میں ہمیں حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔درد مند دل رکھنے والے پاکستانی اس صورتِ حال سے انتہائی دل گرفتہ ہیں اور تہہِ دل سے ان خرابیوں کا سدِ باب چاہتے ہیں۔ مگر ان خرابیوں کا سدِّ باب کیسے ہو ؟

میرے خیال میں تعلیم ہی وہ واحد اور موثر ذریعہ ہے جس کی بدولت خیر و شرّ کی تمیز پیدا ہوتی ہے۔علم و آگہی سے انسان اپنے لئے درست راہیں تلاش کر سکتا ہے کیونکہ تعلیم بذاتِ خود ایک اخلاقی عمل ہے جو عقل و دانش، تفکّر و استدلال اور تدبّر کی قوتوں کو جلا بخشتے ہوئے انسان کو اعلیٰ مقاصد کے حصول کی ترغیب کا باعث ہے ۔ تعلیم کا مقصد ہی انسانی شخصیّت کو سنوارنا اور اسے معاشرے کا کارآمد شہری بنانا ہے۔ قدرت نے ہر شخص کو مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ تعلیم ان صلاحیتوں کا کھوج لگا کر بروئے کار لا تا ہے۔اس سلسلے

میں تعلیمی ادارے یقینا بہت بڑا کردار ادا کر سکتے ہیں اگر وہ چاہیں اور خلوصِ نیّت سے بچوں کی کردار سازی پر توجہ دیں تو ذلت کے گہرائیوں میں پڑی ہوئی یہ قوم اوج ثریا تک پہنچ سکتی ہے۔ بچوں کو ماڈرن سائنسز پر مشتمل مضامین ضرور پڑھانے چاہئیں لیکن بچوں کی تربیت اس نہج پر ہونی چاہئے کہ اسلامی اقدار، ایمان و اخلاقیات اس طور پر ان کے ذہن میں رچ بس جائیں کہ زندگی کے کسی موڑ پر وہ اپنے مذہب کے خلاف شک و شبہ کا شکار نہ ہوں یعنی ان کے قدم ڈگمگانے نہ پائیں۔ تعلیمی اداروں کو قومی ترانوں نظموں، کہانیوں اور ڈراموں کی مدد سے طلباء میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا کرنا چاہیئے۔ روزمرہ زندگی میں طلباء میں ڈسپلن کی ایسی خصوصیات پیدا کی جائیں کہ وہ کمرہ جماعت کے اندر اور باہر اس کا ثبوت دے سکیں مثلاً بس پر سوار ہوتے وقت لائیبریری یا لیبارٹری کے اندر داخل ہوتے وقت قطار بنائیں، کنٹین سے کوئی بھی چیز لیتے وقت اپنی باری کا انتظار کریں۔ کلاس روم کو صاف ستھرا رکھیں۔ طلباء کے رویّوں میں طہارت اور پاکیزگی کی عمدہ عادات کو راسخ کیا جائے عملی طور پر یہ تربیت دی جائے کہ سکول میں کاغذ، پھلوں، مونگ پھلی کے چھلکے اور دیگر کوڑا وغیرہ ادھر اُدھر پھینکنے کی بجائے Dustbin میں پھینکیں، جب کلاس روم خالی ہو تو پنکھے اور بجلی بند کر دیا کریں۔ طلباء کو اس انداز میں اخلاقی تربیت دی جائے کہ وہ صحیح اور غلط میں تمیز کر سکیں، جھوٹ، چوری، سستی اور بد دیانتی کے برے نتائج طلباء پر واضح کریں تاکہ عملی

زندگی میں وہ ان برائیوں سے دامن بچا کر چلیں۔

تعلیمی اداروں میں اساتذہ کا کردار طلباء کی کردار سازی میں نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ طلباء لاشعوری طور پر اپنے اساتذہ کی تقلید کرتے ہیں۔ اس لئے اساتذہ خود کو ایک رول ماڈل کے طور پر طلباء کے سامنے پیش کریں۔ اساتذہ خود وقت کے پابند، ہمدرد، دیانت دار، محنتی اور قول و فعل میں یکسانیت کے حامل ہونگے تو طلباء ان کے کردار سے یقیناً متاثر ہونگے اور یوں ایک صاف ستھرے، دیانت دار اور زندہ ضمیر کی حامل قوم کی تشکیل ہوگی۔

حکومت، طالبان مذاکرات ۔ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟

حکومت اور طالبان کے درمیان ہونے والے مذاکرات کے بارے میں خبریں، تبصرے اور تجزیئے سنتے ہیں تو کبھی مایوسی اور کبھی امید کی کرن پیدا ہو جاتی ہے ۔صورتِ حال بڑی گنجلک ہے اور اس وقت بالکل صحیح اندازہ لگانا ممکن نہیں مگر جو صورتِ حال اس وقت ہمارے سامنے ہے اور جو صورتِ حال اس وقت اِس خطہ کی ہے، اس سے کچھ کچھ اشارے ضرور ملتے ہیں جو ہمیں اس بات کی خبر دے رہے ہیں کہ مذاکرات کا اونٹ آخر کس کروٹ بیٹھے گا؟

بظاہر اس وقت دونوں کمیٹیوں کے ممبران کے بیانات حوصلہ افزا ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ دونوں طرف امن کی خواہش موجود ہے اور دونوں فریقین چاہتے ہیں کہ جنگ کی نوبت نہ آئے اور امن کا راستہ تلاش کیا جائے ۔مگر ساتھ ساتھ کچھ ایسے واقعات بھی تسلسل کے ساتھ رونما ہو رہے ہیں جو مذاکراتی عمل کے لئے سپیڈ بریکر ثابت ہو رہے ہیں مثلاً مذاکرات شروع ہونے کے بعد پشاور میں یکے بعد دیگرے طالبان طرز کے سولہ حملے ہو چکے ہیں جن میں درجنوں بے گناہ مرد، عورتیں اور بچے شہید ہو چکے ہیں ۔طالبان نے ان سے لاتعلقی کا اظہار کرکے مذاکرات پر ان کے منفی اثرات زائل کرنے کی کوشش کی ہے مگر

کراچی میں تیرہ پولیس اہلکاروں کی شہادت اور 57 کے زخمی ہونے کے سنگین واقعہ کی ذمہ داری قبول کرکے اس اعتماد کو نقصان پہنچایا ہے جو فریقین ایک دوسرے پر مذاکرات کی کامیابی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ حکومتِ پاکستان نے ان واقعات پر گہرے صدمے کا اظہار کرتے ہوئے صاف صاف کہہ دیا کہ مذاکرات اور دہشت گردی ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ اور یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ ملک کے عوام نے حکومت اور طالبان کے مذاکرات کا خیر مقدم اس وجہ سے کیا تھا کہ ملک میں خون خرابہ نہ ہو، بم دھماکے نہ ہوں، سیز فائر ہو اور امن قائم ہو۔ اگرچہ یہ مقصد کمیٹیوں کے درمیان پہلی ملاقات میں ہی حاصل ہونا چاہیے تھا مگر افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا، بحر حال دیر آید، درست آید کے مصداق اب بھی اگر دونوں طرف سے جنگ بندی کا اعلان ہو جائے، جس کا عندیہ کمٹی کے ممبران نے دیا ہے، تو یہ ایک مفید اقدام ہوگا۔

اب اصل بات کی طرف آتے ہیں یعنی یہ کہ انجامِ مذاکرات کیا ہوگا؟ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟ مذاکرات سے بندھی امیدیں پوری ہونگی یا اس کا انجام بھی پہلے کیے گئے معاہدوں جیسا ہوگا؟ اس سلسلے میں میں کچھ مغربی ذرائع ابلاغ میں پیش کئے گئے خیالات و تجزیوں کا خلاصہ پیش کروں گا۔ جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مذاکرات کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ مغربی تجزیہ کاروں کا خیال ہے کہ افغانستان سے امریکہ اور نیٹو افواج کے انخلاء کے لئے

ضروری ہے کہ پاکستان کے شمالی علاقوں میں موجود طالبان کو کچل دیا جائے مریکہ اور پاکستان کا پلان یہ ہے کہ آپریشن کے لئے پاکستانی عوام کو ایک نکتے پر جمع کیا جائے جو اس وقت دو حصوں میں منقسم ہیں۔ مغربی ذرائع کے مطابق آپریشن اس لئے نا گزیر ہے کہ امریکہ اور اتحادی مما لک نے دسمبر 2014 تک نہ صرف بھاری اسلحہ و مشینری افغانستان سے منتقل کرنی ہے بلکہ فوجوں کی ایک بڑی تعداد نے بھی واپس لوٹنا ہے۔امریکہ نہیں چاہتا کہ افغان اور پاکستانی طالبان مل کر ان کا وہی حشر کریں جو انہوں نے روس کا کیا تھا اس لئے وہ شمالی وزیرستان کو کلیئر اور طالبان کا کمر توڑنا چاہتے ہیں تاکہ تحریکِ طالبان پاکستان کسی بھی صورت میں سرحد کے پار جا کر افغان طالبان کے ساتھ مل کر امریکہ اور نیٹو افواج کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔ مگر اس آپریشن کے لئے ضروری ہے کہ پاک فوج کے پیچھے پاکستانی عوام کھڑی ہو، کیونکہ کوئی بھی فوج عوام کے تعاون کے بغیر کسی بھی مہم میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔'' یہ تو مغرب کی سوچ ہے جبکہ دوسری طرف طالبان کئی گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں جسکی وجہ سے مذاکرات ناکام ہو سکتے ہیں مثلاً 23 ایف سی مغوی اہلکاروں کی شہادت ایک ایسا واقعہ ہے، جس نے مذاکراتی عمل کو تعطل میں ڈال دیا ہے۔پاکستان دشمن عناصر بعض طالبان گروپوں کو مذاکرات کی ناکامی کے لئے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن سب سے اہم اور فیصلہ کن کردار ہمارے حکمرانوں کی سوچ اور دوراندیشی کی قوت ادا کرے گی۔

اگر ہم اپنے حکمرانوں کے ماضی میں کئے گئے فیصلوں پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ہمارے حکمران ہمیشہ کسی اور کے مرضی و منشاء کے مطابق فیصلے کرتے چلے آ رہے ہیں، ہمارے حکمران کبھی بھی اپنے فیصلوں میں آزاد نہیں رہے۔ہماری خارجہ پالیسی بھی کسی اور کی تابع رہی ہے۔اسی لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر طالبان سے حکومت کے مذاکرات کامیاب ہو جاتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں ملک میں امن قائم ہوتا ہے تو یہ ایک معجزہ ہوگا۔ہماری دعا ہے کہ یہ معجزہ رونما ہو جائے کیونکہ پاکستانی عوام خصوصا خیبر پختونخواہ کے عوام اپنے پیاروں کی لاشیں اٹھا اٹھا کر اب تھک چکے ہیں۔۔۔۔

پارلیمنٹ لاجز کی کہانی، دستی کی زبانی

سردارِ دوجہاں ، سرورِ کائنات حضرت محمد ﷺ کا قول ہے کہ " جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے روک دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روک دے اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو دل میں برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کم درجہ ہے" بد قسمتی سے ہمارے معاشرے میں بہت کم لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جو پہلے اور دوسرے درجے پر فائز ہوں یا کم از کم تیسرے درجہ میں تو ان کا شمار ہو سکے ۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم ان لوگوں کو اسمبلیوں کے لئے منتخب نہ کرتے جو آج پارلیمنٹ لاجز میں ڈیرے ڈالے شراب و شباب کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ مگر مقامِ شکر ہے کہ ابھی ایسے دو چار لوگ بھی موجود ہیں جو برائی کو دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتے۔ جس کی ایک تازہ ترین مثال مظفر گڑھ سے تعلق رکھنے والے درویش صفت آزاد رکنِ قومی اسمبلی جناب جمشید دستی کے حالیہ انکشافات ہیں جو انہوں نے جمعرات کے روز قومی اسمبلی کے فلور پر باآوازِ بلند بیان کئے۔ انہوں نے پارلیمنٹ لاجز میں مقیم قوم کے بعض منتخب نمائندوں کے شغلِ منشیات و جنسیات سے پردہ اٹھایا تو ارکانِ پارلیمنٹ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں ۔ انہوں نے ارکانِ پارلیمنٹ کے لاجز کو عشرت کدے سے تعبیر کرتے ہوئے کہا کہ وہاں ایک طویل عرصہ سے رقص و سرور کی محفلیں

منعقد کی جاتی ہیں ، مجرے ہوتے ہیں ، شراب و شباب کے مزے لوتے جاتے ہیں ، ایک محتاط اندازے کے مطابق سالانہ چار سے پانچ کروڑ کی شراب وہاں استعمال ہوتی ہے، بد کردار لڑکیوں کو لاکر ان پر غریب عوام کا سرمایہ لٹا دیا جاتا ہے۔ سرائیکی علاقے سے منتخب ہونے والے آزار رکنِ اسمبلی جمشید دستی نے کہا کہ نماز، فجر کے بعد جب وہ چھل قدمی کے لئے باہر نکلتے ہیں تو چرس کی بدبو نے ماحول پر غلبہ حاصل کیا ہوا ہوتا ہے۔جب وہ یہ انکشافات کر رہے تھے تو کئی معزز ارکانِ اسمبلی کے چہروں پر شر مساری کے رنگ آتے جاتے رہے، کئی سیخ پا بھی ہوئے، کئی پریشان دکھائی دے رہے تھے اور انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اپنا ردِ عمل کیسا ظاہر کریں، سچ کا اثر کیسے زائل کریں ایک لمحے کے لئے تو اسمبلی حال میں بالکل سناٹا چھاگیا۔ متحدہ قومی مومنٹ سے تعلق، رکھنے والی خاتون محترمہ نعیمہ کشور نے بڑی تیزی کے ساتھ جمشید دستی کا مائیک بند کر دیا اور کہا کہ فاضل رکن اس معاملے کو اسمبلی کے اسپیکر کے چیمبر میں لائین مگر وہ بولتے ہی رہے اور بیانگِ دہل اعلان کرتے رہے کہ ان کے پاس مجروں کے ویڈیو موجود ہیں ،ان کے پاس دیگر کئی اہم ثبوت ہیں جو وہ سپیکر کے سامنے پیش کرینگے۔ گندگی کا یہ کاروبار کافی عرصہ سے جاری و ساری ہے متعلقہ حکام کو کئی بار اطلاع بھی دی گئی مگر کسی کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔ انٹیلیجنس ادارے متعلقہ حکام کو پل پل کی خبر پہنچاتے رہے ہیں۔ لاجز سے نور کے تڑکے کے ساتھ جوان و حسین لڑکیان کاروں مین رخصت ہو

جاتی ہیں جن کا اجڑا سنگھار پوری کہانی کی چغلی کھا رہا ہوتا ہے اور بقولِ شاعر، یہ اترا ہوا چہرہ، یہ بکھرے ہوئے گیسو۔۔ صبح بتا رہی ہے تیری رات کا فسانہ۔یوں علی الصبح لاجز کی رات کا فسانہ افشاء ہوتا ہے۔جمشید دستی کے بیان کے بعد بعض ارکانِ اسمبلی نے جمشید دستی کے بیان پر افسوس اور قدرے غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جمشید دستی کے انکشافات کو ہضم کرنا مشکل ہے۔ قومی اسمبلی کے رکن رجا ہراج نے کہا کہ ارکانِ اسمبلی چلتا پھرتا آئین ہیں۔الزامات سستی شہرت حاصل کرنے کا شاخسانہ ہے،پارلیمانی ایوان میں پہنچنے والے ارکانِ اسمبلی آئین کے آرٹیکل 62, 63 کے معیار پر پورا اترنے کے بعد ہی ایوان میں پہنچے ہیں۔متذکرہ رکن نے آئین کی توہین کی ہے۔پارلیمنٹ کے اندر اور باہر جمشید دستی کا بیان موضوعِ سخن رہا۔ہر کوئی اپنے دفاع میں دور کی کوڑی لاتا رہا۔کسی نے پارلیمنٹ کی راہداریوں میں زرق.برق لباس پہنے خواتین اور چمکتے دمکتے چہروں پر تبصرہ آرائی کی،ایک پارلیمنٹرین نے یہ شعر پڑھا "تیرے میرے پیار کے چرچے ہر زبان پر، سب کو معلوم ہے اور سب کو خبر ہو گئی۔" تحریکِ انصاف کے ایم این نے کہا "بدنام جو ہونگے تو کیا نام نہ ہوگا" چوہدری اسد الرحمان نے 1998 میں نواز شریف کے دور کا وہ قصہ بھی سنایا جب پارلیمنٹ کے بلاک اے سے ایک بے لباس مدہوش خاتون ایم این اے اپارٹمنٹ سے باہر آ گئی تھی۔قصہ مختصر، پالیمنٹ لاجز کی کہانی، جمشید دستی کی زبانی، پورا دن موضوعِ بحث رہا، مگر ایک بات جو بالکل واضح ہے وہ یہ ہے کہ

پاکستانی عوام کے منتخب کردہ بیشتر اراکینِ اسمبلی کو عوام کی کوئی فکر نہیں، وہ ہاتھ آئے موقعہ سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں خواہ وہ ملکی دولت لوٹنے کو موقعہ ہو، شراب و کباب یا شباب کا موقعہ ہو، دونوں ہاتھوں سے فیض یاب ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے راہبرانِ قوم کسی قوم کی ہچکولے کھاتی کشتی کو سمندر کے بیچ سے ساحلِ سمندر تک لا سکیں گے؟ کیا ایسے راہبرانِ قوم پاکستانی عوام کو امن، بے روزگاری سے نجات، مہنگائی سے چھٹکارا دلا سکیں گے؟ اگر نہیں، تو پھر آپ بھی سوچئے!

ہم بھی سوچتے ہیں کہ انجامِ گلستاں کیا ہوگا۔۔۔۔۔۔؟

ایک اچھی خبر، جنگ بندی کا اعلان

امن کی خواہش پاکستانی عوام کی پہلی شدید خواہش بن چکی ہے اس لئے اس حوالے سے جو بھی خبر آتی ہے، عوام کے دل و دماغ امید کی کرن سے روشن ہوتے ہیں اور ان میں خوشی کی لہر دوڑنے لگتی ہے۔ گذشتہ شام جب ٹیلیویژن پر طالبان کی طرف سے ایک ماہ کے لئے جنگ بندی کا اعلان سامنے آیا تو امن کی ٹوٹتی امیدیں پھر سے جاگ اٹھیں ۔ تحریکِ طالبان کے ترجمان شاہد اللہ شاہد نے نامعلوم مقام سے بیان جاری کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ وہ ملک بھر میں ایک ماہ کے لئے غیر مشروط طور پر جنگ بندی کا اعلان کرتے ہیں اس جنگ بندی کا اطلاق تحریکِ طالبان کی تمام ذیلی تنظیموں پر ہوگا۔ ترجمان نے کہا کہ حکومت نے ڈیڈ لاک ختم کرنے اور ان کے تجاویز کا مثبت جواب دیا ہے انھوں نے کہا جنگ بندی کا فیصلہ شوریٰ کے اتفاق اور امیر کی تائید سے کیا گیا ہے۔ تحریکِ طالبان مہمند ایجنسی کے کمانڈر عمر خراسانی نے بھی جنگ بندی کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ تحریکِ طالبان کا باقاعدہ حصہ ہیں۔ اس لئے ہم تحریکِ طالبان کی طرف سے اعلان کردہ جنگ بندی کی مکمل حمایت کرتے ہیں۔ کراچی میں بھی طالبان کی طرف سے جنگ بندی پر عمل درآمد کا اعلان کر دیا گیا ہے ۔ جبکہ دوسری طرف حکومت کی طرف سے بھی طالبان کی طرف سے جنگ بندی کے

اعلان کو ایک مثبت پیش رفت قرار دیا گیا ہے۔ وزیر اعظم نواز شریف نے آرمی چیف کو حملے نہ کرنے کی ہدایت جاری کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب تک تحریکِ طالبان پاکستان کی طرف سےایک ماہ کے لئے جنگ بندی کے اعلان پر غور نہیں کیا جاتا اور صورتِ حال کا سنجیدگی کے ساتھ جائزہ نہیں لیا جاتا تب تک طالبان کے خلاف زمینی اور فضائی حملے روک دیے جائیں۔ امید کی جا رہی ہے کہ عسکری و سیویلین قیادت کے درمیان صلاح مشورے کے بعد جلد ہی حکومت کی طرف سے بھی جنگ بندی کا اعلان کیا جائیگا۔ وزیرِ داخلہ چوہدری نثار علی خان نے مولانا سمیع الحق سے ' جو آج کل مدینہ منورہ میں ہیں ' سے ٹیلیفون پر بات چیت کرتے ہوئے طالبان کے طرف سے جنگ بندی اعلان کا خیر مقدم کیا اور یقین دہانی کرائی کہ حکومت کی طرف سے بھی جنگ بندی کے اعلان پر مثبت ردِ عمل ہوگا۔ اس سلسلے میں دونوں رہنماؤں کے درمیان طے ہوا کہ اگلے ایک دو دن میں دونوں مذاکراتی کمیٹیوں کا اجلاس منعقد ہوگا۔ میجر عامر، جس نے طالبان کو جنگ بندی پر آمادہ کرنے کے لئے کلیدی کردار ادا کیا، وزیرِ داخلہ سے ملاقات کی اور تجویز دی کہ حکومتی کمیٹی کو تحلیل کیا جائے اور حکومت طالبان سے براہِ راست مذاکرات کرے۔

کالعدم تحریکِ طالبان کی جانب سے جنگ بندی کے اعلان پر مختلف سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے بھی مثبت ردِ عمل کا اظہار کرتے ہوئے اسے خوش آئیند

قدم قرار دیا ہے۔ جے یو آئی (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا ہے کہ جنگ بندی طالبان کا مدبّرانہ فیصلہ ہے حکومت اب فوری طور پر پارلیمانی پارٹیوں کا اجلاس بلائے۔ جماعتِ اسلامی کے قائد پروفیسر ابراہیم نے جنگ بندی کو مذکرات کی بحالی کا پہلا قدم قرار دیا ہے اور حکومت سے فراخ دلی اور وسیع القلبی کا مظاہرہ کرنے مطالبہ کیا ہے۔ پختونخواہ حکومت نے طالبان کی جنگ بندی اعلان کو خوش آئیند قرار دیا ہے۔ وزیرِ اطلاعات و تعلقاتِ عامہ شاہ فرمان نے سیز فائر کے اعلان کو ملک میں امن کے قیام کے لئے ایک انتہائی اہم اقدام قرار دیا ہے۔ اے این پی اور پیپلز پارٹی کے رہنماؤں نے بھی جنگ بندی کے اعلان کو اہم پیش رفت قرار دیا ہے۔ نئی ابھرتی ہوئی سیاسی پارٹی کے چئیرمین ندیم ممتاز قریشی نے طالبان کی جانب سے جنگ بندی کے اعلان کو خیر مقدم کہتے ہوئے کہا ہے کہ اب مذاکرات کا دور دوبارہ شروع ہو جانا چاہئے اور اسے منطقی انجام تک پہنچانا چاہئیے۔

درج بالا بیانات اور صورتِ حال کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ امن کی خواہش ہر جگہ اور ہر فورم پر موجود ہے۔ عوام، حکومت، سیاسی قائدین، اور طالبان سبھی امن چاہتے ہیں، اندریں حالات امن مذاکرات کی کامیابی کا قوی امکان موجود ہے۔ ہم حکومت اور طالبان دونوں فریقین سے یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ دور اندیشی، ذہانت اور فراخ دلانہ سوچ کا مظاہرہ

کرتے ہوئے امن کے لئے خلوصِ نیت کے ساتھ کوشش کریں گے اور ان عناصر سے
جو پاکستان میں امن نہیں چاہتے، خبردار رہتے ہوئے، دامن بچاتے ہوئے عوام کے
لئے مستقل بنیادوں پر امن قائم کرنے کی نوید سنائیں گے۔ عوام ایک ماہ کے لئے نہیں،
ہمیشہ کے لئے امن کی خوشخبری سننے کی منتظر ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تھر بھی ہمارا گھر

کبھی کبھار جب ٹیلی وژن پر صومالیہ، ایتھوپیا اور سوڈان جیسے ممالک میں بھوک سے بلکتے، روتے اور موت سے لڑتے بچوں کو میں دیکھتا تو میرا کلیجہ منہ کو آتا۔اب اپنے ہی ملک میں تھر کے علاقے میں غذائی قلّت کے باعث 125 سے زیادہ بچوں کو موت کے منہ میں چباتے دیکھا تو دل خون کے آنسو رونے لگا ہے اور مجھے یقین ہے کہ میرے تمام محبِ وطن بھائی ان بچوں کی موت پر اپنے.برسرِ اقتدار طبقہ کی بے حسّی پر یقینا غمزدہ ہوں گے۔تھر صوبہ سندھ میں واقع بیں ہزار مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا علاقہ ہے جہاں دس لاکھ سے زائد لوگ آباد ہیں۔دنیا میں کوئلے کے ذخائر کے لحاظ سے تھر چوتھے نمبر پر ہے دیگر معدنیات بھی وافر مقدار میں موجود ہیں۔مگر ان کے باسی نہایت غربت اور کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں، بارشیں بہت کم ہوتی ہیں مگر قحط اچانک کبھی نہیں آتا اس کی نشانیاں پہلے سے ضرور نظر آجاتی ہیں اور حکمران بیدار ہوں تو پیشگی حفاظتی اقدامات سے قحط کے برے اثرات سے آسانی سے بچا جا سکتا ہے اور اس دورِ جدید میں قحط کے آگے بند باندھنا تو کوئی مشکل ہی نہیں، مگر افسوس کے ہمارے ملک کے حکمران غریب لوگوں کو کیڑے مکوڑوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جو ملک گندم کے لحاظ سے خود کفیل ہو، جہاں گندم حکومت کے گوداموں میں

پڑے پڑے گل سڑ جاتی ہو، جہاں چاول کی ایک بہت بڑی مقدار برآمد کی جاتی ہو، وہاں لوگ بھوک سے مر جائیں۔

سندھ میں پیپلز پارٹی کی حکومت ہے اور پیپلز پارٹی کے بڑے غریبوں کے گن گاتے تھکتے نہیں، با وثوق ذرائع کے مطابق آصف علی زرداری کے اکاونٹ میں دو ارب ڈالر سے زیادہ کی رقم موجود ہے اس کے علاوہ اندرونِ ملک اور بیرونی ملک کھربوں ڈالر کی جائیداد اس کے علاوہ ہے،،برطانیہ، بلجیئم اور امریکہ میں کئی جگھوں پر ان کی اربوں ڈالر کی جائیداد اور بزنس ہے مگر ان کے ووٹروں کے بچے بھوک سے مر رہے ہیں ادھر ان کا بیٹا بلاول زرداری بھٹو سندھ فیسٹول منعقد کوا کر غریبوں کا مذاق اڑا رہا ہے۔ سندھ کا وزیر اعلیٰ اور پیپلز پارٹی کا جیالا سید قاسم علی شاہ تھر کے علاقے میں غریبوں کے شیر خوار بچوں کی موت پر مگر مچھ کے آنسو بہانے اپنی روایتی کروفر کے ساتھ جب بھوک سے بے حال لوگوں کے پاس پہنچتا بھی ہے تو خود کھانے میں تکّے، کباب، چرغے، مچھلی اور پلاؤ ضرور شامل کرتا ہے۔ کیا شان ہے پاکستانی حکمرانوں کی، ایک طرف چند لقموں کے لئے ترستے ہوئے عوام اور دوسری طرف سرکاری خرچ پر انواع واقسام کے لذیذ کھانے۔کاش ہمارے حکمران مسلمان حکمرانوں کے طرزِ حکمرانی سے واقف ہوتے۔ انہوں نے امریکہ اور برطانیہ کے درسگاہوں میں یہ بھی پڑھا ہوتا کہ حضرت عمرِ فاروقؓ سے جب کسی نے پوچھا کہ آپ ایک بہت بڑے اور وسیع

سلطنت کے مالک ہیں، آپ اپنے کندھوں پر راشن کی بوریاں اٹھا کر لوگوں میں تقسیم کرنے کی تکلیف کیوں کرتے ہیں؟

تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا ''خدا کی قسم! اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک یا پیاس سے مر جائے تو اس کی بازپرس مجھ سے کی جائے گی'' اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قحط پڑا تو وہ اس وقت تک صرف جو کی روٹی کھاتے رہے جب تک انہوں نے ریاست کے تمام افراد کو وافر مقدار میں خوراک کا بندوبست نہیں کیا، اسی طرح حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں قحط آیا تو انہوں نے غلّے سے لدے ہوئے اپنے تمام اونٹوں سے غلّہ اتروا کر اہلِ مدینہ میں تقسیم کیا۔ کاش ہمارے حکمرانوں کو بھی اپنی ذمہ داری کا احساس ہوتا اور اس بات کا بھی احساس ہوتا کہ قیامت کے روز ان سے بھی اپنی رعایا کے متعلق بازپرس ہوگی۔

تھر میں اگر حکمران وہاں کے حالات پر کڑی نظر رکھتے اور بروقت فیصلے کرتے تو یقیناً نہ تو اتنی انسانی جانیں ضائع ہوتیں اور نہ ہی اتنی بیماریاں پھیلتیں۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں قحط کا آنا حکمرانوں کے نالائقی و نااہلی کا بیّن ثبوت ہے۔ ورنہ جدید ٹیکنالوجی اور تحقیق سے آسانی کے ساتھ اسے روکا جا سکتا ہے۔ تھر ہمارا گھر ہے، خشک سالی یہاں معمول کی بات ہے اس لئے

حکومت کو چاہیئے کہ اس علاقے پر مسلسل نظر رکھے ، محکمہ صحت کو بھی فعال رکھے اور دیگر تمام حفاظتی اقدامات کو ہمیشہ مدِ نظر رکھے ، موجودہ صورتِ حال پر قابو پانے کے لئے ہر ممکن اقدام اٹھائے تاکہ مزید انسانی جانوں کی ضیاع کو روکا جاسکے۔

تنخواہیں نہ بڑھانے کی تجویز

بدھ کے روز قومی اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے انکشاف کیا ہے کہ آیئندہ بجٹ میں سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں اضافے اور پنشن بڑھانے کی کوئی تجویز زیرِ غور نہیں۔ وزیر، خزانہ کا یہ بیان یقینا سرکاری ملازمین کے لئے کسی بڑے صدمہ سے کم نہیں ، کیونکہ سرکاری ملازمین ہی وہ طبقہ ہے جو مہنگائی سے سب سے زیادہ متاثر ہوتا ہے، جس کی آمدنی لگی بندھی اور محدود ہوتی ہے۔تاجر پیشہ اور اس طرح کے دوسرے حضرات مہنگائی کے تناسب سے اپنے منافع کی شرح میں بھی اضافہ کر دیتے ہیں مگر ملازمین ایسا نہیں کر سکتے۔ سرکاری ملازمین ہی وہ طبقہ ہے جو حکومت کو باقاعدگی کے ساتھ ٹیکس بھی ادا کرتے ہیں۔ ان کے تنخواہوں سے ہی ٹیکس منہا کر دیا جاتا ہے اور سرکاری ملازمین ہی وہ طبقہ ہے جو حکومت کے مشینری کو چلاتا ہے، سرکاری ملازمین ہی وہ کل پرزے ہیں جس کی وجہ سے حکومت کی مشینری رواں دواں ہوتی ہے۔اسی طرح پنشنرز حضرات نے اپنی عمر کا قیمتی حصہ وطنِ عزیز کے لئے اپنی خدمات سرانجام دیتے ہوئے گزری ہوتی ہے اور ساٹھ سال کے بعد ان کے ضروریاتِ زندگی پورا کرنے کے لئے صرف پنشن ہی ان کا واحد سہارا ہوتا ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ ارکانِ پارلیمنٹ اپنے تنخواہوں اور مراعات میں اضافے کا قانون راتوں رات منظور کر

دیتے ہیں لیکن جب سرکاری ملازمین اور پنشنرز حضرات کے تنخواہوں میں اضافے کا وقت ہے تو ان کو خزانہ خالی نظر آتا ہے۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ ملک کا برسرِ اقتدار طبقہ ملکی وسائل میں سے غریب طبقہ کو کچھ دینے کو تیار نہیں۔جب وہ خود بیرونِ ملک دوروں پر جاتے ہیں ، اپنے اہل و عیال کے علاج معالجے کے لئے بیرونِ ملک جاتے ہیں تو ملکی خزانہ ان کو بھرا ہوا نظر آتا ہے۔اسی ملکی خزانہ سے وہ بیرونِ ملک بھی عیاشیاں کرتے ہیں اور اندرونِ ملک بھی ان کے لا جز سے شراب کی بوتلیں اور رنگ برنگی تتلیاں نظر آتی ہیں۔

لیکن افسوس صد افسوس کہ پاکستان میں ہر آنے والا دن غریب طبقہ کے لئے بالعموم اور سرکاری ملازمین کے لئے بالخصوص ایک نئی مشکل کا سامنا کرنے پر مجبور کرتا ہے۔آئے روز حکومت عوام کے مشکلات میں اضافے کے لئے کوئی نہ کوئی قدم ضرور اٹھاتی ہے ۔اگر آج بجلی کے نرخوں میں اضافے کا اعلان کرتی ہے، تو کل آٹے کی قیمت میں اضافہ کیا جاتا ہے اور پرسوں گیس یا تیل کی قیمتوں میں اضافے کا اعلان کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے تمام اشیائے ضروریاتِ زندگی کے قیمتوں خود بخود اضافہ ہو جاتا ہے۔

ایک طرف تو وہ طبقہ ہے جس کو زندگی کی تمام آسائشیں میسّر ہیں جبکہ دوسری طرف وہ طبقہ ہے جو مہنگائی کی چکی میں پِس رہا ہے جسے مناسب غذائی سہولیات بھی میسّر نہیں، وہ اپنے بچوں کو معیاری تعلیم دینے سے قاصر ہیں، علاج معالجے کی سہولت میسّر نہیں، سفید پوشی کا بھرم رکھنا ممکن نہیں رہا۔

وزیرِ اعظم میاں نواز شریف نے انتخابی مہم کے دوران کہا تھا کہ اگر ہماری پارٹی برسر اقتدار آئی تو ہم کم از کم تنخواہ پندرہ ہزار روپے کر دیں گے، بے روزگاروں کو روزگار دیں گے۔ مگر افسوس کہ اب وہ بے روزگاروں کو روزگار دینا تو درکنار، وہ با روزگاروں کو بھی بے روزگار بنا رہے ہیں۔

اگر حکومت مہنگائی میں اضافے کے تناسب سے سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ نہیں کیا جاتا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حکومت جان بوجھ کر سرکاری ملازمین کو رشوت، کرپشن اور بد عنوانی پر مجبور کر رہی ہے، کیونکہ جس شخص کے بچوں کو روٹی، کپڑا، تعلیم اور علاج معالجے کی سہولت میسّر نہ ہو، وہ اپنی آمدنی بڑھانے کے لئے ناجائز ذرائع ہی استعمال کرے گا، کوئی شخص اپنے بچوں کو بھوک سے بلکتا نہیں دیکھ سکتا۔ جس طرح بجلی کے نرخ بڑھانے سے 'باوجود سخت قوانین کے، بجلی چوری میں اضافہ ہوا ہے اسی طرح تنخواہوں میں اضافہ نہ کرنے سے رشوت خوری میں اضافہ ہوگا۔

عین ممکن ہے کہ وزیرِ خزانہ اسحاق ڈار کا تنخواہیں نہ بڑھانے کا اعلان سرکاری ملازمین کو آئندہ بجٹ میں نہایت معمولی اضافہ پر صابر و شاکر رکھنے کا ایک نفسیاتی چال ہو، مگر انہیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ اگر سرکاری ملازمین کے تنخواہوں میں مناسب اضافہ نہ کیا گیا اور ضعیف العمر پنشنرز کی بھی بد دعائیں سمیٹ لی گئیں تو حکومت کے لئے بہت بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا ہم حکومت سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ مہنگائی میں اضافے کو مدِ نظر رکھ کر تنخواہوں اور پنشن میں اضافے کا بر وقت اعلان کر دے اور وزیرِ خزانہ اسحاق ڈار کے اعلان سے سرکاری ملازمین میں پھیلتی ہوئی بے چینی کو ختم کیا جائے۔۔۔۔۔

سپہ سالار کا شکوہ

بد قسمتی سے ہمارے ملک میں سیاست دانوں اور فوج کے درمیان ہمیشہ سے بد گمانیاں جنم لیتی رہی ہیں جس کا نتیجہ ملک کے لئے ہمیشہ نقصان دہ رہا ہے۔سیاستدان ہمیشہ یہ شکوہ برِ اب رہے کہ فوج جمہوریت کو پنپنے نہیں دیتے جبکہ فوجی جرنیل سیاست دانوں کی نا اہلی، کرپشن اور اقرباء پروری کو موردِ الزام ٹھہراتے رہے ہیں، کون درست ہے، کون غلط ؟ یہ ایک طویل طلب بحث ہے۔البتہ ہم اس وقت گذشتہ روز وزیرِ دفاع خواجہ آصف اور وزیرِ ریلوے جناب عابد شیر علی کی طرف سے پاک فوج پر داغے گئے قولی میزائیل اور اس کے جواب میں پاک کے سپہ سالار جنرل راحیل کے شکوہ کے متعلق فکر مند ہیں کیونکہ سیاستدانوں اور فوج کی چپقلش ملک میں قائم نام نہاد جمہوریت کے لئے زہرِ قاتل ثابت ہو سکتی ہے۔

پیر کے دن پاک فوج کے سپہ سالار جناب جنرل راحیل شریف نے غازی بیس میں قائم پاک فوج کے مایہ ناز گروپ، سپیشل سروس گروپ کا دورہ کیا جہاں انھوں نے کمانڈو گروپ کے جوانوں سے خطاب کیا اور ان کی جنگی مہارت اور بہادری کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ پاک فوج نے مادرِ وطن کے تحفظ اور

سلامتی سے کبھی دریغ کیا اور نہ کبھی کرے گی اور قومی حمایت کے ساتھ روایتی ہم آ ہنگی اور عزم کے ساتھ قومی سلامتی اور تعمیر و ترقی کا فریضہ انجام دیتی رہے گی مگر اس کلام، تحسینی کے ساتھ ساتھ انہوں نے بڑے نپے تلے انداز میں یہ شکوہ بھی کیا کہ بعض سیاستدان بے جا طور پر ایسے بیانات دے رہے ہیں جس پر ہمارے فوجی جوانوں کو بجا طور پر تحفظات ہیں اور تشویش بھی ہے۔آرمی چیف کا یہ بیان یقینا مبنی بر حقیقت ہے اور لائق توجہ ہے۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ پاک آرمی نہ صرف یہ کہ ملک کی دفاع اور سلامتی کے لئے ہمیشہ سے جانوں کا نذرانہ پیش کرتی چلی آ رہی ہے بلکہ ملک میں جاری دہشت گردی کے جنگ میں تا حال پھنسی ہوئی ہے ان کے ہزاروں جوان اور آفیسرز نے اس جنگ میں اپنی جانیں قربان کی ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں معذور ہو چکے ہیں، اس کے علاوہ سیلاب ہو یا زلزلہ یا کوئی اور ناگہانی آفت، فوج کے جوان عوام کی مدد کے لئے ہر دم چوکس اور برسرپیکار رہتے ہیں اس کے باوجود پاک فوج پر طنز و ملامت کے تیر چلانا یقینا ایک شرمناک حرکت ہے۔

جہاں تک جنرل پرویز مشرف کے معاملہ کا تعلق ہے، قوم اس سلسلہ میں دو حصوں میں تقسیم ہے۔ایک کثیر تعداد کی رائے یہ ہے کہ جنرل مشرف کے خلاف مقدمہ نواز شریف اور عدلیہ کی انتقامی کاروائی کا شاخسانہ ہے کیونکہ اسے 12 اکتوبر 1999 سے شروع کرنے کی بجائے 3 نومبر 2007 کے اقدام پر شروع کیا گیا

ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ حکومت کسی کو بچانا چاہتی ہے اور کسی کو پھنسانا چاہتی ہے۔ بہت سارے لوگوں کی رائے یہ بھی ہے کہ اس وقت ملک کثیر الجہت مشکلات کا شکار ہے اس لئے حکومت کو پرویز مشرّف کے چکّر سے نکل جانا چاہیئے اسے باہر جانے کی اجازت ملنی چاہیے۔ اگر پرویز مشرف کے خلاف مقدمہ چلانا ضروری ہے تو اسے عدالت کے سپرد کرکے سیاستدانوں کو خاموش رہنا چاہیئے۔ وزیر دفاع ہوتے ہوئے خواجہ محمد آصف کا پرویز مشرف پر اس انداز میں تنقید کرنا، جس سے پاک فوج کے ان جوانوں اور افسروں کو دکھ پہنچے جو اس وقت ہزارہا مشکلات کے باوجود جان ہتھیلی پر رکھ کر ملک کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کر رہے ہیں، ان پر تنقید یقیناً بلا جواز اور نا مناسب ہے۔ فوج نے سابقہ پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت میں بڑے ناروا قسم کے زخم سہتے ہوئے منتخب جمہوری حکومت کا ساتھ دیا۔ اب ایسی صورتِ حال کا پیش آنا کہ فوج کے تعلقاتِ عامہ کو باقاعدہ ایک پریس ریلیز جاری کرنے کی ضرورت پیش آئی جس کے ذریعے حکومتی کرسیوں پر براجماں سیاستدانوں کو متنبّہ کرنا پڑا کہ 'ہم اپنے ادارے یعنی پاک فوج کی توہین برداشت نہیں کر سکتے' یقیناً ایک قابلِ توجہ معاملہ ہے۔ گزشتہ روز منعقد ہونے والے کور کمانڈر کانفرنس میں بھی وزیرِ دفاع خواجہ محمد آصف کے بیان پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا۔

اندریں حالات ہمارا حکومت کو یہ مشورہ ہے کہ وہ عوام کے مسائل و مشکلات پر اپنی پوری توجہ دے۔جہاں تک پرویز مشرف کا تعلق ہے،اس کا معاملہ عدالتوں کے سپرد ہے انہیں اپنا کام کرنے دیا جائے۔وزراء کو ایسے بیانات دینے سے گریز کرنا چاہیے جس کا، مطلب فوج کو نشانہ سمجھا جائے۔فوج اس ملک کا ایک باوقار ادارہ ہے،پرویز مشرف اس کے سربراہ رہے ہیں،جہاں کئی لوگ اس کے مخالف ہیں،وہاں بہت سے لوگ اس کے ہمدرد بھی ہیں بایں وجہ حدِ اعتدال سے بڑھ کر ان پر رائے زنی کرنا مناسب نہیں ہوگا ورنہ اسی طرح کا ردِ عمل بھی سامنے آئے گا، تلخیاں بڑھیں گی اور معاملہ 1999 والی صورتِ حال بھی اختیار کرسکتا ہے اور سیاستدانوں کو یہ بات بھی ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ دودھ پینے والے اور خون دینے والے کبھی برابر نہیں ہو سکتے.........

قانون کی حکمرانی

اگر ہم پاکستانی عوام کو درپیش مشکلات و مسائل کا شمار کریں تو یہ بے شمار ہیں ۔اگر ان مسائل کو ترجیحات کی شکل میں مرتب کریں تو میرے نزدیک پاکستان کا نمبر۔ ون مسئلہ قانون کی حکمرانی کا مسئلہ ہے۔جسے ہمارا سرمایہ دار، جاگیر دار اور حکمران طبقہ کسی بھی صورت قبول کرنے کو تیار نہیں ۔وہ زبان سے تو قانون کی حکمرانی (Rule of Law) کی بات کرتے ہیں مگر سچی بات یہ ہے کہ قانون کو گھر کی لونڈی بنانے والے اور قانون کی دھجیاں اڑانے والے یہی لوگ ہیں جو برسرِ اقتدار ہیں، یا بااختیار ہیں ۔پاکستان میں قانون مکڑی کا وہ جالہ ہے جس میں کمزور پھنستا ہے اور طاقتور اس سے بحفاظت نکل جاتا ہے ۔اہلِ زر سمجھتے ہیں کہ قانون پر عملداری سے ان کی شان و شوکت، اہمیت، نمود و نمائش اور بالاتر حیثیت میں کمی آ تی ہے لہٰذا وہ اپنی بالاتر حیثیت اور شان و شوکت کو قائم رکھنے کے لئے قانون توڑنے ہی میں اپنی عاقبت اور راحت سمجھتے ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہی طبقہ چونکہ اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے بناء۔برایں یہی طبقہ آئین سے وفاداری کا حلف بھی اٹھاتا ہے مگر آئین کی خلاف ورزی بھی یہی طبقہ کرتا رہتا ہے۔ بلکہ آئین کی پامالی، قانون کو توڑنے اور قانون کو اپنی ضرورت کے

لئے استعمال کرنے میں انہیں لطف آتا ہے۔ کیونکہ اس طرح ان کی آن بان، شان و شوکت اور بالاتری کا احساس قائم و دائم رہتا ہے۔
اخبارات یوں تو رنگ۔برنگی تصویروں اور سیاہ لفظوں کا مجموعہ ہوتا ہے مگر غور سے دیکھیں اور پڑھیں تو اس میں آپ کو روز ایسے واقعات ملیں گے جو اس بات کا واضح ثبوت ہوتا ہے کہ طاقتور ہمیشہ قانون کے جالے سے نکل جاتا ہے۔ ان طاقتوروں کے ہاتھوں روزانہ غریب عورتوں کی عصمتیں لوٹی جاتی ہیں، دامن داغدار ہوتی ہیں، ملازم بچّے تشدّد کا نشانہ بنتے ہیں، قدم قدم پر غریبوں کے بنیادی حقوق پاؤں تلے روندھے جاتے ہیں۔ مگر قانون ان کے سامنے بے بس ہوتا ہے، اس لئے کہ قانون پر عمل کروانے والے بھی یہی لوگ ہوتے ہیں۔ یہی طبقہ اربوں روپے کی کرپشن کرتا ہے، اربوں روپے کی ٹیکس چوری کرتا ہے مگر قانون کی گرفت میں نہیں آتا۔ دیکھا دیکھی متوسط اور ادنٰی ملازمین بھی مقدور بھر کرپشن اور رشوت خوری میں ملّوث ہو جاتے ہیں کیونکہ " الناس علی دین ملوکھم " لوگ وہی کچھ کرتے ہیں جو ان کے حاکم کرتے ہیں۔
قانون پر عمل درآمد کے لئے پولیس اور عدلیہ ملک میں موجود ہے مگر کیا کریں کہ پولیس تو تخلیق ہی سرمایہ دار اور حکمران طبقہ کی ہے وہ تو اس طبقہ کے ہر حکم بجالانے میں ہی عاقیت سمجھتی ہے۔ جہاں تک عدلیہ کا تعلق

ہے ،جان کی امان پاوں ، تو حقیقت یہ ہے کہ عدلیہ کی آزادی کے لئے سول سوسائٹی اور وکلاء نے مل کر تحریک چلائی ،اس لئے کہ عدلیہ آزاد ہو گی، مضبوط ہو گی تو ملک میں انصاف اور قانون کا بول بالا ہو گا۔ عدلیہ کی آزادی کے لئے چلنے والی تحریک کامیاب ہوئی تو قوم نے سکھ کا سانس لیا اور اس امید کا چراغ روشن ہوا کہ اب ملک میں قانون اور آئین کی بالا دستی کا دور شروع ہو گا مگر افسوس صد افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔ سابق چیف جسٹس افتخار محمد چودھری نے انصاف سے انصاف نہ کیا۔ وہ ایک متنازعہ شخصیت رہے اور ملک کے اعلیٰ ترین ادارے ، عدلیہ، کا سربراہ اگر متنازعہ ہو جائے تو پھر انصاف ہوتا ہوا نظر نہیں آتا جبکہ انصاف وہ ہے جو انصاف ہوتا ہوا نظر بھی آئے۔ عدلیہ کا کردار ماضی میں کیا رہا ہے اور ابھی کیا ہو رہا ہے ،اسے لکھنے یا دہرانے کی ضرورت نہیں ۔

یہ ہمارا قومی المیہ ہے کہ ہمارے مقتدر اور حکمران طبقے قانون کا مذاق اڑاتے ہیں اور پھر یہ بھی چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ اور عام شہری قانون پر عمل کریں ۔اس وقت ملک میں لاقانونیت اور افراتفری کا جو سمندر برپا نظر آتا ہے وہ ہمارے ایلیٹ اور حکمران طبقے کا قانون سے روگردانی ہے ۔اگر حکمران طبقہ ملک میں حقیقتاً قانون و آئین کی بالا دستی چاہتا ہے تو انہیں چاہیئے کہ وہ سب سے پہلے اپنے آپ کو قانون کا پابند بنائیں ، قانون کا

احترام کریں اور عام شہریوں کے لئے ایسی مثال پیش نہ کریں جسے دیکھ کر وہ بھی قانون کا احترام کرنا چھوڑ دیں۔

دونوں نے ٹھیک کہا مگر۔۔۔؟

وطنِ عزیز میں عجیب عجیب تماشے ہوتے رہتے ہیں ۔بلکہ یہاں کی ہر چیز ہی عجیب ہے ، یہاں کے عوام بھی عجیب اور یہاں کے سیاستدان بھی عجیب۔ہم نے تو سنا تھا کہ دنیا میں اگر کسی چیز کو ثبات حاصل ہے تو وہ تغیر یعنی تبدیلی ہے ۔تبدیلی کا وجود ہر زمانے ،ہر پل اور ہر وقت پایا جاتا ہے مگر ایک یہ ہمارا بد قسمت ملک ہے جس میں باقی ہر چیز پائی جاتی ہے مگر تبدیلی نہیں آتی۔ہمارا جو حال 65 سال پہلے تھا، وہی آج بھی ہے ۔اس وقت پاکستانی عوام روٹی، روزگار اور چھت کے لئے ترس رہی تھی اور آج بھی عوام دو وقت کی روٹی اور سر چھپانے کی جگہ کے لئے ترس رہی ہے۔اگر تبدیلی آئی ہے تو سرمایہ داروں کے بنک بیلنس میں آئی ہے ۔اگر پہلے وہ لاکھ پتی تھے تو آج وہ ارب پتی ہیں۔ لفظ '' تبدیلی '' یا انقلاب پاکستانی عوام کے لئے ایک بڑا پر کشش لفظ بن گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو کوئی تبدیلی یا انقلاب کا نعرہ لگاتا ہے، عوام اس کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں ۔ذوالفقار علی بھٹو (مرحوم) نے روٹی، کپڑا، مکان اور تبدیلی کا نعرہ لگایا تو عوام اس کے پیچھے چل پڑے، نواز شریف نے '' جاگ پنجابی جاگ '' کا نعرہ لگایا تو پنجابیوں نے اس نعرہ میں تبدیلی کی کشش محسوس کی اور پورا پنجاب اس کے پیچھے دوڑنے لگا۔ عمران

خان نے تبدیلی کا نعرہ لگایا تو عوام اس کے سونامی میں شامل ہو گئے،ڈاکٹر طاہرا لقادری نے انقلاب کا نعرہء مستانہ بلند کیا ہے تو لوگ اس کے ارد گرد جمع ہونا شروع ہو گئے ہیں۔

گزشتہ اتوار کو پورے پاکستان میں 'تبدیلی' کی ہوا چل رہی تھی اگر ایک طرف اسلام آباد کے ڈی چوک میں تبدیلی کا نشان ، عمران خان تبدیلی لانے پر بضد تھے تو دوسری طرف طاہر القادری ویڈیو لنک کے ذریعے انقلاب کا نعرہ مستانہ بلند کر رہے تھے۔

تحریکِ انصاف کے چیئرمین عمران خان کا مطالبہ تھا کہ نیا الیکشن کمیشن تشکیل دیا جائے،انگوٹھوں کی تصدیق کی جائے، عوامی مینڈیٹ چوری کرنے والوں کو سزا دی جائے،انتخابات بائیو میٹرک سسٹم کے ذریعے کرائے جائیں ، سمندر پار پاکستانیوں کو ووٹ کا حق دیا جائے اور نگران حکومت میں غیر جانبدار لوگ شامل کئے جائیں ۔ جبکہ دوسری طرف عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری ملک کے مختلف شہروں میں ویڈیو لنک کے ذریعے کارکنوں کے اجتماعات سے خطاب کرتے ہوئے فرمارہے تھے کہ حکومت اور نظام کا خاتمہ واجب ہو چکا ہے، انہوں نے کہا کہ گزشتہ 65 سالوں میں اس ڈھونگی نظام سے عوام کو کچھ نہیں ملا۔ مظلوم طبقہ آج بھی ظلم کی چکی میں پِس رہا ہے، ملک میں جمہوریت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔پارلیمنٹ 75 فی صد قرضہ خوروں، ٹیکس چوروں اور کرپٹ لوگوں سے بھری پڑی ہے۔

اگر ہم اتوار کے روز ہونے والے جلسوں اور ان میں ہونے والے تقاریر کا جائزہ لیں تو ان کے تقاریر کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ عمران خان کا کہنا بھی درست اور طاہر القادری کا کہنا بھی غلط نہیں مگر مسئلہ یہ ہے کہ تبدیلی لائیں تو کیسے لائیں ؟ بیماری کا تو ہر کسی کو پتہ ہے مگر علاج کیسے کیا جائے ؟ کیا عوام نہیں جانتی کہ وطنِ عزیز میں انتخابات کے روز کیا ہوتا ہے؟ کیا عوام کو اپنے لیڈروں کے کرپشن ، بد عنوانی کا علم نہیں ؟ یقیناً ہے، اس لئے تو وہ تبدیلی چاہتے ہیں اور تبدیلی کا نعرہ لگانے والوں کے پیچھے بھاگ دوڑتے ہیں، مگر تبدیلی کیسے آ ئیگی ؟ کیا سیاستدانوں کا اسٹیج پر آ کر مصنوعی جذباتی تقریروں سے تبدیلی آ سکتی ہے؟ ہر گز نہیں ۔۔ تبدیلی کے لئے عوام کا اٹھنا لازمی ہے کیو نکہ عوام ہی طاقت کا سر چشمہ ہیں اور جب تک عوام کے طاقت کو استعمال نہیں کیا جاتا تب تک تبدیلی کا نعرہ ایک سراب ہے، دھوکہ ہے، فریب ہے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ عمران خان اور طاہر القادری دونوں نے جو کچھ کہا ہے، ٹھیک ہی کہا ہے مگر تبدیلی ان کے کہنے سے نہیں ، عوام کے اٹھنے سے آئے گی۔۔۔۔۔۔۔

(آہ ! کرنل ولی احمد خان (مرحوم

بلا شک و شبہ یہ دنیا فانی ہے،ہر ذی روح نے یہاں سے ایک دن کوچ کر جانا ہے گویا اس فانی دنیا سے رخصت ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں ، بلکہ معمول کی بات ہے مگر بعض ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جس کے بچھڑ جانے سے یہ معمول کی نہیں بلکہ غیر معمولی واقعہ لگتا ہے اوران کے بچھڑ جانے سے ہی اس غم کا اندازہ ہو جاتا ہے جو اس سے قبل اس کیفیّت سے گزرے بغیر غم کی کیفیت کو سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔ہمیں اس بات کی توقع تو ہوتی ہے کہ کوئی بھی کسی بھی وقت ہم سے جدا ہو سکتا ہے لیکن ہمیں اس بات کا قطعی اندازہ نہیں ہوتا کہ کسی کے بچھڑ جانے سے ہمارے جسم و روح کس حد تک متاثر ہونگے۔دراصل بعض ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جن کی رحلت سے ایک ایسا خلاء پیدا ہوتا ہے جس کو پر کرنا کسی کی بس کی بات نہیں ہوتی۔ایسی نا قابلِ فراموش ہستیوں میں ایک معتبر نام مرحوم لفٹینٹ کرنل (ر) ولی احمد خان کا ہے جو گزشتہ روز بروزِ اتوار ہم سب کو روتا چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے داغِ مفارقت دے گئے۔
کرنل ولی احمد خان نے 1937 میں ضلع کرک کے ایک دورافتادہ گاوں متوڑ میں

معروف شخصیت جمعدار لشکری خان کے گھر آنکھ کھولی، ملٹری کالج جہلم جیسے نامور ادارے سے تعلیم حاصل کی اور 1959 میں پاک آرمی میں کمیشن حاصل کرکے 23 ویں پی ایم لانگ کورس میں شامل ہوئے اور ٹرینینگ مکمل کرنے کے بعد پاک فوج کے مایہ ناز گروپ فرنٹیئر فورس رجمنٹ میں شمولیت اختیار کی۔

پاک بھارت جنگ 1965 اور 1971 کی جنگوں میں حصہ لیا۔ایک نڈر، بہادر اور سرتا پا فوجی ہونے کے ساتھ جس وصف نے آپ کو امتیازی حیثیت بخشی وہ آپ کی ملنساری اور انسان دوستی تھی، جو کوئی آپ سے ایک دفعہ ملتا،اس کا گرویدہ بن جاتا۔ دورانِ ملازمت یا بعد از ملازمت بے شمار لوگوں کی مدد کی اور فائدہ پہنچاتے رہے ۔ حدیث شریف ہے " خیر من الناس من ینفع الناس " یعنی سرکارِ دو عالم، سرورِ کائنات حضرت محمدؐ کا قول ہے کہ " لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے " اور یقیناً اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں کرنل ولی احمد خان (مرحوم) ایک بہترین شخص تھے۔ مجھے ان کی انتقال کی خبر ان کے بھائی صوبیدار (ر) احمد خان نے بذریعہ فون دی، ان کی انتقال کی خبر صرف میرے لئے ہی نہیں بلکہ ان کے تمام رشتہ داروں، عزیزوں اور دوستوں کے لئے غم کا پہاڑ ٹوٹنے کے مترادف تھی۔ میں بمعہ اپنی اہلیہ بھتیجے ، ڈاکٹر نوید اور محمود کے ان کے گھر چک لالہ راولپنڈی پہنچا تو وہاں ایک کہرام مچا ہوا تھا، ان کے چاہنے والوں کا ایک تانتا بندھا ہوا

تھا۔ واضح رہے کہ آپ کافی عرصہ سے ذیابیطس اور گردوں کے مرض میں مبتلا تھے اور آپ نے راولپنڈی ہی میں تدفین کی خواہش ظاہر کی تھی بوجہ ازیں ان کے گاؤں سے بلکہ پورے ضلع کرک سے راولپنڈی لوگوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ میں ان کے دیدار کے لئے ان کے چارپائی کے پاس پہنچا تو ہزار کوشش کے باوجود ضبط کا یارانہ رہا اور آنسو ٹپک ٹپک میرے آنکھوں سے گرنے لگے۔ ان کے فرزندان کرنل (ر) فرید اقبال، میجر ر) جاوید اقبال اور اختر اقبال اپنے پیارے والد کی داغِ مفارقت پر سکتے کے عالم میں) تھے۔ ان کے بھائی احمد خان، محمد خان، شریف خان، عبدالوحید خان اور گل وحید خان بھی غم سے نڈھال تھے۔

.بریگڈیئر (ر) عطا گل، کرنل شاہد اور کیپٹن طاہر عثمان دور سے آئے ہوئے مہمانوں کی خاطر مدارت میں مصروفِ عمل تھے۔ جنازے کا وقت دن ڈھائی بجے مقرّر تھا۔ ہم دو بجے ان کا جسدِ خاکی آرمی کے ایمبولنس میں لے کر ریس کورس قبرستان کی جانب روانہ ہو گئے تو ان کی شریک حیات، بیٹیاں، بہنیں، بہو اور دیگر پرستار حسرت و یاس، رنج و عالم اور محرومی کی سرابوں میں گریہ کناں تھے۔ قبرستان پہنچے تو وہاں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ شدید گرمی کے باوجود بے شمار لوگ آپ کی آخری دیدار کے منتظر تھے۔ جنازہ پڑھنے کے لئے صف بندی ہوئی، میں نے اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے نظر دوڑائی تو سابق آرمی چیف جنرل عبدالوحید کاکڑ، جنرل (ر) حامد رب نواز، جنرل (ر) اشرف جنجوعہ، جنرل

ر) عمران خان، جنرل (ر) امجد فہیم اور جنرل (ر) آر ڈی بھٹی کے علاوہ کئی اعلیٰ فوجی)
افسران کھڑے نظر آئے۔حسبِ روایت نمازِ جنازہ پڑھنے سے پہلے مرحوم کے بھائی احمد
خان مختصر مگر جامع الفاظ میں جنازہ میں شامل لوگوں سے مخاطب ہوئے۔اگرچہ ان کی
ساری باتیں قابلِ سماعت تھیں مگر میرے دل کو جو بات لگی وہ یہ تھی کہ ہم پانچ
مرحوم کے بھائی اور تین انکے بیٹے یکجا بھی کرلیں تو ان سے ایک کرنل ولی احمد خان نہیں
بن سکتا۔میں سوچتا رہا، واقعی ایسا ہی ہے، کرنل ولی احمد خان جیسے لوگ دنیا میں کم ہی
پیدا ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت کرے۔

بچھڑا کچھ اس انداز سے کہ رُت ہی بدل گئی۔۔۔ایک شخص سارے شہر کو ویران کرگیا

۔

فیس بک کا چسکا

وقت وقت کی بات ہے، ایک زمانہ تھا جب ہم گھر سے دور ہو کر اپنے رشتہ داروں، دوستوں اور عزیزوں سے بات کرنے کے لئے ترستے رہتے تھے لیکن آج میڈیا کے ماہرین نے ایسے ایسے طریقے ایجاد کر رکھے ہیں جس کے ذریعے اپنے، پرائے سب سے ہزاروں میل دور ہی سہی، بات کرنا، تبادلہ خیال کرنا ایک عام سی بات بن گئی ہے۔ ذرائع ابلاغ کے ان ذرائع میں انٹرنیٹ کا کردار سب سے نمایاں ہے اور اسی نیٹ کے ذریعے فیس بک کا استعمال اب اتنا زیادہ ہونے لگا ہے کہ اس وقت صرف پاکستان میں ڈیڑھ کروڑ افراد فیس بک استعمال کرتے ہیں ۔ فیس بک دوستوں اور رشتہ داروں سے ملنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ فیس بک کے ذریعے رابطہ کرنا، اپنے خیالات اور پیغامات دوسروں کے ساتھ شیئر کرنا ، نئے نئے دوست بنانا ، گپ شپ لگانا کسی بھی جگہ ، کسی بھی خطے میں موجود کسی بھی شخص سے اب انتہائی آسان ہو چکا ہے۔ فیس بک کو بزنس اور ایڈورٹائزمنٹ ٹول کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے بلکہ فیس بک آج کے دور میں سماجی اور کاروباری روابط کا عالمگیر ذریعہ بن چکا ہے۔

ہم فیس بک کی افادیت سے انکار نہیں کر سکتے اگر ایک طرف ہمیں دنیا کے ہر

خطہ کے لوگوں سے تبادلہ خیال کا موقعہ نصیب ہوتا ہے تو دوسری طرف ہمیں فیس بک کے ذریعے مخلص اور اچھے دوست (اگرچہ ایسا بہت کم ہوتا ہے) بھی مِل جاتے ہیں۔

مجھے حال ہی فیس بک کے ذریعے ہی دیارِ غیر میں مقیم ایک ایسا دردِ دل رکھنے والا پاکستانی دوست ، اقبال خان ، مِلا ہے جسے میں اپنے لئے ایک نعمتِ خداوندی سمجھتا ہوں۔ گویا مجھے فیس بک کے مثبت استعمال پر کوئی اعتراض نہیں مگر جو بات اس کالم کے ذریعے میں اپنے قارئین کو پہنچانا چاہتا ہوں ، وہ یہ ہے، کہ فیس بک کے کچھ نقصانات ہیں ،جس سے بچنا ضروری ہے کیونکہ فیس بک کی عادت کچھ لوگوں کو ایسی لگ جاتی ہے کہ جب تک، کچھ دیر کے لئے ہی سہی، فیس بک استعمال نہ کریں ،انہیں چین نہیں ملتا۔ فیس بک کا نشہ انسان کی زندگی میں اس طرح داخل ہوتا ہے کہ محسوس ہی نہیں ہوتا اور یہ چپکے سے ذہن ودِل پر حاوی ہو جاتا ہے۔ اور جب تک اس کا احساس ہوتا ہے تو وقت بہت آگے نکل جاتا ہے۔آئے دن یہ خبریں پڑھنے کو ملتی ہیں کہ دو نوجوانوں کا فیس بک پر رابطہ ہوا، پہلے فیس بک پر دوستی ہو گئی ، بات چیت ہوتی رہی ،آخر معاملہ پیار و محبت تک جا پہنچا اور انجام پھرنا قابلِ بیان نکلا۔

فیس بک پر کئی لوگ (خصوصا نوجوان لڑکے اور لڑکیاں) فیک آئی ڈی بنا کر دھوکہ دہی اور ناپسندیدہ حرکتوں کے مرتکب بھی ہوتے ہیں۔میں ایک ذاتی مثال

دینا چاہونگا۔ میں عموما ایسے لوگوں کو فیس بک پر دوست نہیں بناتا ، جسے میں جانتا نہیں مگر ایک دفعہ میرے ایک اخباری دوست نے مجھے کہا کہ آپ ایک کالم نگار ہیں ،اس ، کیا کریں Accept لئے جب کوئی فیس بک پر آپ کو فرینڈ ریکویسٹ بھیجتا ہے تو اسے تاکہ آپ کی تحریر زیادہ لوگوں تک پہنچے، میں نے اس دن ایسے بیس پچیس افراد کی طرف سے بھیجی گئی فرینڈ request کو accept کیا جسے میں نہیں جانتا تھا اور اس میں چار پانچ خواتین بھی شامل تھیں۔چند دن بعد ایک خاتون کی طرف سے مجھے پیغام ملا کہ میں آپ سے ملنا چاہتی ہو۔آپ پلیز مجھے اپنے دفتر کا ایڈریس بتا دیں ، میں نے پوچھا، آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہیں اور آپ کہاں سے ہیں ؟ تو اس نے کہا میں پشاور یونیورسٹی ٹاون سے ہوں اور ایک ضروری کام کے سلسلے میں ملنا چاہتی ہوں۔ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ایسا وقت بھی بتا دیں جب آپ دفتر میں اکیلے ہوں ۔میں نے پوچھا کہ اکیلے میں کیوں ملنا چاتی ہیں تو انہوں نے اس سوال کا جو جواب مجھے دیا وہ میرے لئے نہ صرف یہ کہ حیران کن تھا بلکہ وہ آپ کو بتانے کے قابل بھی نہیں، میں نے فیس بک پر فورا اسے unfriend کیا بلکہ تمام انجانے دوستوں کو ہی unfriend کیا۔اس کہانی کو لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ فیس بک پر ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اس مفید ذریعہ ابلاغ کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں لہٰذا فیس بک کا استعمال نہایت سوچ سمجھ کر کرنا

چاہیئے۔ بے شک دنیا کی زیادہ تر ایجادات انسان کی آسانی اور فایدے کے لئے بنائی گئی ہیں مگر ہر ایک ایجاد کا ایک منفی پہلو بھی ضرور ہوتا ہے۔ لہذا فیس بک کا چسکا ضرور لیجیے مگر اس کے منفی پہلو سے بچ کر اسے استعمال کیجیے۔

14 اگست کو کیا ہوگا؟

وطنِ عزیز میں اس وقت سیاسی حرارت کافی عروج پر دکھائی دے رہا ہے۔ اگر ایک طرف پاکستان تحریکِ انصاف کے چیئر مین جناب عمران خان ۱۴ اگست کو اسلام آباد کی طرف آزادی مارچ کا اعلان کر بیٹھے ہیں تو دوسری طرف طاہر القادری صاحب بھی کمر باندھے تیار بیٹھے ہیں ، سابق صدر آصف زرداری نے عمران خان کی حمایت میں بیان دے کر ماحول کو کچھ اور ہی گرما دیا ہے۔ق لیگ کے چودھری صاحبان اور جناب شیخ رشید ۱۴ اگست کے سلگتے ہوئے ماحول کو پھونک مارمار کر آگ بھڑکانے میں مصروف ہیں۔اندریں حالات عوام کنفیوز ہیں اور بار بار ہم جیسے اہلِ قلم سے استفسار کرتے ہیں کہ 14 اگست کو کیا ہوگا ؟کیا عمران خان مارچ کروا کر، ہلہ گلہ کرنے کے بعد واپس ہو جائینگے ، نتیجہ وہی ڈاک کے دو پات ہی رہے گا یا کچھ تبدیلی کا امکان بھی ہے ؟ اب ان باتوں کا صحیح جواب بھلا ہم کیا جانیں، یہ تو خان صاحب ہی بتا سکتے ہیں کہ ان کا ارادہ کیا ہےِ ؟کیا وہ تالاب میں پتھر پھینک کر صرف ارتعاش پیدا کرنا چاہتے ہیں یا تالاب میں غوطہ لگا کر سیپی نکالنا چاہتے ہیں، ابھی تک ہمیں خان صاحب کے ارادوں کا صحیح اندازہ اس لئے نہیں ہو رہا ہے کہ وہ صرف مارچ کرنے کی بات تو کر رہے ہیں مگر مارچ کا مقصداور اس مقصد کے حصول کا طریقہ کار کیا ہو گا ؟14 اگست کو اسلام آباد میں

تقریر کرنے کے بعد واپس چلے جائیں گے؟ یا تب تک اسلام آباد سے نہیں ہلیں گے جب تک حکومت مڈٹرم الیکشن کا اعلان نہیں کرتی، یہ تمام باتیں ابھی تک مبہم اور غیر واضح ہیں۔ عمران خان فرماتے ہیں کہ میں 14 اگست کو عوام کے سامنے الیکشن میں کئے گئے دھاندلی کے ثبوت پیش کروں گا، اب عمران خان کو کون سمجھائے کہ عوام کو پہلے سے یہ پتہ ہے اور انہیں یقین ہے کہ الیکشن میں دھاندلی ہوئی ہے، صرف عوام ہی نہیں، تمام سیاسی پارٹیاں بھی یہ تسلیم کرتی ہیں کہ دھاندلی ہوئی ہے۔ عوام یہ بھی جانتی ہے کہ عدلیہ، نجم سیٹھی اور کچھ خفیہ ہاتھوں نے مل کر الیکشن میں دھاندلی کی ہے۔اب اس سے آگے جانے کی ضرورت ہے عوام کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ اس مارچ کا اصل مقصد کیا ہے؟ کیا وہ اس لانگ مارچ کے ذریعے نواز شریف کی حکومت ہٹا کر مڈٹرم الیکشن چاہتے ہیں؟ یا ان کا خیال ہے کہ جس طرح نواز شریف نے لانگ مارچ کرکے افتخار چوہدری کو بحال کرایا تھا اس طرح وہ بھی اپنا ہدف حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائینگے۔ اگر ان کا یہی خیال ہے تو یہ ان کی خام خیالی ہے، اس وقت اسٹیبلشمنٹ نے نواز شریف کا ساتھ دیا تھا جبکہ اس وقت صورتِ حال
مختلف ہے۔ فوج اپریشن میں مصروف ہے اور اس وقت وہ کسی سیاسی عمل میں عمل دخل کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

حکومت اور انتظامیہ کی جانب سے مزاحمت کی صورت میں تحریکِ انصاف کا کیا

لائحہ عمل ہوگا؟اور لوگوں کو اکھٹا کرنے کا اصل مقصد کیا ہے؟ کیا وہ کو مستعفی ہونگے یا استعفے مانگیں گے؟ عوام ان سوالوں کے جواب سننا چاہتی ہے صرف یہ کہنا کہ 14 اگست کو عوام ملک آزاد کرائیں گے، کہنا کافی نہیں ہے۔اگر عوام کے سامنے مقصد اور ہدف واضح طور پر موجود نہ ہو تو وہ اس شدید گرمی کے موسم میں کیونکر
خوار وذلیل ہونگے؟ سچی بات یہ ہے کہ عوام اب انقلاب، تبدیلی، لانگ مارچ جیسے نعروں سے اکتا چکے ہیں،وہ اب ان الفاظ کو محض سیاسی نعرے سمجھتے ہیں۔اب ان نعروں میں کوئی کشش باقی نہیں رہی۔
اندریں حالات مناسب ہوگا کہ عمران خان عوام کو ایک واضح لائحہ عمل بتادیں اور انہیں بتائیں کہ لانگ مارچ کا مقصد کیا ہے؟ وہ اس لانگ مارچ کے ذریعے کیا اور کیسے حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ کیا وہ اسلام آباد میں دھرنا دیں گے؟ یا لوگوں کو اکھٹا کرکے تقریر کرکے،الزامات لگا کر واپس چلے جائیں گے؟عوام ان سوالوں کے جوابات جان کر لانگ مارچ میں شامل ہونے یا شامل نہ ہونے کا فیصلہ کرے گی۔ مبہم اور غیر واضح صورتِ حال کا نتیجہ ایک سیاسی ہلچل کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا بلکہ اس طرح کے اقدامات سے لیڈرز پر عوام کا اعتماد مزید متزلزل ہوتا جائے گا۔ مناسب ہوگا کہ تحریکِ انصاف کی قیادت صاف صاف لفظوں میں عوام کو بتائے کہ 14 اگست کو کیا ہوگا؟ کیسے ہوگا؟اور

عوام کو اکٹھا کرکے وہ عوام کی قسمت کی تبدیلی کے لئے کیا انقلابی اقدام اٹھانے والی ہے

؟

دوستی،ایک قابلِ قدر رشتہ

انسان جب اس دنیا میں قدم رکھتا ہے تو اس کا واسطہ مختلف رشتوں سے پڑتا ہے۔ماں باپ، بہن بھائی، چاچا، ماما وغیرہ جیسے۔
رشتے ایسے رشتے ہیں جو پیدائش کے ساتھ خود بخود منسلک ہو جوتے ہیں۔ان رشتوں کے ساتھ ہم پوری زندگی گزارتے ہیں،ان سے ہم دور رہیں یا نزدیک، یہ رشتے کسی نہ کسی صورت میں قائم رہتے ہیں۔مگر ان رشتوں سے ہٹ کر ایک ایسا رشتہ بھی ہے جو ہم خود بناتے ہیں اور وہ رشتہ ہے " دوستی کا رشتہ "میرے ذاتی تجربہ کے مطابق یہ ایک ایسا رشتہ ہے جس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔اس رشتے میں جذبات، احساسات، ہم خیالی، محبت ، اور پیار ہی پیار شامل ہوتا ہے۔اس رشتے کی نوعیّت باقی رشتوں سے الگ ہوتی ہے۔اس رشتے کو بنانے کے لئے کسی کا ہم عمر ہونا ضروری نہیں۔ میرا ایک بہت پیارا اور گہرا دوست اقبال خان بسلسلہ روزگار دوبئی میں مقیم ہے،وہ نہ صرف یہ کہ عمر میں مجھ سے چھوٹا ہے بلکہ پاکستان سے دور دیارِ غیر میں بھی ہے مگر اس کے باوجود ہمارے درمیان دوستی کا ایک بہت مضبوط رشتہ قائم ہے کیونکہ ہم ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں۔ہماری فکر، سوچ، خیالات ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔اس ہم آہنگی کی وجہ سے ہماری دوستی

کا یہ انمول رشتہ قائم ہے اور انشاللہ قائم رہے گا۔ گویا انسان کی یہ ہم آہنگی کسی بچے سے بھی ہو سکتی ہے اور کسی بزرگ سے بھی، ہم فکری اور ہم خیالی کی وجہ سے انسان یہ رشتہ کہیں بھی قائم کر سکتا ہے۔

اس جہانِ بود باش میں قدم رکھنے سے لے کر اس دارِ فانی کو الوداع کہنے تکانسانی شخصیت کی تعمیر و تشکیل، اخلاقی و روحانی تربیّت، ذہنی شعور اور فکری ارتقاء ارد گرد موجود افراد سے وابستہ ہیں۔ یہ وابستگی کبھی والدین کی محبت و شفقت کی روپ میں انسان کو جینے کا سلیقہ سکھاتی ہے اور کبھی استاد کی کوشش اور تربیّت کے نتیجے میں آگے بڑھنے کا انداز بتاتی ہیں۔ انسانی شخصیت کی کی تعمیر و تربیّت میں والدین اور اساتذہ کا کردار بنیادی نوعیّت ہونے کے باوجود محدود وقت پر محیط ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں دوستی کا رشتہ ایک ایسا رشتہ ہے جو جو ہوش کی وادی میں قدم رکھتے ہی انسان کا ہاتھ ہمیشہ کے لئے تھام لیتا ہے۔ دوستی ایک ایسا رشتہ ہے جو نسبی طور پر دور ہونے کے باوجود قریب ترین افراد سے بھی قریب تر ہوتا ہے۔ علم کا دروازہ یعنی حضرت علیؑ فرماتے ہیں ''دوستی انتہائی مفید رشتہ و قرابت داری ہے'' دوستی کی اہمیّت کو مزید اجاگر کرنے کے لئے آپؑ فرماتے ہیں کہ ''رشتہ داری بغیر دوستی کے برقرار نہیں رہ سکتی جبکہ دوستی کے لئے رشتہ داری ضروری نہیں ''

تاریخ پر نظر دوڑائیں تو ہمیں حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کے تعلق کی شکل میں دوستی کی بہترین مثال نظر آتی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضور ﷺ سے تعلق اور دوستی کی وجہ سے بے شمار تکلیفیں اور صعوبتیں برداشت کیں مگر آپ ﷺ کے دوستی سے منہ نہ موڑا۔

اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ دوستی ایک پائیدار رشتہ ہے،ایک جذبہ ہے، ایسا جذبہ جو خلوص و مروّت کی خوبیوں سے گندھا ہوا ہوتا ہے یہ وہ تعلق ہے جو انسانوں کے ذہنی فاصلے ختم کرکے انہیں ایک دوسرے کے قریب لے آتا ہے، یہ دو افراد کے درمیان ایک ایسا رابطہ ہے جو زندگی کو پر لطف بنا دیتی ہے بصورتِ دیگر زندگی ویران اور بے لطف ہوتی ہے۔ دوستی کی بہار انسان میں سرور کی کیفیت پیدا کرتا ہے اور یہ کیفیّت ہی ہے جو انسان کو اس کے وجود میں تنہا ہونے نہیں دیتی۔ یہ ایک دل کا پیغام ہے جو دوسرے دل کے نام ہے۔ یہ ایک ایسا کاندھا ہے جس پر سر رکھ کر انسان چند لمحوں کے لئے ہر فکر، ہر غم سے نجات حاصل کرکے سکون کی وادیوں میں اتر جاتا ہے۔ حدیثِ نبوی ﷺ ہے کہ روحیں دنیا میں آنے سے پہلے باہم جڑی ہوئی تھیں، اللہ تعالیٰ نے الگ الگ جسم کی صورت میں دنیا میں اتار دیا۔

اقبال خان سے میری دوستی ہوئی تو ایسا محسوس ہوا جیسے یہ ناطہ اس دنیا کا نہیں بلکہ اس دنیا کا ہے جب روحوں کی تقسیم نہیں ہوئی تھی۔

دوستی تب ہوتی ہے جب دو دل مل جاتے ہیں، دماغ مل جاتے ہیں، یعنی ایسے لوگ جو کسی نہ کسی وجہ سے ہمیں پسند آنے لگتے ہیں اور ہم ان کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں اور ان کے ساتھ وقت گزارنا چاہتے ہیں، دوست کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں۔ بلا شک و شبہ دوست بنانا انسانی فطرت ہے انسان کی طبیعت دوسرے انسانوں سے تعلق کا تقاضا کرتی ہے، انسان کی اس فطری ضرورت کی مخالفت نہیں کی جا سکتی اس لئے اس ضرورت کی تکمیل ہونی چاہئیے مگر دوست کے انتخاب میں احتیاط بھی لازمی ہے۔

دوستی ایک قابلِ فخر اور انمول رشتہ ہے۔ دوستی محبت، خوشی کا سرچشمہ اور ایک بہترین روحانی لذت ہے۔ اس دنیا میں دوستی سے قیمتی چیز کوئی نہیں۔ سب سے قیمتی دوستی وہ ہوتی ہے جو بے غرض ہو، بے لوث ہو، اور محبت کے بھوکے کو اپنی محبت پیش کرکے خوش کرے۔ جو شخص کسی کی مستقل دوستی کا طلبگار ہو، اسے چاہیئے کہ کسی حال میں رشتۂ محبت کو کمزور نہ ہونے دے۔۔۔۔۔

آزادی کی تقریبات۔ شرم تم کو مگر نہیں آتی

آج کے اخبارات میرے سامنے پڑے ہیں، جس میں حکومتِ وقت کی طرف سے وفاقی وزیر سعد رفیق کا یہ اعلان بڑے واضح الفاظ میں درج ہے کہ وفاقی حکومت نے 68 ویں یومِ آزادی کی 30 روزہ تقریبات منانے کا اہتمام کیا ہے۔ جس کا آغاز یکم اگست کو کیا جائیگا۔ ملک بھر میں آزادی واک کا انتظام کیا جائیگا۔ وزراء اور ارکانِ پارلیمنٹ پاک فوج کے شہداء کے مزاروں پر حاضری دیں گے، وغیرہ، وغیرہ۔۔ یہ پڑھ کر میری ذہنی کیفیت کچھ عجیب سی ہو گئی ہے، میں حیران ہوں کہ ہمارے حکمران کتنے بے حس ہیں ،ان بے شرموں کو ذرہ بھر احساسِ زیاں بھی نہیں رہا۔ کہ وطنِ عزیز کو حاصل کئے ہوئے 67 سال ہو گئے ہیں مگر ہم اس ملک کو ترقی دینا تو در کنار، ترقی کی راہ پر ابھی تک گامزن بھی نہ کر سکے۔ قائدِاعظم کی کوششوں سے جو ملک ہم نے بفضلِ خدا حاصل کیا تھا، وہ آدھا تو گنوا چکے ہیں جو باقی رہ گیا ہے ،اسکے ساتھ ہمارے حکمران جو کچھ کر رہے ہیں ، وہ نہایت ہی افسوس ناک اور لائقِ صد افسوس ہے ، یہ تو گِدھ بن کر اس ملک کو نوچ رہے ہیں ۔ مگر ڈھیٹ بن کر عوام کے انکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے آزادی کی تقریبات کا ڈھونگ رچا کر انہیں بے وقوف بنا رہے ہیں۔

قارئین ! ذرا سوچیئے !ایک ملک جس میں گذشتہ اور موجودہ تمام حکومتیں ناکام رہی ہوں۔ جس کے تمام حکمران اپنے ذاتی مفادات کے غلام ہوں، جس کے تمام ادارے اپنے فرائض سرانجام دینے میں ناکام ہوں، جس ملک کے تمام باشندوں کو زندگی کی بنیادی سہولیات بھی میسر نہ ہوں، جس ملک کے رہنے والوں کو جان، مال اور عزت کا کوئی تحفظ حاصل نہ ہو، جس ملک کی پولیس عوام کو تحفظ دینے کی بجائے ان پر گولیاں چلا رہی ہوں، جس ملک میں اہلِ ثروت بچوں کے بازو کاٹے جاتے ہوں، جس ملک میں بنیادی حقوق کے تحفظ کا تصور ہی نہ ہو، جس ملک میں امن وامن کی صورتِ حال مسلسل سال سے انتہائی خراب ہو، جس ملک میں حکمرانوں سے لے کر عوام تک، سب کی 12 رگ وپے میں کرپشن سمائی ہوئی ہو، ایک ملک جو شدید مالی بوجھ تلے دبی ہوئی ہو، ایک ملک جس کے حکمرانوں کے ہاتھ میں کچکول ہو، جس ملک کو شدید معاشی مسائل کا سامنا ہو، جس ملک کی اپنی کوئی داخلہ اور خارجی پالیسی نہ ہو، جس ملک کے حکمران ملک چلانے کے اہل ہی نہ ہوں ۔کیا ایسے ملک میں آزادی کی تقریبات اس طمطراق کے ساتھ منانا جائز ہے ؟ میرے خیال میں ہر گز نہیں۔

اگست کو تو ہمیں یومِ شرمندگی منانا چاہئیے، اسلئے کہ جب سے یہ ملک بنا ہے ہم نے 14 اس کے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے، ہم نے اس کی معیشت، تجارت، زراعت، صنعت، فیکٹریاں، کارخانے، مالیات، مواصلات، ذرائع روزگار، وسائل چند مخصوص لوگوں

کو سپرد کی ہوئی ہیں۔پاکستانی قوم کی موت معاشی ناانصافی اور محرومی کے ہاتھوں واقع ہو چکی ہے، اس کے غریب عوام نے تو آج تک آزادی کا ذائقہ ہی نہیں ، چکھا، پھر آزادی کی تقریبات چہ معنی وارد ، ظلم ، جبر اور استحصال پر مبنی اس نظام نے سترہ کروڑ عوام کے آنکھوں پر پٹی باندھ لی ہے وہ چند وڈیروں، سرمایہ داروں ، صنعت کاروں کے ظلم کو .برداشت کر رہی ہے اور آہ بھی نہیں کرتی. الیکشن کے دنوں میں اسی ظالم طبقہ کو ووٹ دیتی ہے،انہیں منتخب کرتی ہے اور ان کے پر فریب نعروں سے متاثر ہو کر انہیں اپنے کاندھوں پر بٹھاتی ہے۔

حکمران آزادی کی تقریبات تین دن منائیں یا تین مہینے منائیں، ہمیں اس سے غرض نہیں، ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ پاکستان پاکستانی عوام کے لئے نہیں ، بلکہ جاگیرداروں، سرداروں، وڈیروں اور عوام کے خون سے رنگے ہاتھوں والوں کے لئے بنایا گیا ہے۔باقی ساری قوم ان کی غلام اور پاکستان ان کی کالونی ہے۔پاکستان اگر واقعی ایک آزاد ملک ہے تو سامراجی اشاروں پر کیوں ناچتی ہے ؟ اس کی خارجی اور داخلہ پالیسی آزاد کیوں نہیں؟سترہ کروڑ عوام بھوکوں کیوں مر رہی ہے ؟

اس وقت ملکی سلامتی کو شدید خطرات درپیش ہیں،پاک فوج اپنی ہی سرزمین پر

امریکی اور بھارتی تربیت یافتہ دہشت گردوں سے برسرپیکار ہے، ملک کے دالخلافہ اسلام آباد کو فوج کے حوالہ کیا جا رہا ہے۔اس اندوہناک اور گھمبیر صورتِ حال میں اگر ہمارے حکمران آزادی کی تقریبات منا کر عوام کے آنکھوں میں دھول ڈالنے کی کوشش کر رہی ہے تو عوام ان حکمرانوں کو یہ کہنے میں حق بجانب ہو گی ،

اے حکمرانو ! شرم تم کو مگر نہیں آتی۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تین عیدیں، شرم تم کو مگر نہیں آتی

قبل اس کے کہ عنوانِ بالا پر کچھ لکھوں، میں اپنے ان تمام چاہنے والوں کا تہہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے میرے آپریشن اور مابعد آپریشن خود آ کر یا ٹیلیفون کے ذریعے میرا حال احوال پوچھا اور ادارتی صفحہ سے میری طویل غیر حاضری ان کی طبیعت پر گراں گزری۔

عید الاضحیٰ کی آمد آمد ہے، مال مویشی کے بیوپاریوں، قصابوں اور دکانداروں نے اپنی چھریاں خوب تیز کر رکھی ہیں اور ہر کوئی اس کوشش میں ہے کہ زیادہ سے زیادہ رقم کمائی جائے۔ مگر مجھے اور میرے جیسے بے شمار محبِ ملّت کو جس بات نے بے چین کئے رکھا ہے، وہ ایک ہی قرآن، ایک ہی نبی کے ماننے والوں اور ایک ہی امتِ مسلمہ کی تین عیدیں ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ اس سال حجِ اکبر ہے، جمعتہ المبارک کو سعودی عرب میں حج مبارک ہے اور 3 اکتوبر بروز ہفتہ سعودی عرب، قطر، بحرین، دبئ اور دنیا کے دیگر اکثر مسلم ممالک میں بقرِ عید منائی جائیگی۔ پاکستان میں روایتی طور پر سعودی عرب میں منائے جانے والی عید کے دوسرے دن عید منائی جاتی ہے۔

عقل و شعور کا تقاضا بھی یہی ہے کہ سعودی عرب کے عید سے اگلے روز پاکستان میں عید ہونی چاہئیے مگر افسوس صد افسوس کہ پاکستان میں بنائی جانے والی ،لاکھوں کی تنخواہ لینے والی مرکزی رویت ہلال کمیٹی نے سعودی عرب سے دو دن بعد یعنی.بروزِ پیر عید منانے کا اعلان کیا ہے جو عام آدمی کے سمجھ سے بالاتر ہے، گویا اسلامی کیلنڈر کے حساب سے جب سعودی عرب میں ١٠، ذی الحجہ 1435 ہجری کا دن ہوگا تو پاکستان میں 08 ذی الحجہ 1435 کا دن ہوگا۔ عید الفطر کے موقعہ پر ایک ہی دن عید نہ کرنے کے مواقع تو ہم کئی مرتبہ دیکھ چکے ہیں، مگر اب عید الضحیٰ کے موقعہ پر عید ایک ہی دن عید نہ منانے کا فیصلہ بڑا عجیب سا لگتا ہے، کتنی عجیب بات ہے اور کتنی شرم کی بات ہے کہ فاٹا میں رہنے والے پاکستانی اور پاکستان میں رہنے والے افغان مہاجرین 4 اکتوبر کو عید منائینگے، صوبہ خیبر پختونخواہ کے لوگ 5 اکتوبر کو عید منائینگے جبکہ پنجاب اور پاکستان کے دیگر علاقوں میں رہنے والے 6 اکتوبر کو عید منائینگے۔اس طرح وطنِ عزیز میں اس سال تین عیدیں منائی جائینگی۔

کیا ہمارے ملک کے حکمرانوں اور علماء کرام کو اس بات پر شرم نہیں آتی کہ دنیا میں دوسرے مذاہب کے تمام لوگ اپنے مذہبی تہوار ہمیشہ ایک ہی دن مناتے ہیں مگر ہم ایک ہی ملک، ایک ہی مذہب اور ایک ہی عقیدہ رکھنے کے باوجود اپنا مذہبی تہوار یعنی عید ایک دن منانے سے قاصر ہیں، کیا ہمیں پورے ملک میں ایک

ساتھ ایک ہی روز خوشی منانے کا کوئی حق حاصل نہیں ؟ کتنی حیرانگی کی بات ہے کہ آج کے جدید سائینسی دور میں جہاں انسان چاند پر قدم رکھ چکا ہے، ہم اس چاند کو دیکھنے کی اہلیت بھی نہیں رکھتے۔یا پھر ہمیں اتفاق اور یک جہتی سے بغض ہے۔ میرا ایک دوست عموما یہ بات کہتا رہتا ہے کہ ملک کو (مشرقی پاکستان) کو سیاستدانوں نے تقسیم کر رکھا ہے جبکہ دین کو مولویوں نے تقسیم کر رکھا ہے۔ ذرا غور کریں تو یہ بات زیادہ غلط بھی نہیں لگتی۔سیاستدانوں کی ضِد اور نا اہلی کی وجہ سے وطنِ عزیز دو ٹکڑے ہوا، مشرقی پاکستان ہم سے علیحدہ ہو کر بنگلہ دیش بنا، سیاستدانوں کی نا اہلی اور مفاد پرستانہ رویہ کی وجہ سے پاکستانی عوام ذہنی طور پر کئی حصوں میں بٹ چکی ہے۔اسی طرح مذہبی علماء کرام کے اختلافات کی وجہ سے عوام نہ صرف یہ کہ فرقوں میں تقسیم ہو چکی ہے بلکہ ان کو ان کی وجہ سے ایک ہی دن عید منانے ،ایک ہی دن سب ساتھ مل کر خوشی منانے منانے کو موقعہ بھی نہیں دیا جا رہا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اس معاملے کا حل حکومت کے پاس موجود ہے مگر شاید ہمارے حکمران اتفاق ویک جہتی کو ملک میں فروغ دینا پسند ہی نہیں کرتے۔ ورنہ اس کا آسان حل یہ ہے کہ حکومت مرکزی رویت ہلال کمیٹی کو توڑنے کا اعلان کر دے اور فیصلہ کر دے کہ پاکستان مین عید دوسرے مسلم ممالک کی طرح سعودی عرب کے ساتھ منائی جائیگی یا پھر یہ فیصلہ کر دے کہ پاکستان مین عید سعودی عرب

سے ایک دن بعد عید منائی جائیگی۔

میری حکومت سے پر زور گزارش ہے کہ وہ فوری طور پر ایسے اقدامات کرے کہ آیئندہ ملک میں دو یا تین عیدوں کی روایت ختم ہو جائے۔

آخر کب تک ہم دو دو، تین تین عیدیں مناتے رہینگے ؟کیا یہ ہمارے لئے شرم کا مقام نہیں ؟ کیا تین عیدیں ہمارے لئے جگ ہنسائی کا باعث نہیں ؟ اگر جواب نہیں میں نہیں تو پھر یہی کہا جاسکتا ہے کہ ،، شرم تم کو مگر نہیں آتی ،،۔۔۔۔۔۔

باکمال لوگ لاجواب سروس

یوں تو" باکمال لوگ لاجواب سروس" کا یہ جملہ پی آئی اے کے فضائی پرندوں پر سجاوٹ کے لئے عموماً استعمال ہوتا چلا آ رہا ہے مگر اس کی عملی اور اصلی صورت دیکھنے کا موقعہ گذشتہ روز اس وقت ملا جب برادر ملک ترکی اور الخدمت فاونڈیشن کے اشتراک و مدد سے حضرت ایوب انصاریؓ کے نام سے منسوب ویلیج کا دورہ کیا، یہ گاؤں چالیس گھروں پر مشتمل ہے جبکہ مزید اکیاون گھر بنانے کا منصوبہ بالکل تیار ہے۔ گویا یہ اکانوے گھروں پر مشتمل ایک مکمل بستی ہوگی۔ اکانوے گھر اس لئے کہ حضرت ایوب انصاریؓ کی عمر مبارک اکانوے برس تھی۔ مگر جس چیز نے ہمیں زیادہ متاثر کیا وہ ان چالیس گھروں میں مقیم افراد کی گفتگو تھی یا ان باکمال لوگوں کی بے لوث خدمت کا جذبہ تھا جنہوں نے یتیموں، بیواؤں اور بے سہارہ لوگوں کے لئے نہ صرف ایک چھت مہیا کی بلکہ انہیں زندگی کی تمام تر سہولیات بھی پہنچا دی گئی ہیں۔ یہ ماڈل ویلیج ضلع چارسدہ میں موٹر وے کے کنارے آباد کیا گیا ہے۔

اس ماڈل ویلیج میں جن لوگوں گھر دیئے گئے ہیں وہ تمام کے تمام انتہائی غریب، بے سہارا اور قابلِ رحم لوگ ہیں۔ ہم نے ایک گھر کی مکین سے گفتگو کی تو

آنکھوں میں تشکّر کے آنسو لئے ہوئے کہنے لگے کہ ہمارے تصور و گماں میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ ہم ایسے گھر کے مالک بن سکتے ہیں گھر کا یہ مکیں چودہ سالہ لڑکا تھا جس کے ماں باپ دونوں انتقال کر چکے تھے اور چار بہنوں اور تین بھائیوں کا بوجھ اس کے سر پر تھا اور یہ چاروں بہنیں اور بھائی اس سے کم عمر یعنی دس سال سے بھی کم عمر کے تھے۔اس ویلیج کے آباد کاروں نے اس نو عمر لڑکے کو ان کے بہن بھائیوں کی کفالت کے لئے اسی ویلیج میں ایک دکان کھول کے دے رکھی تھی تاکہ وہ ان کی روزمرہ کی ضروریات پوری کر سکے۔

اس ویلیج کا مشاہدہ کرتے ہوئے جب ہم آگے بڑھے تو ایک گھر میں بیٹھی ایک ایسی بڑھیا سے ملاقات ہوئی جس کا خاوند اندھا تھا، اس کے تین بچے تھے وہ تینوں بچّے بھی اندھے تھے۔

الغرض،اس ویلیج کے تمام مکین انتہائی درجے کے غریب اور قابلِ رحم لوگ تھے مگر بھلا ہو ،الخدمت فاونڈیشن اور ترک بھائیوں کا، جنھوں نے ان بے سہارا لوگوں کو ایسے گھر بنا کر دیئے جس میں زندگی کی تمام تر سہولیات موجود ہیں ۔ہر گھر میں ریفریجیریٹر ہے، واشنگ مشین ہے، باورچی خانہ ہے، بجلی ہے، نہیں ہے تو گیس نہیں ہے، جو وفاقی حکومت کے دائرہ اختیار میں ہے اور اس ویلیج کی انتظامیہ کے لاکھ کوشش کے باوجود وفاقی حکومت ان غریبوں کو گیس دینے پر آمادہ نہیں ہو پا رہی ہے۔اس ویلیج میں ایک خوبصورت مسجد بھی ہے اور روزمرہ

کی ضروریات کی اشیاء کے لئے چھوٹی سی مارکیٹ بھی ہے۔

اس ویلیج کو دیکھ کر مجھے سرورِ کائنات ، سردارِ دو عالم حضرت محمد ﷺ کا یہ قول یاد آیا "
خیر من الناس من ینفع الناس " لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچا
ئے"۔ گویا ہم کہ سکتے ہیں کہ جو لوگ اس طرح یعنی غریب غرباء کے کام آتے ہیں
یہی باکمال لوگ ہیں جو باکمال سروس مہیا کر رہے ہیں۔ جو دوسرے انسانوں کے،
-ہمدرد، مہرباں، خیر خواہ اور سود مند ہیں، وہ انسانوں کے خدمت گار ہیں
اللہ تعالی ہم سب کو دیگر انسانوں کی باکمال سروس کرنے اور باکمال بننے کی توفیق عطا فر
مائے (آمین)

پھول میرے گلشن کے

قلم کا مزدور ہونے کے باوجود میرے پاس اس وقت ایسے الفاظ نہیں، جس کے ذریعے میں اس دکھ کا اظہار کر سکوں جو مجھے پشاور میں ورسک روڈ پر واقع آرمی پبلک سکول اینڈ کالج پر 'جس کے بالکل قریب میرا گھر واقع ہے' دہشت گردوں کے سفاکانہ حملے کے نتیجہ میں ڈیڑھ سو کے قریب بے گناہ اور معصوم بچے کو گولیوں کا نشانہ بنانے پر ہلا۔۔ یہ میرے گلشن کے ایسے پھول تھے جس کے بارے میں ان کے والدین نے بڑے سہانے خواب دیکھے ہونگے،ان کی امّی نے اپنے ہاتھوں سے ان پھولوں کو صبح سویرے اسکول یونیفارم پہنا کر، دعائیں دے کر رخصت کیا ہوگا،انہیں کیا پتہ کہ ان کا جگر گوشہ ظالموں کے ہاتھوں سرخ خون کا لباس پہن کر راہِ عدم پر روانہ ہوگا۔اور پھر کبھی انہیں ان کا دیدار نصیب نہ ہوگا۔آج پورا پشاور لہو لہان ہے، غم و یاس کی تصویر بنے ان پھول سے معصوم بچوں کے والدین اور رشتہ دار ایک ہی سوال پوچھتے ہیں کہ ہمارے ان معصوم اور بے گناہ بچوں کا آخر کیا قصور تھا ؟ ان معصوم بچوں نے آخر ان ظالموں کا کیا بگاڑا تھا ؟

میرے گلشن کے اَن کھلے پھولوں کا اس طرح گولیوں کا نشانہ بننے کا یہ دلخراش

واقعہ پاکستان کی تاریخ کا ایک ایسا نا قابلِ فراموش واقعہ ہے جسے صدیوں یاد رکھا جائیگا اور ظلم و بربریت کی یہ داستان پوری تاریخ عالم میں ایک سیاہ باب کی حیثیت سے قرطاسِ ابیض پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ثبت رہے گی۔اس المناک صورتِ حال میں ایک سوال جو ذہن میں بار بار آتا ہے، وہ یہ ہے کہ کیا ایسی افسوسناک اور ہولناک واقعہ کے بعد ہماری سیاسی قیادت کا اظہارِ مذمت کرنا اور چند دنوں کے بعد اسے بھول جانا ،ہماری روایت رہے گی؟

کیا پاکستانی عوام اور ان کے بچّے یوں ہی آگ و بارود کا ایندھن بنتے رہیں گے ؟کیا دہشت گردی کا کوئی علاج نہیں ؟

ہم نے اس سے قبل بھی آل پارٹیز کانفرنس دیکھی تھی اور اس کا انجام بھی ملاحظہ کر چکے ہیں۔آج بھی ہم نے تمام پالیمانی پارٹیوں کا اجلاس دیکھا۔وزیراعظم نواز شریف ،عمران خان اور دیگر قومی قیادت کو ایک جگہ بیٹھے دیکھا،ہم نے یہ بھی سنا کہ دہشت گردی ختم کرنے کے لئے ایکشن پلان بنانے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی جائیگی جس میں تمام پارلیمانی پارٹیوں کا ایک ایک نمائیندہ شامل ہوگا۔ہم اس اقدام کو اگرچہ برا نہیں کہیں گے مگر ہمیں یقین نہیں ہے کہ ہماری سیاسی قیادت اس قابل ہے کہ وہ موجودہ پیچیدہ دہشت گردی کو جڑ سے اکھاڑ پھینک سکے گی۔اس قسم کی باتیں قوم پہلے بھی سن چکی ہے

کہ اچھے اور برے طالبان میں فرق نہیں روا رکھا جائیگا۔ قوم متحد ہے، دہشت گردی کو جڑ سے اکھاڑ کر دم لینگے، وغیرہ وغیرہ۔اب ان باتوں سے قوم کو تسلی نہیں ہو پا رہی ہے۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ عملی قدم اٹھایا جائے اور سیاسی مفادات سے بالاتر ہو کر ایک ایسی پالیسی بنائی جائے، ایک ایسا ایکشن پلان مرتب کیا جائے، جو نہ صرف یہ کہ قابلِ عمل ہو بلکہ تمام سیاسی اور عسکری قیادت کا اس پر اتفاق و یقین ہو۔

ہم سمجھتے ہیں کہ پشاور میں اس دردناک اور سفاکانہ واقعہ کے بعد ہمارے قومی قائدین کو ایک بالکل نیا رخ اختیار کرنا چاہیئے، گذشتہ تیرہ برسوں میں ہم تقریباً ستّر ہزار جانیں گنوا چکے ہیں۔اب مزید سکت باقی نہیں رہی۔ ہمیں اپنی افواج کی بہادری اور اہلیت پر بجا طور پر فخر ہے۔اگر ہماری سیاسی قیادت ان کے شانہ بشانہ ہو کر دہشت گردی کو ختم کرنے کا مصمّم ارادہ کرلے تو انشاءاللہ قوم دہشت گردی کے اس ناسور سے جلد چھٹکارا پا سکتی ہے۔جو بات آج نواز شریف نے کہی ہے کہ اچھے اور برے طالبان میں فرق روا نہیں رکھا جائے گا یہ بات آج سے کچھ عرصہ پہلے آرمی چیف نے اس وقت کہی تھی جب فوج طالبان کے خلاف اپریشن شروع کیا تھا۔آرمی چیف نے کہا تھا" چاہے پاکستانی

طالبان ہوں، پنجابی طالبان ہوں، القاعدہ اور ان کے ساتھی یا پھر حقانی گروپ، ہم سب کے خلاف بِلا امتیاز اپریشن کریں گے"۔ مگر افسوس کہ سیاسی قیادت کو اس وقت سانپ سونگھ گیا تھا اور خاموش رہنے ہی میں عافیت سمجھی تھی۔ لیکن آج پشاور میں میرے گلشن کے پھولوں کو جلانے پر سیاسی اور فوجی قیادت ایک دفعہ پھر اکھٹی ہو گئی ہے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ میرے گلشن کے یہ پھول نہ صرف یہ کہ جنّت کی فضاء کو معطر کریں گے بلکہ پاکستان کی سرزمین کو بھی دہشت گردی سے پاک کرنے کا سبب بنیں گے۔

افغان مہاجرین کی واپسی ۔صوبائی حکومت کا مستحسن فیصلہ

وطنِ عزیز میں دہشت گردی کا مسئلہ اتنی سنگین صورتِ حال اختیار کر گئی ہے کہ بچے، بوڑھے، جوان او خواتین سبھی فکر مند ہیں اور ہر کوئی اپنی ذہنی سطح کے مطابق دہشت گردی ختم کرنے سے متعلق اظہارِ خیال کرتا ہے۔ خصوصا پشاور میں آرمی اسکول پر دہشت گردوں کے حالیہ حملے نے نہ صرف حکومت کو بلکہ سیول سوسائٹی کو بھی بری طرح مجروح اور جنجھوڑا ہے۔اور ہر کسی کو یہ سوچنے پر مجبور کیا ہے کہ دہشت گردوں سے کیسے چھٹکارا حاصل کیا جائے ؟اس سلسلے میں مرکزی حکومت کئی اقدامات اٹھانے کا سوچ رہی ہے اور باقاعدہ ایک ایکشن پلان بنانے کے لئے کمیٹی بھی تشکیل دی ہے۔ پاک آرمی ان دہشت گردوں کی سرکوبی کے لئے برسرِپیکار ہے اور جانوں کا نذرانہ پیش کر رہی ہے، اس سلسلے میں خیبر پختونخوا پولیس کی قربانیاں بھی ڈھکی چھپی بات نہیں۔

خیبر پختونخواہ اور قبائلی علاقہ جات دہشت گردی کے حالیہ جنگ میں سب سے زیادہ متا ثر ہوئے ہیں۔ باایں سبب خیبر پختونخواہ عوام کے منتخب نمائندے، خواہ ان کا تعلق کسی بھی پارٹی سے ہو، اس فکرِ دامن گیر سے خالی از فکر نہیں کہ کس طرح دہشت گردی اور دیگر پھیلتے ہوئے جرائم سے پر قابو پایا

جائے یہی وجہ ہے کہ گذشتہ روز صوبائی حکومت نے یہ فیصلہ کیا اور وزیر اطلاعات جناب مشتاق غنی صاحب نے ایک پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ افغان مہاجرین ایک ماہ کے اندر بندو بستی علاقے سے چلے جائیں بصورتِ دیگر ان کو زبردستی نکالا جائیگا۔
خیبر پختونخواہ حکومت کا یہ اعلان صوبہ کے عوام کے لئے کسی بڑی خوشخبری سے کم نہیں، کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ صوبہ خبر پختونخواہ میں 90 فی صد جرائم میں کسی نہ کسی طور پر افغان مہاجرین کا ہاتھ ہوتا ہے۔ یہ بات بھی خارج از امکان نہیں کہ دہشت گردوں کو سہولت ان یہ سے ملتی ہو۔ آرمی پبلک سکول پشاور کے بالکل قریب افغان مہاجرین رہتے ہیں۔ آرمی سکول کے چاردیواری سے 50 فٹ کے فاصلے پر افغان مہاجرین کی کچی مسجد، سکول اور گھر واقع ہیں ۔ ورسک روڈ پر کینٹ سے بالکل ملحقہ علاقہ میں افغان مہاجرین آباد ہیں۔
اکثر مہاجرین پاکستان سے کھلم کھلا نفرت کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ اندریں حالات دل ہلا دینے والے دہشت گردی کے واقعات کا رونما ہونا کوئی اچھبے کی بات نہیں۔
افغان مہاجرین 1980 میں اس وقت پاکستان آئے جب روس نے افغانستان پر حملہ کیا تھا اور وہاں اپنے ملک میں ان کی جان کو خطرہ تھا، اب 34 برس بیت گئے ، اب

امن و امان کی صورتِ حال پاکستان سے افغانستان کی بہتر ہے لہٰذا اب ان کا یہاں رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہا۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ ہمارے بزدل اور لالچی حکمران یو این او سے چند ڈالروں کے عوض ان افغان مہاجرین کو پاکستان سے نکال کر افغانستان واپس نہیں بھیج رہے ہیں۔ ہمیں یقین واثق ہے کہ اگر افغان مہاجرین کو نکال دیا جائے تو دہشت گردی، چوری چکاری اور ڈاکہ زنی جیسے جرائم میں پچاس فی صد کمی خود بخود آ جائے گی۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ صوبائی حکومت تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر اپنی موقف پر ڈٹ جائے اور مرکزی حکومت سے پر زور مطالبہ کرے کہ افغان مہاجرین کو اپنے وطن واپس بھیجا جائے۔ افغان مہاجرین کے ایک کثیر تعداد نے یہاں جائیدادیں بنا رکھی ہیں، جعلی شناخت کارڈ بنوا رکھے ہیں، گھر بنائے ہیں ان تمام کا کھوج لگایا جائے اور جتنا جلد ممکن ہو سکے ان سے جان چھڑا لی جائے ورنہ ان کا ہوتے ہوئے امن و خوشحالی کا تصور دبے معنی ثابت ہو گا۔

دہشت گردی ختم کرنے کے لئے دو بڑے فیصلوں کی ضرورت

کسی گاؤں میں ایک کنویں میں کتا گر گیا، گاؤں کے کچھ لوگ کنویں کو پاک کرنے کے لئے ایک مولوی صاحب کے پاس گئے اور کنویں کو پاک کرنے کا طریقہ پوچھا، مولوی صاحب نے انہیں کہا کہ کنویں سے دو سو بالٹی پانی نکال دو، کنواں پاک ہو جائیگا۔ دو سو بالٹی پانی نکال پھینک دیا گیا مگر چند دنوں کے بعد کنویں سے پھر بدبو آنا شروع ہو گئی۔ لوگ پریشان ہو گئے اور ایک اور مولوی صاحب کے پاس گئے اور کنویں کو پاک کرنے کا نسخہ پوچھا، مولوی صاحب نے کہا" کنویں سے چار سو بالٹی پانی نکال دو، انشا اللہ سب ٹھیک ہو جائیگا۔ لوگوں نے چار سو بالٹی پانی نکالا مگر بدبو پھر بھی نہ گئی۔

لوگوں کی پریشانی بڑھ گئی اور وہ ایک بڑے مولوی صاحب کے پاس چلے ھیں اور سارا ماجرہ سنایا، مولوی صاحب نے نے ساری صورتِ سننے کے بعد سوال کیا "پانی سے کتا نکالا تھا ؟ لوگوں نے جواب دیا 'نہیں'

مولوی صاحب نے کہا" جاہلو ! پہلے کنویں سے کتا تو نکالو، پھر کنواں بھی صاف ہو جائیگا۔"

ہمارا حال بھی ان ہی لوگوں جیسا ہے ہم کنویں سے کتا نکالے بغیر ہی پانی کو صاف کرنا چاہتے ہیں۔

اور اپنی تمام تر نا سمجھی ، نا اہلی اور کمزوری کے ساتھ پاکستان کو دہشت گردی سے پاک کرنا چاہتے ہیں۔ نہیں جانتے کہ کنویں سے کتا نکالے بغیر کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو گا۔ دہشت گردی تب ختم ہو گی جب کتا کنویں سے باہر نکالا جایگا۔

سانحہ پشاور میں معصوم اور بے گناہ طا لبعلموں کے وحشیانہ اور سفاکانہ قتل کے بعد اگرچہ حکومت ، پاک فوج اور سیول سوسائٹی سب غصے میں ہیں اور دہشت گردی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی باتیں پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا میں روز دیکھی اور سنی جارہی ہیں ۔لیکن سچی بات یہ ہے کہ عوام کو اپنے حکمرانوں کے دعووں پر بالکل یقین نہیں کیونکہ ماضی میں بھی اس قسم کے دعوے ہوتے رہے ہیں مگر ان کا نتیجہ صفر رہا ہے۔

پاکستان میں دو ایسے عناصر ہیں جس کے ہوتے ہوئے دہشت گردی ختم کرنے کے تمام تر دعوے غلط ثابت ہونگے۔پہلا عنصر امریکہ کا ہے اگرچہ امریکہ سے ہمارے تعلقات بہت پرانے ہیں اور امریکہ نے ہمیں کئی مواقع پر مالی مدد بھی

فراہم کی ہے مگر اس میں بھی کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ آج اگر ہم دہشت گردی کا شکار ہیں، ستّر ہزار جانیں اس نام نہاد جنگ میں گنوا چکے ہیں اور پتہ نہیں، مزید کتنی جانوں کی قربانی ہمیں دینی پڑے گی ،اس کی بڑی وجہ امریکہ سے ہماری دوستی ہے ۔امریکہ اپنی مفاد کی خاطر ہمیں ایک ایسے گڑھے میں پھینک دیتا ہے جس سے نکلنا ہمارے لئے ممکن نہیں رہتا۔ گویا جب تک امریکہ کا پاکستان سے عمل دخل ختم نہیں ہو تا، جب تک ہمارے حکمران امریکہ کو صاف صاف یہ جواب نہیں دیتے کہ ہم اپ کے دوستی اور دشمنی دونوں سے دست بردار ہوتے ہیں تب تک دہشت گردی سے جان چھڑانا ممکن نظر نہیں آتا۔

دوسرا عنصر افغان مہاجرین کا ہے۔آپ کسی بھی جرم یا دہشت گردی کے واقعے کا پس منظر دیکھیں، انٹیلیجنس رپورٹ ملاحظہ کرلیں، 85فی صد جرائم کے پیچھے آپ کو کسی افغان مہاجر کا ہاتھ نظر آئیگا۔ افغان مہاجرین 1980 میں پاکستان اس وقت ہجرت کر کے آئے تھے جب روس نے افغانستان پر حملہ کیا تھااور ان کو جان کے لالے پڑ گئے تھے اب ان کو پاکستان میں 34برس بیت چکے ہیں ان کی ایک پوری نسل یہاں جوان ہو چکی ہے۔اب ان کا پاکستان میں رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہا۔ لہٰذا

اگر وطنِ عزیز سے دہشت گردی کا مکمل خاتمہ کرنا ہے تو ہمارے حکمرانوں کو چا

ہئیے کہ وہ یہ دو فیصلے کریں پہلا یہ کہ امریکہ کی دوستی اور دشمنی سے دست بردار ہونے کا اعلان کر دیں دوسرا یہ کہ افغان مہاجرین کو پاکستان سے فوری نکالنے کا اہتمام کر لیں، بصورتِ دیگر عین ممکن ہے کہ حکومت کی طرف سے کئے گئے موجودہ تمام تر دعوے صدا بہ صحرا ثابت ہو جائیں۔

قومی امن کانفرنس

گزشتہ روز پشاور میں ایک قومی امن کانفرنس منعقد ہوئی جس کا اہتمام اباسین کالمز رائیٹرز ایسوسی ایشن کی طرف سے کاروان تنظیم کے چیئر مین خالدایوب کے تعاون سے کیا تھا۔اس کانفرنس میں صوبائی سینئر وزیر عنایت اللہ خان اور ممبر قومی اسمبلی عائشہ گلالئی کے علاوہ کثیر تعداد میں کالم نگاروں، صحافیوں، وکلاء، علماء اور دانشوروں نے شرکت کی۔راقم الحروف نے بحیثیت صدر اباسین کالم رائٹرز
ایسوسی ایشن کے، جو تقریر کی وہ قارئین کے پیشِ خدمت ہے۔

جیسے کہ آپ سب جانتے ہیں کہ اس وقت صرف وطن عزیز ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں امن کی باتیں ہو رہی ہیں اور دہشت گردی جیسے پھیلتے ہوئے ناسور کو جڑ سے اکھاڑنے کی جد و جہد ہو رہی ہے۔اباسین کالمز رائٹرز ایسوسی ایشن ' جو کہ خیبر پختونخواہ میں کالم نگاروں کی نمائیندہ تنظیم ہے، کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وطنِ عزیز میں امن قائم کرنے کے لئے حتی لمقدور اپنا حصہ ڈالے اور آج کی یہ محفل بھی اسی مقصد کے لئے سجائی گئی ہے۔ہم اللہ کے فضل و کرم سے سب مسلمان ہیں ،قرآن ہمارے لئے ضابطہ حیات ہے۔جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ایک شخص کا قتل پوری انسانیت کا قتل اور ایک جان کی حفاظت

پوری انسانیت کو زندہ رکھنے کے مترادف ہے،، گویا ناحق جان تلف کرنا تو کجا بلا وجہ بد کلامی کا مرتکب ہونے والا بھی حقیقی مسلماں نہیں کہلا سکتا۔اس کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج مسلماں مسلمان کے ہاتھوں مارا جا رہا ہے، قتل کیا جا رہا ہے، خون میں نہلایا جا رہا ہے آج ہمارے لئے یہایک لمحہ فکریہ ہے کہ ہم سوچیں کہ آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟اس کی وجہ کیا ہے؟اور اس کا حل کیا ہے؟

اگرچہ یہ ایک طویل طلب بحث ہے مگر میرے جیسے کم فہم شخص کے خیال میں وہ عالمی قوتیں جو دہشت گردی کے خلاف سب سے زیادہ واویلا مچا رہی ہیں،انھوں نے خود ہی اس دہشت گردی کو جنم دیا ہے۔ خود ہی دہشت گردی کی پشت پناہی کرتی ہیں اور اب قیام امن کے نام پر پوری دنیا کو تہذیبی تصادم میں جھونکا جا رہا ہے۔اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ پہلے امن کے حقیقی دشمنوں کی شناخت کی جانی چاہئے۔یہ عالمی طاقتیں ہماری غربت اور معاشی بد حالی سے خوب فائدہ اٹھا رہی ہیں ، ایک طرف ڈالروں کا لالچ دے کر ہمار حکمرانوں کو ذہنی طور پر غلام بنا رکھا ہے جبکہ دوسری طرف غربت کے مارے اور تنگدست لوگوں کو جدید جنگی اسلحہ اور عسکری مہارت دے کر اپنوں کے خلاف لا کھڑا کیا ہے۔ اگر ہم حقائق کا کھوج لگائیں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ دہشت گردی کو بیرونی طاقتیں سپورٹ کر رہی ہیں۔اور اندرون ملک دشمن عناصر ان کا

آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔

حضرات ! یقیناً یہ وقت ہمارے لئے بہت نازک اور افسوسناک ہے ۔یوں تو دہشت گردی کے ہر واقعے نے ہمیں رلایا ہے مگر 16 دسمبر کو آرمی پبلک سکول کے معصوم بچوں پر دہشت گردوں کے سفاکانہ حملے نے پوری قوم کو ہلا کر رکھ دیا ہے ہمارے دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔اب ضرورت اس امر کی ہے کہ مذمت کرنے یا ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرانے کی بجائے ایک ایسی قومی پالیسی بنائی جائے جس پر سختی سے عمل پیرا ہو کر وطن عزیز میں مستقل بنیادوں پر امن قائم کیا جا سکے۔

میں سمجھتا ہوں کہ امن قائم کرنے کے لئے ہمیں اپنی خارجہ پالیسی از سر نو وضع کرنی چاہیئے جس میں دوست اور دشمن کی واضح نشاندہی کی گئی ہو، خصوصاً امریکہ کے ساتھ قومی نفع و نقصان کی روشنی میں تعلقات پر نظرِ ثانی کرنی چاہیئے علاوہ ازیں اس وقت طالبان ایک مخصوص مذہبی رجحان کے نمائندہ اور شناخت بن چکے ہیں ۔ علماء کو آگے بڑھ کر انہیں دین کا صحیح تصور سمجھانا چاہیے تاکہ وہ دین وملت کے عالمی دشمنوں کے آلہ کار بن کر نہ تو اسلام بدنام کریں اور نہ ہی واحد ایٹمی اسلامی طاقت کی تباہی میں حصہ دار بنیں۔اور مرکزی حکومت خیبر پختونخوا حکومت کے افغان مہاجرین کو اپنے وطن

بھیجنے کے مطالبہ کو فوری طور پر تسلیم کرتے ہوئے انہیں اپنے ملک بھیجنے کا انتظام کرے۔
اباسین کالمز رائٹرز ایسوسی ایشن اس پلیٹ فارم سے حکومت سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ حکومت دہشتگردی کے خاتمے اور پاکستان کو بیرونی اور اندرونی دہشتگردوں سے محفوظ کرنے کو اولیں ترجیح قرار دے دے اور اس کے لئے جملہ ضروری اقدامات کئے جائیں اس کے ساتھ ہی میں باسین کالمز رائٹرز ایسوسی ایشن کے تمام کالم نگار کی طرف سے حکومت کو وطنِ عزیز میں امن قائم کرنے کے لئے اپنا زورِ قلم استعمال کرنے اور حمائت کا یقین دلاتا ہو۔آپ سب کا شکریہ۔

عمران خان کا آرمی پبلک سکول میں آمد

اس وقت پاکستان کا ہر محب وطن شہری ملک کے موجودہ حالات کی وجہ سے سخت الجھن اور پریشانی کا شکار ہے۔ پورا ملک مختلف قسم کے بحرانوں میں گھرا ہوا ہے۔ عوام اگر ایک طرف مہنگائی، بے روزگاری، گیس لوڈ شیڈنگ اور بجلی کے لوڈشیڈنگ سے تنگ ہے تو دوسری طرف دہشت گردی اور سر پر منڈلاتے جنگ کے کالی گھٹاؤں نے عوام کا سکھ چین لیا ہے۔ پشاور میں آرمی سکول پر دہشت گردوں کے حملے اور معصوم بچوں کی شہادت نے عوام کو شدید خوف اور پریشانی سے دوچار کر دیا ہے۔ دہشت گردوں نے اس جنگ کو عوام کے کچن تک پہنچا دیا ہے اب مائیں سکول جانے والے بچوں کو کانپتے ہاتھوں سے ناشتہ تیار کرکے سکول بھیج کر ان کی خیریت سے گھر بھیجنے کی دعائیں کرتی ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے، آج ہم وہی کچھ کاٹ رہے ہیں جو پچھلے چھیاسٹھ سالوں سے ہم بوتے چلے آرہے ہیں۔ کسی بھی ملک کی بنیاد اس ملک کا سیاسی نظام ہوتا ہے اور ملک کا سیاسی نظام سیاسی پارٹیوں کا مرہونِ منّت ہوتا ہے۔

مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ ہماری بڑی سیاسی پارٹیوں پر جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور صنعتکاروں کا قبضہ ہے جو ہمیشہ ملک کے مفاد سے زیادہ پارٹی یا

ذاتی مفاد کو ترجیح دیتی چلی آرہی ہیں ۔اور جب بھی کوئی فرد یا موجودہ نظام میں تبدیلی کی خواہاں پارٹی موجودہ نظام کے لئے خطرے کی گھنٹی بجاتی ہے تو اس کے خلاف موجودہ نظام برقرار رکھنے کے حامی افراد اکھٹے ہو کر اس کے خلاف اس کا راستہ روکنے کے لئے نت نئے رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں۔اس کا ایک مظاہرہ اس وقت عوام نے ملاحظہ کیا جب عمران خان کے دھرنے کے خلاف اور انتخابات میں دھاندلی کی انکوائری کے مطالبہ کے خلاف پارلیمان میں کئی سیاسی پارٹیوں نے اکٹھ جوڑ کر لیا۔ اور اب ایک مظاہرہ ہم نے یہ دیکھا ،جب عمران خان پشاور میں آرمی پبلک سکول لائے تو سکول کے باہر اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی گئی اور ''گو عمران گو'' کے نعرے لگائے گئے۔اس روز پشاور پریس کلب میں اباسین کالمز رائیٹرز ایسوسی ایشن خیبر پختونخوا کی حلف برداری کی تقریب منعقد ہونی تھی ۔جس میں وزیر اطلاعات و ہائر ایجوکیشن مشتاق غنی نے کالم نگاروں کی نو منتخب کابینہ سے حلف لینا تھا جس کے لئے دوپہر بارہ بجے کا وقت رکھا گیا تھا۔مشتاق غنی صاحب حسبِ وعدہ پریس کلب تشریف لائے تو غصے اور ناگواری کا احساس ان کے چہرے سے عیاں تھا۔کالم رائیٹرز سے حلف لینے کے بعد جب وہ اسٹیج پر تقریر کرنے اٹھے تو کالم نگاروں کو تسلی و تشفی اور اپنے تعاون کی یقین دہانی کرنے کے بعد اپنے دل کی بات زبان پر لے آئے اور کہنے لگے کہ میں ابھی ابھی عمران خان کے سکول آمد کے بعد یہاں آیا ہوں اور میں نے سکول سے باہر گیٹ پر جو کچھ دیکھا وہ بہت ہی افسوسناک اور

قومی سیاست کے لئے خطرناک منظر دیکھا انہوں نے کہا، جب پاکستان تحریکِ انصاف کے چئیر مین عمران خان اپنی اہلیہ ریحام خان کے ہمراہ سکول پہنچے تو سکول سے باہر مسلم لیگ نواز گروپ اور عوامی نیشنل پارٹی کے چند افراد نے عمران خان کا راستہ روکنے کی کوشش کی اور " گو عمران گو " کے نعرے لگوائے انہوں نے ان میں سے چند افراد کے نام بھی گنوائے اور کہا کہ جب عمران خان سکول کے اندر تشریف لے گئے تو سکول کے بچوں نے عمران خان کا والہانہ استقبال کیا آٹو گراف لئے۔ تحریکِ انصاف کے حق میں نعرے بھی لگائے۔انہوں نے کہا کہ میں نہایت وثوق سے یہ بات کہتا ہوں کہ سکول سے باہر یہ احتجاج منصوبہ بندی کے تحت کیا گیا۔

الغرض اس قسم کے واقعات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری سیاسی پارٹیاں یکجہتی کو فروغ دینے کے بجائے انتشار کی سیاست کو اپنا کر اپنا الّو سیدھا کرنا چاہتی ہیں۔ حالانکہ موجودہ وقت اختلاف کا نہیں ، ملاپ کا ہے، بکھرنے کا نہیں ، سدھرنے کا ہے کیونکہ اس وقت ملک کی کشتی بھنور میں پھنسی ہچکولے کھا رہی ہے اگر اس وقت بھی ہمارے سیاسی قائدین نے عقل کے ناخن نہ لئے اور ایک دوسرے کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے تو "اللہ نہ کرے" وطنِ عزیز پر موجودہ وقت سے بھی زیادہ برا وقت آسکتا ہے۔اور سیاسی لیڈروں کی دکانداری کو بھی تالا لگ سکتا ہے لہٰذا ہماری سیاسی قیادت سے گزارش ہے کہ وہ سیاست

جمہوری انداز میں ضرور کریں، احتجاج بھی ان کا حق ہے مگر کسی سازش کے تحت نہیں بلکہ قومی مفاد کی خاطر کریں اور نفاق کی بجائے اتفاق کو فروغ دینے کی کوشش کریں۔

تیل کی دھار نہیں، قطار دیکھو

وطنِ عزیز میں عجیب عجیب تماشے دیکھنے کو ملتے ہیں، ہر ہفتہ نہیں تو ہر ماہ کوئی نہ کوئی تماشہ لگ جاتا ہے جس میں تماشہ لگانے والے اپنی کرتب دکھاتے ہیں اور عوام بے چارے روتے رہتے ہیں، کچھ عرصہ گزرنے کے بعد وہ تماشہ ختم ہوتا ہے تو دوسرا شروع ہو جاتا ہے۔دیکھئے نا! کچھ عرصہ پہلے دھرنے تھے اور ہم تھے،اچانک سانحہ پشاور پیش آیا جس نے پوری قوم کو ہلا کر رکھ دیا۔ابھی ہم وہ غم نہیں بھولے تھے کہ قوم کے رگوں میں دوڑنے والا خون کم پڑ گیا۔تیل کی حیثیت فی زمانہ کسی بھی قوم کی رگوں میں خون کی سی ہوتی ہے کیونکہ تیل ہی کی بدولت قوم کی معیشت، مشینری، گاڑیوں کا پہیہ چلتا ہے۔تیل نہ ہو تو یوں لگتا ہے جیسے زندگی کا پہیہ رک گیا ہو،زندگی مفلوج ہو جاتی ہے، پبلک ٹرانسپورٹ بند ہو جاتی ہے، بچے سکولوں اور کالجوں کو نہیں جا سکتے،ایمبولنس اور ریسکیو اپریشن متاثر ہو جاتی ہے، شہر شہر ہنگامہ آرائی شروع ہو جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ گزشتہ چند دنوں سے جب پٹرول کی قلّت پیدا ہوا تو پورے ملک میں خصوصا پنجاب میں پٹرول پمپوں پر قطاریں لگ گئیں لوگوں کو سخت پریشانی کا سامنا پڑ گیا بلکہ تا دمِ تحریر اسیرِ الجھن ہیں۔دوسری طرف ہماری حکومت

جو بلا شک و شبہ پٹرول کی قلت اور اس بحران کی مکمل ذمہ دار ہے، کسی کو اس بحران اور غفلت کا ذمہ دار ٹھہرانے سے بھی قاصر ہے۔ حکومت کے وزراء کے بیانات پڑھ کر ہنسی بھی آتی ہے اور افسوس بھی، ایک ہی حکومت، ایک ہی پارٹی کے وزراء کیسے کیسے بیانات داغ رہے ہیں، ذرہ ملاحظہ فرمایئے۔ وفاقی وزیرِ خزانہ جناب اسحاق ڈار صاحب فرماتے ہیں ''پٹرول بحران حکومت کے خلاف گہری سازش ہے'' پٹرولیم کے وفاقی وزیر جناب شاہد خاقان عباسی صاحب کہتے ہیں ''کھپت میں اضافے کے باعث بحران پیدا ہوا جناب وزیرِ اعظم صاحب کا ارشاد ہے'' بحران نااہلی کا ثبوت ہے، ذمہ دار سزا کے لئے تیار رہیں'' تحقیقاتی کمیٹی بنتی ہے اور تحقیق کے بعد رپورٹ پیش کرتی ہے کہ کسی وزیر کا قصور نہیں، کسی نے غفلت نہیں برتی، سب معصوم ہیں یوں وزیر اعظم صاحب تمام متعلقہ وزراء کو کلین چِٹ عنایت فرماتے ہیں۔ تحقیقاتی کمیٹی کے رپورٹ میں اس بحران کی ذمہّ داری اوگرا کے سر تھوپی جاتی ہے جبکہ اوگرا اس ذمہّ دارے کو قبول کرنے سے یکسر انکار کرتی ہے۔ البتہ چار پانچ سرکاری افسران کو اس تماشہ کا بھینٹ چڑھا تے ہوئے معطل کیا جاتا ہے۔

پوری دنیا میں یہ دستور ہے کہ کسی بھی ادارے کا سربراہ ادارے کے کارکردگی کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔ جو عموما وزیر ہی ہوتا ہے، کسی ادارے کی وجہ سے ملک میں اتنا بڑا بحران پیدا ہو جائے تو متعلقہ وزیر نہ صرف یہ کہ استعفیٰ

دے دیتا ہے بلکہ شرم کے مارے عوام سے منہ چھپائے پھرتا ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ وطنِ عزیز کے ڈھنگ ہی نرالے ہیں ۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے وزراء بہت بڑا بلنڈر کرنے کے باوجود استعفٰی کیوں نہیں دیتے ؟ یا ان سے حکومت استعفٰی کیوں طلب نہیں کرتی؟ دراصل اسی سوال کے پیچھے وہ درپردہ کہانی ہے جسے عوام کے سامنے لانے کی بجائے عوام کے آنکھوں میں دھول ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ایک عام فہم بات ہے ، اگر کسی جگہ چند افراد اکھٹے ہو کر گروہ کی صورت میں چوری یا ڈاکہ ڈالنا شروع کر دیں تو ایک دوسرے کی پردہ پوشی سب کی مجبوری ہوتی ہے ، اگر ان میں سے کسی ایک کو کسی خطا پر اس گروہ سے نکالا جائیگا تو وہ ایک فرد دوسروں کے تمام رازوں کو افشاء کرے گا، اس خوف کی وجہ سے اسے اپنے ساتھ رکھا جاتا ہے تاکہ کام چلتا رہے اور گلشن کا کاروبار چلے۔ پیپلز پارٹی کے بڑے معروف راہنما جناب قمر زمان کائرہ صاحب نے گزشتہ روز پریس کانفرنس کرتے ہوئے پٹرول بحران کا ذمہّ دار وزیر اعظم میاں نواز شریف کو قرار دیا۔اس لئے کہ وہ اس قسم کے وارداتوں سے بخوبی واقف ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ اس قسم کے بحران کیوں اور کیسے پیدا کئے جاتے ہیں اور ان سے کون کس حد تک مستفید ہوتا ہے۔

الغرض اس بد قسمت ملک کے خوش قسمت سیاستدان اور حکمران عوام سے عجیب عجیب ،مذاق کرتے رہتے ہیں جسے دیکھ کر ہمیں افسوس بھی ہوتا ہے اور خوشی بھی

افسوس اس لئے کہ اپنا پیارا وطن ہمیں جان سے بھی زیادہ عزیز ہے، اسے جب کوئی نقصان پہنچاتا ہے تو ہماری پریشانی میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔اور خوشی عوام کو قطاروں میں دیکھ کر، حاصل ہوتی ہے کیونکہ بار بار ڈسنے کے باوجود ہماری عوام کو عقل نہیں آتی،وہ بار بار ان لوگوں کو منتخب کرتے ہیں جو ان کے آزمائے ہوئے ہیں، آزمائے ہوؤں کو بار بار آزمانا کہاں کی دانشمندی ہے؟اگر عوام اپنے ووٹ کادرست استعمال نہیں کریں گے تو نتیجہ یہی ہو گا۔عوام کی حالت توتب بدلی گی جب یہ اپنی حالت بدلنے کی سعی کریں گے ورنہ یوں ہی خوار ہوتے رہیں گے کیونکہ ''خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی۔نہ ہو خیال جس کو آپ اپنی حالت بدلنے کا'' البتہ ان کو بار بار بحران کا سامنا کرنا پڑے گا اور ایک دوسرے کو یہ کہنے کا موقعہ ضرور ملے گا کہ بجلی نہیں تو بجلی کے تار دیکھو،

''تیل کی دھار نہیں، تو قطار دیکھو''

شہداءِ پشاور کے والدین سے ایک گزارش

سانحہ آرمی پبلک سکول ایک ایسا دلخراش واقعہ تھا جس نے نہ صرف شہید بچوں کے والدین کے دلوں کو چھلنی چھلنی کر دیا بلکہ ہر اس شخص کو ہلا کر رکھ دیا جو دردِ دل رکھتا ہے'یقینا ہم سب کے لئے یہ غم فراموش کرنا آسان نہیں لیکن اس کے باوجود میں شہید بچوں کے والدین یا ان کے عزیز واقارب سے دلی ہمدری رکھتے ہوئے ایک گزارش کرنا چاہتا ہوں۔ ہم سب یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ جوں جوں ہماری عمر بڑھتی جاتی ہے، ہمیں بے شار نا خوشگوار حالات سے واسطہ پڑتا ہے۔ بعض دفعہ تو ایسے حالات سے بھی سابقہ پڑ جاتا ہے جو بہت ہی اذیت ناک، المناک اور نا قابلِ فراموش ہوتے ہیں ۔ایسی صورت میں ہمارے پاس دو آپشن موجود ہو تے ہیں اول یہ کہ ہم اسے اللہ کی رضا سمجھ کر ذہنی طور پر قبول کر لیں یا دوسری صورت یہ ہے کہ اسے زندگی بھر کا روگ بنا کر اعصابی شکست سے دوچار ہو جائیں اور یوں اپنی زندگی بھی تباہ کر دیں۔ذرا سوچئے۔۔! اگر ہم زندگی کے دھکوں اور دھچکیوں کو جذب کر نے کی بجائے ان کی مزاحمت شروع کر دیں، تو ہمارا حشر کیا ہوگا ؟اگر ہم بید کی طرح جھکنے سے انکار کر دیں،اور شاہ بلوط کی طرح مزاحمت پر اصرار کریں ، تو پھر کیا ہو گا۔۔؟اس کا آسان جواب یہی ہے کہ ہمارے اندر کشمکشوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائیگا اور ہم اعصابی پریشانیوں

کا شکار ہو کر مضطرب اور بے چین رہیں گے۔اس لئے بہتر یہی ہو گا کہ ہم اپنے دکھوں کو مسکراہٹ کے پردے میں چھپا دیں۔

ایک دفعہ مجھے ایسی ہی ایک نہایت تکلیف دہ صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا۔میں نے اس صورتحال کو ذہینی طور پر قبول کرنے سے انکار کیا، میں نے حماقت کی اور ناگزیر صورتحال سے الجھ پڑا، نتیجہ کیا ہوا۔۔۔میری راتیں بے خوابی کے جہنم میں تبدیل ہو گئیں آخر ایک سال اذیت سہنے کے بعد ایک خاتون کی آپ بیتی نے میرے اندر ایک ایسی تبدیلی پیدا کی کہ میں بالکل بدل گیا اور اللہ کے فیصلہ پر صابر و شاکر ہو کر خوشگوار زندگی گزارنے لگا۔خاتون نے مجھے بتایا کہ ہم میاں بیوی کو اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹے کی نعمت اور ایک بیٹی کی رحمت سے نوازا تھا اور ہم ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے تھے۔بیٹے کو پاک فوج میں جانے کا بڑا شوق تھا،ایف ایس سی کرنے کے بعد وہ آرمی میں کمیشن لینے میں کامیاب ہوا اور پی ایم اے کاکول ٹرنینگ کرنے چلا گیا۔میرا خاوند بیٹے کے اس -کامیابی پر خوشی سے پھولے نہیں سماتا تھا مگر

قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔چھ ماہ کے بعد میرے خاوند کو دل کا دورہ پڑا اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔بیٹا کاکول سے پاس آوٹ ہوا تو اس کی پہلی پوسٹنگ سیالکوٹ کر دی گئی۔ایک سال گزرا تو پاک بھارت جنگ چھڑ گئی، میں اپنے بیٹے

کی حفاظت کی دعائیں مانگنے لگی، ایک دن مجھے اطلاع ملی کہ آپ کا بیٹا جامِ شہادت نوش کر گیا ہے۔یہ سن کر مجھ پر غم واندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، اس کی اچانک موت نے میری تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا، میری دنیا زیر وزبر ہو گئی، میرے زندگی میں تمام دلچسپیاں ختم ہو گئیں۔میں روز قبرستان جا کر اپنے بیٹے کی قبر کے سرہانے بیٹھ کر رویا کرتی تھی میری رگ رگ میں تلخی اور مایوسی بھر گئی تھی ہر وقت میرے آنکھوں کے سامنے میرے بیٹے کی زندگی گھوم رہی تھی۔میں سوچتی تھی، اللہ نے میرے بیٹے کو شہادت کے لئے کیوں منتخب کیا؟ایک دن جب میں صندوق میں سے کپڑے نکال رہی تھی تو مجھے اپنے بیٹے کا وہ خط ملا جو اس نے اپنے والد کے وفات کے بعد مجھے لکھا تھا۔اس نے لکھا تھا'' والد صاحب کے انتقال سے آپ کے زندگی میں جو خلاء پیدا ہوا ہے،اسے پر کرنا یقینا ممکن نہیں مگر مجھے یقین ہے کہ آپ اس صدمہ کو برداشت کر لیں گی آپ کا ذاتی فلسفہ اس سلسلے میں آپ کی مدد کرے گا، میں وہ ساری خوب صورت حقیقتیں کبھی نہیں بھول سکتا جو آپ نے مجھے سکھائی تھیں، میں جہاں کہیں بھی جاؤنگا، مجھے ہمیشہ یاد رہے گا کہ آپ نے مجھے مسکرانا اور جو کچھ بھی پیش آئے، اسے مردوں کی طرح قبول کرنا سکھایا ہے۔''میں نے اس خط کو بار بار پڑھا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا بیٹا یہاں کہیں میرے پاس ہی ہے اور مجھ سے باتیں کر کے کہہ رہا ہے'' امی جان! جو کچھ تم نے مجھے سکھایا تھا خود اس پر عمل کیوں نہیں کرتی؟اس کے بعد میں نے مختلف سرگرمیوں میں دلچسپی لینا شروع کر دی،

میں نے مختلف کاموں میں اپنے آپ کو مصروف رکھا، میرے اندر ایک ایسی تبدیلی آ گئی جس کی مجھے امید نہیں تھی میں نے ماضی پر آنسو بہانا چھوڑ دیا اور یوں میری زندگی نارمل اور خوشگوار بن گئی۔ مشہور فلاسفر ولیم جیمز کا کہنا ہے ” دنیا میں ہر بیماری کی دوا یا تو موجود ہے۔۔یا نہیں ہے ! اگر کوئی دوا ہے تو اس کو حاصل کرنے کی فکر کرو اور اگر نہیں ہے تو صبر کرو“ اب جو بچے ہم سے بچھڑ گئے ہیں ،جو جنّت کے پھول بن چکے ہین ان کا واپس آنا تو ممکن نہیں،اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ جو کچھ ہو چکا ہے اس پر قناعت کیا جائے۔دماغی سکون بدترین چیز کو قبول کرنے سے حاصل ہوتا ہے ۔الحمدللہ۔۔ ہم سب مسلمان ہیں ،ہمارا اعقیدہ ہے کہ دنیا میں انسان کا آنا اور جانا انسان کے مرضی پر نہیں ، اللہ کے مرضی پر منحصر ہے۔ لہٰذا میری آرمی پبلک سکول پشاور کے سانحہ میں شہید ہونے والے بچوں کے والدین اور عزیز واقارب سے یہی ایک گزارش ہے کہ وہ اللہ کے مرضی پر صابر و قانع رہیں اور کسی کام میں مشغول رہ کر اپنے ذہن سے پریشانی نکالنے کی کوشش کیجئے، کیونکہ کثرتِ کار تفکرات کی بہترین دوا ہے۔۔۔۔۔۔

تعلیم اور نظامتِ تعلیم

تعلیم ہمیشہ سے پاکستان کا ایک توجہ طلب مسئلہ رہا ہے لیکن بد قسمتی سے گزشتہ ٦٧ سالوں سے کسی حکومت نے اس مسئلہ کو سنجیدگی سے حل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ہر نئی حکومت تعلیمی پالیسی بھی بناتی رہی اور تعلیمی معیار کو بہتر بنانے کی کوششوں کی دعویدار بھی رہی مگر حقیقت یہ ہے کہ ہمارا نظامِ تعلیم آج بھی ناقص ہے اور حکومت کی توجہ کی مستحق ہے۔اٹھارویں ترمیم کے بعد تعلیم کی ذمہّ داری مکمل طور پر صوبوں کے حوالہ کی گئی ہے بوجوہ ہم خیبر پختونخوا میں تبدیلی کی دعوے دار پاکستان تحریکِ انصاف کی حکومت سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ خیبر پختونخوا میں بہتر اور دیرپا نظامِ تعلیم کو اپنے ترجیحات میں پہلے نمبر پر رکھے گی۔ موجودہ حکومت نے اساتذہ کرام اور کلریکل سٹاف کو اَپ گریڈ کرکے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ صوبے میں بہتر اور معیاری تعلیم کی خواہاں ہے۔مگر ہم سمجھتے ہیں کہ اگر موجودہ حکومت محکمہ تعلیم میں مینیجمنٹ کیڈر کو نظر انداز کر دے اور صرف تدریسی شعبہ پر ساری توجہ مرکوز رکھے تو وہ نتائج جو عوام یا حکومت چاہتی ہے، کبھی حاصل نہیں ہو سکیں گے۔حکومت کو یہ بات مدِ نظر رکھنی چاہیئے کہ 2000 میں ایک عالمی ادارے اور برٹش کونسل سے حکومتِ پاکستان نے ایک غیر جانبدارانہ سروے کرایا تھا تاکہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ پاکستان میں

نظامِ تعلیم میں اصل اور بنیادی خرابی کیا ہے؟ اس سروے رپورٹ کے مطابق اصل اور بنیادی خرابی محکمہ تعلیم میں سکولوں اور اساتذہ پر موثر checkکا نہ ہونا ہے، جس کا حل یہ بتایا گیا کہ تدریسی کیڈر کو مینجمنٹ کیڈر سے الگ کیا جائے۔اس کے بعد مختلف حکومتوں نے کچھ نیم دِلانہ کوششیں بھی کی کہ ان سفارشات پر عمل کیا جائے اور مینجمنٹ کیڈر کو تدریسی شعبہ سے الگ کیا جائے مگر بعض قوتیں ایسا نہیں چاہتی تھیں کیونکہ اس طرح اساتذہ پر سیاسی اثر رسوخ، تبدیلی کا خوف یا کنٹرول ختم ہونے کا ڈر تھا۔ لہٰذا نو سال تک یہ معاملہ لٹکا رہا اور کسی نہ کسی بہانے اس کے لئے رولز ریگولیشن بنانے کے عمل کو ملتوی کیا جاتا رہا آخر 9 ستمبر 2009 کو سکول مینجمنٹ کیڈر کی تشکیل کے لئے قواعد و ضوابط کا اجراء کر دیا گیا اور تمام صوبوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ ایک ایسا مینجمنٹ کیڈر کا انتخاب عمل میں لائیں جو تدریسی کیڈر سے الگ، سیاسی اثر رسوخ سے پاک اور آزادانہ کام کرنے کی اہل ہو۔اس وقت خیبر پختونخوا میں اے این پی کی حکومت تھی جس نے صوبائی پبلک سروس کمیشن کو انتظامی افسران (گریڈ 16تا گریڈ19) کے عہدوں کے لئے اہل افرد کے چناوء کی ہدایت کی۔اگرچہ بعض قوتوں کے طرف سے اسے روکنے کی کوشش کی گئی، معاملہ سپریم کورٹ تک جا پہنچا مگر باالآخر فیصلہ مینجمنٹ کیڈر کے قیام پر منتج ہوا اور پبلک سروس کمیشن کے ذریعے ای ڈی اوز،ڈپٹی ڈی اوز اور ڈی اوز کا چناو کیا گیا۔ تقرری ہونے کے بعد ان انتظامی افسران نے بہ احسن تقویم اپنے

فرائض سرانجام دینے شروع کئے اور سکولوں میں بہتری کے آثار نظر آنے لگے۔

اب گذشتہ چند دنوں سے ہم اخبارات کے صفحات پر مینجمنٹ کیڈر کی طرف سے احتجاج کی خبریں ملاحظہ کر رہے ہیں۔جب ہم نے اس احتجاج کی کھوج لگائی تو بڑے حیران کن معلومات ہم تک پہنچیں مثلاً یہ کہ لاکھوں کی تعداد میں اساتذہ اور کلرکوں کو اپ گریڈ کیا گیا ہے ان کے تنخواہوں میں خاطر خواہ اضافہ کیا گیا مگر مینجمنٹ کیڈر کے ملازمین کو نظرانداز کرتے ہوئے اَپ گریڈ نہیں کیا گیا جو تعداد میں صرف ساڑھے پانچ سو کے لگ بھگ ہیں۔یقیناً اس اقدام سے مینجمنٹ کیڈر کے حوصلے پست ہوں گے اور ان کے کام کرنے کی صلاحیت بری طرح متاثر ہوگی جو پہلے سے کمزور اور قابلِ رحم تعلیمی نظام کو مزید کمزور اور روبہ زوال کرے گی۔ لہٰذا ہماری گزارش ہے کہ بہتر اور معیاری نظامِ تعلیم کے فروغ کے لئے مینجمنٹ کیڈر کی فریاد کو بھی سن لے اور محکمہ تعلیم میں موجود دوسرے اہل کاروں کی طرح ان کے گریڈ بھی بڑھا دیئے جائیں تاکہ وہ سکون واطمینان کے ساتھ اپنے فرائضِ منصبی سرانجام دے سکیں۔

پاک چائنہ اکنامک کاریڈور۔روٹ کی تبدیلی

قدرت بھی مہربان، چین بھی مہربان مگر افسوس کہ اپنے نا مہربان،۔ سچ ہے، جو درد ملا، اپنوں سے ملا، غیروں سے شکایت کوئی نہیں،وطنِ عزیز کے حکمرانوں نے گذشتہ چھیاسٹھ برسوں میں ماسوائے چند ایک میگا پراجیکٹ کے کوئی قابلِ ذکر ایسا منصوبہ نہیں بنایا جو پاکستانی عوام کی تقدیر بدل سکے یا ان کے مشکلات میں کمی لا سکے خصوصا خیبر پختونخوا وہ بد قسمت صوبہ ہے جس کو حکمرانوں نے ہمیشہ نظر انداز کیا، اگر ایک طرف خیبر پختونخوا دہشت گردی کی جنگ سے بری طرح متاثر ہے تو دوسری طرف حکمران اس کے ساتھ سوتیلے بھائی کا سلوک کرکے ان کے احساسِ محرومی میں اضافہ کر رہے ہیں۔ جس کی ایک حالیہ مثال پاک چائنہ اکنامک کاریڈور کے مجوزہ روٹ میں تبدیلی کی سازش ہے۔پاک چائنہ اکنامک کاریڈور کے منصوبے پر صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کے دور میں مذاکرات شروع کئے گئے جو بعد میں سابق صدر زرداری اور وزیر اعظم نواز شریف کے دور میں بھی جاری رہے۔

یہ منصوبہ چین کی خواہش پر بنایا گیا ہے دراصل گزشتہ دس سالوں سے چین اور بھارت کے درمیان معیشت اور تجارت کے میدان میں زیادہ سے زیادہ طاقتور بننے کی دوڑ چلی آ رہی ہے۔دونوں ممالک میں صنعت کاری بڑھ رہی ہے، جس کے لئے تیل

کی مانگ میں اضافہ ہو رہا ہے کیونکہ کارخانوں کے متحرک ہونے کے لئے تیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ مشرقِ وسطیٰ کے عرب ممالک آج بھی دنیا کے تیل برآمد کرنے کے حوالے سے اہم ترین حیثت رکھتے ہیں اگرچہ تیل کے ذخائر دنیا کے دیگر ممالک میں بھی موجود ہیں مگر عرب ممالک کا تیل کرہ ارض کے مرکزی زون میں ہے لہٰذا اس کی ترسیل آسان تر ہے۔ چین کے پاس اگرچہ بندرگاہ ہے مگر وہ بحرا لکاہل سے ملتی ہیں جو مشرقِ بعید کے کے لئے تو کارآمد ہیں مگر مشرقِ وسطیٰ کے ممالک اور مغربی ممالک کے لئے مختصر بحری یا زمینی راستہ اس کے پاس کوئی نہیں، پاکستان کا گوادر بندرگاہ ان کے ضرورت پوری کرنے کے لئے نہایت موزوں بندرگاہ ہے اس بندرگاہ کی خاصیت یہ ہے کہ یہاں ساحل تک سمندر گہرا ہے اور بڑے بڑے بحری جہاز براہِ راست ساحل پر لگ سکتے ہیں یہ بندرگاہ معیار کے لحاظ سے دنیا کے بہترین بندرگاہوں میں سے ایک ہے، لہٰذا چین نے پاکستان کو یہ پیشکش کی کہ وہ چین کے شہر کاشغر سے لے کر گوادر تک ایک ایسا کاریڈور تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے جس میں موٹر وے، ریلوے لائن ،فائبر آپٹیکس اور تیل پائپ لائن ہوگا۔ جس کے ارد گرد صنعتی بستیاں تعمیر کی جائینگی۔
لاکھوں لوگوں کو روزگار ملے گا۔ اس کاریڈور کے لئے چین نے جو روٹ تجویز کیا ہے وہ ایبٹ آباد، حسن آبدال ،میاں والی، کوہاٹ، کرک، لکی مروت، ڈی آئی خان، جنوبی وزیرستان، ژوب اور کوئٹہ سے گزر کر گوادر تک جا پہنچتا ہے۔ اگر یہ

منصوبہ موجودہ مجوزہ روٹ پر پایہء تکمیل تک پہنچتا ہے تو خیبر پختونخوا، خصوصا خیبر پختونخواکے جنوبی اضلاع اور بلوچستان کی تقدیر بدل جا ئیگی۔یہ روٹ جہاں جہاں سے گزرے گا،وہ علاقے تجارت اور اقتصادی سرگرمیوں کا مرکز بن جائیں گے،جو پورے پاکستان کے لئے باعثِ ترقی و خوشحالی ہوں گے۔مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ پاکستانکے موجودہ وزیراعظم میاں نواز شریف اس روٹ کا رخ بدل کر پنجاب میں سے گزارنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔وہ چاہتے ہیں کہ اس روٹ کا رخ حسن ابدال سے موجودہ موٹر وے پر ڈال کر لاہور کی طرف موڑ دیا جائے اور لاہور سے ملتان اور پھر گوادر کی طرف موڑ دیا جائے اس کے لئے ان کی طرف سے کئی توجیحات پیش کی جارہی ہیں مثلا یہ کہ موٹر وے کے ساتھ ملانے سے اس کا خرچہ کم ہو جائیگا۔خیبر پختونخوااور بلوچستان میں اس روٹ کو دہشت گردی کا سامنا کرنا پڑے گا وغیرہ، وغیرہ۔

ہم یہ سمجھتے ہین کہ ایسی سوچ خیبر پختونخوا،فاٹا اور بلوچستان سے کھلی دشمنی کے مترادف ہے۔یہ علاقے پاکستان کے پسماندہ ترین علاقے ہیں ۔اللہ تعالیٰ نے ان علاقوں کو معدنی دولت سے مالا مال کر رکھا ہے مگر ہمارے حکمرانوں کے ناقص پالیسیوں کی وجہ سے یہ علاقے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے ان نعمتوں سے اب تک مستفید نہ ہوسکے۔اب چین کی تجویز شدہ سڑک، ریلوے لائن ، فائبر اپٹیکس اور صنعتی زون قائم کرنے سے ان پسماندہ ترین علاقوں کو اپنی قسمت بد

لنے کا موقعہ فراہم کیا جا رہا ہے مگر ہمارے اپنے حکمران اس اہم منصوبے کے فوائد سے انہیں محروم کرنے کی سازش کر رہے ہیں۔ حالانکہ جب چینی سفیر سے اس روٹ کی تبدیلی سے متعلق استفسار کیا گیا تو چینی حکومت نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا کیونکہ لاہور اور ملتان پر سے اگر اس روٹ کو تعمیر کیا جائے تو اس کی لمبائی میں کئی سو کلومیٹر کا اضافہ ہو جاتا ہے جبکہ چین اس کو مختصر ترین راستے سے گزارنا چاہتا ہے۔ واضح رہے کہ اس اہم ترین منصوبے کی ابتدا وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف نے حویلیاں کے مقام پر ہزارہ موٹر وے کا سنگِ بنیاد رکھ کر کر دیا ہے۔ اس موقعہ پر جب ان سے پاک چائنہ کاریڈور کے روٹ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کوئی واضح جواب نہیں دیا، جس یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے من میں چور ہے اور وہ اسے خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں سے گزارنے کی بجائے لاہور اور ملتان سے گزارنا چاہتا ہے۔ خدا کرے کہ میاں نواز شریف عقل کے ناخن لے اور پنجاب کے علاوہ دیگر صوبوں سے سوتیلی ماں کا سلوک نہ کرے کیونکہ ایسا کرنے سے دوسرے بنگلہ دیش بننے کی نوبت بھی آ سکتی ہے۔ ہم خیبر پختونخوا اور بلوچستان کے حکمرانوں اور سیاسی قیادت سے پر زور اپیل کرتے ہیں کہ وہ پاک چائنہ اکنامک کاریڈور کی موجودہ روٹ کے تبدیل کرنے کی سازش کو ناکام بنانے کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔ اور کسی صورت میں اس کاریڈور کی مجوزہ روٹ میں تبدیلی کو قبول نہ کریں۔۔

موبائل فون اور سموں کی ویریفیکیشن

اللہ کرے کہ دہشت گردی ختم ہو اور پاکستان کے عوام سکھ کا سانس لے سکیں مگر ہمیں حیرانگی ہوتی ہے، بعض ان اقدامات پر، جو حکومتِ وقت دہشت گردی کو روکنے کے لئے بروئے کار لاتی ہیں۔ ان اقدامات سے دہشت گردی روکنے میں کتنی مدد ملتی ہے یہ تو حکومت جانے، مگر ہم اتنا جانتے ہیں کہ ان اقدامات سے عوام کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ موٹر سائیکل پر دو سواریاں بند، بلکہ موٹر سائیکل کی سواری پر پابندی، موبائل نیٹ ورک بند، جگہ جگہ ناکے، جامہ تلاشیاں، وغیرہ جیسے اقدامات روز کا معمول بن چکے ہیں مگر اب موبائل سموں کی بائیو میٹرک سسٹم کی ذریعے ویری فیکیشن عوام کے سر پر ایک نئی مصیبت آکھڑی ہوئی ہے۔ پاکستان ٹیلی کمیونیکشن اتھارٹی نے بائیو میٹرک ویری فیکیشن سسٹم کے ذریعے سموں کی تصدیق لازمی قرار دیا ہے۔ اب پاکستان کے کروڑوں موبائل صارفین اپنا شناختی کارڈ اور انگوٹھے کا نشان فراہم کرکے اپنی سم کی تصدیق کروائیں گے ورنہ تصدیق کے لئے مقررہ مدّت ختم ہونے کے بعد ان کی سم بند کر دی جائے گی۔ دہشت گردی روکنے کے لئے حکومت جو بھی قدم اٹھائے، ہمیں ان پر اعتراض نہیں، اعتراض اگر ہے تو اس بات پر کہ عوام کی تکلیف کا کسی کو احساس نہیں، دفتر جاتے ہوئے میرا گزر روزانہ پشاور یونیورسٹی روڈ پر واقع ایک موبائل کمپنی کے کسٹمر

سروس سنٹر سے ہوتا ہے، وہاں میں دیکھتا ہوں کہ لمبی لمبی قطاروں میں لوگ کھڑے ہوتے ہیں اور اپنی باری کے انتظار میں گھنٹوں وقت گزارتے ہیں، گھنٹوں کھڑے رہنے کے بعد جب باری آتی ہے تو کئی لوگوں کو یہ کہہ کر مایوس لوٹا دیا جاتا ہے کہ آپ کے انگوٹھوں کے نشانات موجود نہیں، آپ نادرا سنٹر جا کر دوبارہ انگوٹھوں کے نشانات لگا کر دوبارہ تشریف لائیں۔اب موبائل کسٹمر سنٹر والوں کو کون سمجھائے کہ دو گھنٹے یہاں ضائع کئے،اب دو گھنٹے نادرا سنٹر کے سامنے کھڑا ہونا پڑے گا اور پھر واپس آ کر دو گھنٹے پھر لائن میں کھڑا ہونا پڑے گا یا حکومت کو کون سمجھائے کہ جن ووٹوں کے ذریعے حکومت بنتی ہے اس کے لئے بائیو میٹرک سسٹم کے تحت الیکشن سے تو آپ گریزاں ہیں مگر موبائل سمز کی ویری فیکیشن کو ضروری سمجھتے ہیں،ایسا کیوں ہے ؟کیا اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ بائیو میٹرک سسٹم کے ذریعے سم کی تصدیق رقم کمانے کا بھی ایک بہترین حربہ بھی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ موبائل فونز ایک ایسی بیماری ہے جس نے چھوٹے،بڑے، جوان،بوڑھے، خواتین غرض ہر قسم کے لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔پہلے پہل یہ مرض صرف اہلِ ثروت لوگوں کو لاحق تھا مگراب ان ملٹی نیشنل کمپنیوں نے کچھ ایسی چال چلی کہ اب ہر فرد اس کا مریض بن چکا ہے۔مزدور ہو،ریڑھی چلانے والا، طالبعلم ہو یا استاد، موبائل فون کے بغیر گزارہ نہیں ہوتا۔اس

عفریت نے جہاں سہولتیں مہیا کی ہیں وہاں کئی مسائل کو بھی جنم دیا ہے، نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی بے راہروی میں موبائل فون کا اچھا خاصا کردار رہا ہے اور اب بھی موجود ہے۔اخلاقی مسائل کے علاوہ موبائل فون کا استعمال دہشت گردی کے واقعات میں بھی ہوا ہے لیکن اس کا علاج یہ نہیں کہ بائیو میٹرک سسٹم کے ذریعے ویری فیکیشن کے ذریعے عوام کو امتحان میں ڈالا جائے بلکہ ہونا یہ چاہئیے کہ موبائل کمپنیوں کو اس بات کا پابند بنایا جائے کہ وہ سمز جاری کرتے وقت اس بات کو یقینی بنائے کہ سم لینے والا پاکستان کا معزز شہری ہے۔پاکستان میں موبائل فون آپریٹرز کمپنیوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ان میں سے ایک سرکاری سرپرستی میں جب کہ باقی تمام ملٹی نیشنل کمپنیوں کی شکل میں موجود ہیں۔یہ کمپنیاں اربوں روپے کما رہی ہیں ان کمپنیوں نے جب پاکستان میں کام شروع کیا تو ان سے سم لینا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا، ہم نے خود قطار میں کھڑے ہو کر اپنے تمام کوئف مہیا کرنے کے بعد تین ہزار میں ایک سم خریدی تھی لیکن بعد ازاں ان کمپنیوں نے زیادہ سے زیادہ رقم کمانے اور مسابقت کی دوڑ میں تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ دیا اور اپنے ملازمین اور فرنچا ئزوں کو ٹارگٹ دینا شروع کر دیئے چنانچہ لاکھوں موبائل سمیں تقریبا مفت بانٹنی شروع ہو گئیں جس کا نتیجہ وہی نکلا جو ہم آج دیکھ رہے ہیں۔بے شمار لوگوں نے مو بائل فونز کو مذموم مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔

ہماری گزارش صرف اتنی ہے کہ موبائل سموں کی ویری فیکیشن انگوٹھوں کے نشانات کی بجائے موبائل کمپنیاں ذمہ داری کے ساتھ اپنے صارفین سے ایک کال کے ذریعے ان کے شناختی کارڈ میں موجود تفصیلات پوچھ کر کرے۔ سموں کی اندھا دھند فروخت بھی فوری طور پر بند کرے، خود احتسابی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا قبلہ درست کریں، غیر مستحق افراد تک اپنی سم نہ پہنچانے کو یقینی بنائیں۔

پٹرول کی قیمتیں کم مگر مہنگائی زیادہ، کیوں؟

اللہ تعالیٰ حکیم محمد سعید "شہیدِ پاکستان" کے درجات بلند فرمائے انہوں نے ایک بڑی مثبت اور صحت مند روایت پاکستان میں قائم کی ہے کہ ہر ماہ با قاعدگی کے ساتھ پاکستان کے چار بڑے شہروں، پشاور، راولپنڈی، لاہور اور کراچی میں "شوریٰ ہمدرد" کے نام سے دانشوروں اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں پر مشتمل ایک محفل سجائی جاتی ہے جس میں اہم قومی مسائل پر گفتگو کی جاتی ہے۔اس مرتبہ موضوعِ گفتگو تھا" تیل کی قیمتیں کم ہونے کے باوجود مہنگائی کم نہیں ہوئی، آخر کیوں؟ قارئین کے لئے اراکینِ شوریٰ اور مبصرین کے پیش کردہ خیالات کا خلاصہ کالم ہذا کی صورت میں پیشِ خدمت ہے۔

پاکستان میں تیل کی قیمتوں میں نمایاں کمی ایک مثبت اور خوش کن واقعہ ہے ماضی مین جبب بھی وطنِ عزیز میں تیل کی قیمتس پر نظر ثانی کی گئی تو اس میں تھوڑا بہت اضافہ کیا جاتا رہا ہے جس کی وجہ سے مال بر داری کے اخراجات میں اضافہ ہوتا اور بار برداری کے اخراجات بڑھنے کے بہانے تیل کی قیمتوں میں اضافہ کی شرح سے کہیں زیادہ روزمرہ اشیائے ضرورت کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ اس مرتبہ جب حکومت نے بین الاقوامی

منڈی میں تیل کی قیمتیں گرنے کا فائدہ عام آدمی تک پہنچانے کے لئے پٹرولیم مصنوعات میں کمی کا اعلان کیا تو اشیائے خوردنی سمیت کسی چیز کی قیمت میں کمی نہیں آئی اس طرح عوام کی یہ توقع اور حکومت کا یہ دعویٰ بے نتیجہ رہا کہ تیل کی قیمتیں کم ہونے سے اشیا ئے ضرورت ی قیمتوں میں کمی ہو گی۔ایسا کیوں ہے؟اس کے کئی اسباب ہیں مگر سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ کہ حکومتِ وقت نے اس سلسلے مین بالکل زیرو کارکردگی دکھائی ہے حالانکہ عوام کو اس اقدام سے خاطر خواہ فائدہ پہنچایا جا سکتا تھا۔مگر حکومت نے اپنی نااہلی کے باعث یہ سنہری موقعہ گنوا دیا،حکومت کی پرائس کنٹرول کمیٹیاں اس سلسلے میں کوئی کردار ادا نہ کر سکی۔

اگر حکومتی ادارے مضبوط اور قیمتیں کنٹرول کرنے کے ذمہ داران مخلص اور کام کرنے والے ہوں تو نہایت آسانی کے ساتھ اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔ ماضی میں ایک مجسٹریٹ سرفراز خان پورے پشاور کی قیمتوں کو کنٹرول میں رکھا کرتا تھا کیونکہ وہ ایک فرض شناس افسر تھا۔آج درجنوں افسران موجود ہین مگر عوام کی فریاد سننے والا کو ئی نہیں۔ بعض مقامات سے کرایوں میں کمی کی اطلاعات آئی ہیں اور محکمہ ٹرانسپورٹ کے افسران کا گاڑیوں کے جرمانہ کرنے کے اطلاعات بھی موجود ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ عوام کو اب تک کرایوں کی مد میں کوئی خاطر خواہ ریلیف نہیں ملا، ٹرانسپورٹر حضرات مختلف حیلے بہانوں

سے کرائے کم کرنے پر راضی نہیں۔پنجاب میں صورتِ حال یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ کرایوں میں کمی نہیں کی گئی بلکہ سی این جی کی بندش کے بعد اس مین اضافہ دیکھا گیا ہے۔ ایک سبب یہ بھی ہے کہ کئی بیوروکریٹ ایسے بھی ہیں جو سرکاری ملازمت کے ساتھ ساتھ کاروبار بھی کرتے ہین اور یوں وہ قیمتیں کم کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔تاجر برادری کا ہوسِ زر بھی قیمتیں کم کرنے کے سلسلے میں ایک بڑی رکاوٹ ہے، ہر کسی کی یہ خواہش ہے کہ زیادہ سے زیادہ منافع کما کر راتوں رات کروڑ پتی بن جائے۔جب اللہ کا خوف بھی نہ ہو اور قانون کا ڈر بھی نہ رہے تو وہاں عوام کی فلاح ناپید ہی ہو جاتا ہے۔ پٹرولیم مصنوعات میں کمی کے باوجود اشیاۓ ضرورت کی قیمتوں میں کمی کے بجائے اضافے کا رجحان جاری ہے جو حکومت کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔تیل کی قیمتوں میں کمی کے باوجود عوام تک اس کے ثمرات نہیں پہنچائے جا رہے ہیں۔حکومت تیل کی قیمتوں کا عوام تک فائدہ پہنچانے میں بری طرح ناکام نظر آ رہی ہے۔تاجر حضرات اور ٹرانسپورٹر ہمیشہ تیل کی قیمتوں میں اضافہ کو جواز بنا کر کرایوں اور اشیاء کی قیمتوں میں من مانا اضافہ کرتے چلے آ رہے ہیں،اب جبکہ حکومت نے پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں واضح کمی کی ہے

ٹرانسپورٹر اور تاجر حضرات کو چاہیئے کہ وہ اس کا فائدہ عوام تک پہنچانے سے گریز نہ کریں۔

اراکینِ شوریٰ ہمدرد کی متفقہ رائے تھی کہ چونکہ عوام کو ریلیف دینے کی بنیادی ذمہ داری حکومت کی ہے اس لئے حکومت کو چاہیئے کہ وہ موثر قانون سازی کرکے پرائس کنٹرول کمیٹیوں کو متحرک کرے جو قیمتوں کو کنٹرول کرنے کی سعی کرکے ناجائز منافع خوروں کو گرفتار کرکے قرار واقعی سزا دلوائے تاکہ تیل کی قیمتوں میں کمی کا فائدہ عوام تک پہنچایا جاسکے۔۔۔۔۔۔۔

کرکٹ ۔ وقت کا ضیاع

مجھے معلوم ہے کہ اس کالم کا عنوان پڑھ کر ہی وطنِ عزیز کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں میرے بارے میں کیا کیا اوٹ پٹانگ الفاظ استعمال کریں گے۔ کوئی کہے گا، وقیانوسی ہے، کوئی کہے گا، پاگل ہے، کوئی کہے گا،اس نے دنیا دیکھی ہی نہیں ، علیٰ ہذاالقیاس، مگر کیا کروں لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ" کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق "میں بھی کسی کے ناراض ہونے کے خوف سے اپنے قلم کے زبان کو روک نہیں سکتا، یہ میری مجبوری ہے۔جب میں کرکٹ میچ کے دوران نوجوان نسل کو ٹیلی ویژن کے سامنے دنیا و مافیھا سے بے خبر،بڑے انہماک سے سکرین پر نظریں جمائے دیکھتا ہوں اور ساتھ ہی" اوئے ہوئے، اوئے شاباشے" کی آوازیں بھی سنتا ہوں تو نہ صرف یہ کہ میرا دل خون کے آنسو روتا ہے بلکہ حکیم الامت علامہ اقبال کی یاد،بری طرح میرے دل و دماغ کو کریدتی ہے، انہوں نے کیا خوب کہا تھا،

' تیرے صوفے ہیں افرنگی تیرے قالین ہیں ایرانی---- لہو مجھ کو رلاتی جوانوں کی تن آسانی

مجھے کھیل کود پر قطعاً اعتراض نہیں ، کھیل کود تو اللہ کے نبیؐ بھی پسند فرمایا کرتے تھے، کھیل کود اور ورزش کا توانسانی زندگی میں ایک اہم کردار

ہے ، یہ ہزاروں بیماریوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے باعثِ نجات ہے ،...
اعتراض ہے تو مجھے کرکٹ پر، جو نہ صرف کھلاڑیوں کے وقت کا قاتل ہے بلکہ آدھی پاکستانی قوم کرکٹ میچ کے بخار میں مبتلا ہو کر اپنی زندگی کے بہترین لمحات کو یوں ضائع کرتی ہے جیسے یہ وقت نہیں ، کوئی فضول چیز ہے حالانکہ وقت زندگی کی ایک نہ نظر آنے والی حقیقت ہے یہ زندگی کی ہر چیز پر محیط ہے حقیقت تو یہ ہے کہ وقت ہی زندگی ہے ۔اب جو چیز ہماری اس قیمتی متاع کو ضائع اور برباد کرنے کا باعث ہو، ہم اسے کیسے ایک اچھا عمل یا ایک اچھی سرگرمی کہہ سکتے ہیں وقت ایک بے مثال وسیلہ اور ذریعہ ہے یہ فوری ضائع ہونے والی ایسی چیز ہے جسے نہ چھواء سکتا ہے اور نہ ہی اسے کسی طریقہ سے ذخیرہ کیا جاسکتا ہے یہ برف کی طرح ہے کہ اگر آپ اسے استعمال نہ کریں تو یہ پگھل جائے گی وقت کا کوئی نعم البدل بھی نہیں ہے۔امام رازیؒ کا قول ہے کہ میں نے سورہ عصر کا مطلب ایک برف فروش سے سمجھا جو بازار میں آوازیں لگا رہا تھا ''رحم کرو اس شخص پر ، جس کا سرمایہ گھلا جا رہاہے، رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے ''اس کی یہ بات سن کر میں نے کہا، 'یہ ہے '' زمانے کی قسم، انسان خسارے میں ہے (ترجمہ سورہ العصر) '' عمر کی جو مدّت انسانوں کو دی گئی ہے وہ برف کے گھلنے کی مانند تیزی سے گزر رہی ہے اگر اس کو ضائع کیا جائے یا فضول کاموں پر صرف کیا جائے تو انسان خسارے ہی خسارے میں ہے۔

چونکہ کرکٹ کا کھیل انسانی زندگی کے قیمتی وقت کو ضائع کرنے کا باعث ہے اس لئے میں اسے قوم کے حق میں نہایت نقصان دہ اور لا حاصل سرگرمی سمجھتا ہوں۔ کھیل اور بھی ہیں جو ورزش کا ذریعہ بھی ہے، تفریح کا ذریعہ بھی ۔ ۔مثلاً فٹ بال ہے، باسکٹ بال ہے، ہاکی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ۔۔۔۔ ورلڈکپ ۲۰۱۵ میں پاکستانی کھلاڑیوں نے جس طرح پہلے بھارت سے شکست کھائی اور پھر دوسرے میچ میں ویسٹ انڈیز کے ہاتھوں عبرت ناک شکست سے دوچار ہوئے، جس طرح نہ صرف ٹی وی سیٹ ٹوٹے بلکہ قت ضائع کرنے والوں نوجوانوں کے دل ٹوٹے ۔ وہ اس بات کے متقاضی ہیں کہ کرکٹ کو اب خیر باد کہا جائے اور اس کی جگہ ہاکی، فٹ بال اور باسکٹ بال جیسے کم وقتی کھیلوں کو اہمیّت دی جائے۔ اگر چین، جاپان، فرانس، جرمنی، روس اور اس طرح کے کئی دیگر ممالک بغیر کرکٹ ٹیم کے رہ سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں ؟ خصوصاً ایسے حالات میں جب موجودہ کرکٹ ٹیم اب پاکستانی قوم کیلئے نیک نامی نہیں، بدنامی کا باعث بن رہی ہے جو دلوں کو جوڑنے کا نہیں، توڑنے کا باعث بن رہی ہے۔ایسے کھیل کا کیا فائدہ؟ اور میرے نزدیک تو اس کا سب سے بڑا نقصان کروڑوں لوگوں کے کروڑوں گھنٹے ضائع کرنے کا نقصان ہے میں سمجھتا ہوں کہ وہی قومیں دنیا میں ترقی اور کامرانی حاصل کرتی ہیں جو وقت کی قدر کرنا جانتی ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ سوتے کو جگانا آسان ہے، جاگتے کو جگانا مشکل ہے، ہمیں پاکستانی عوام کا حال بھی معلوم ہے ، یہ سب جاگ رہے

ہیں مگر بستر سے اٹھ نہیں رہے ہیں یہ خوابِ غفلت میں سہانے خواب دیکھتے ہیں اور اس باتوں کو حق اور درست سمجھتے ہیں جو خود ان کو درست لگے ، لیکن بطورِ ایک قلم کار "میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند"۔۔۔۔۔۔

(نقوشِ محبت (قسط اول

خیبر پختونخواہ کے جنوب میں ایک بے آب و گیاہ ضلع کرک کا گاؤں ڈیلی میلہ، جہاں میں پیدا ہوا، وہ دن مجھے اچھی طرح یاد ہیں جب میں ملیشیا رنگ کے کپڑے پہن کر، کالی ٹوپی سر پر رکھ کر اور تختی ہاتھ میں پکڑ کر پیدل سکول جایا کرتا تھا. کبھی کبھار کونلی (لمبی کبڈی) کے مقابلے دیکھنے جاتا۔ وہاں بِلا تفریق عمر بچے، جوان اور بوڑھے سبھی موجود ہوتے،ڈھول اور شرنائی کی جوشیلی تانیں سن کر میرے رگ و پے میں بجلی کی سی لہر دوڑ جاتی۔ایک جوان آگے بھاگتا، دو جوان اس کے پیچھے بھاگتے،ڈھول کی آواز اور تماش بینوں کی داد سن کر میرے رونگھتے کھڑے ہو جاتے، جسم میں عجیب و غریب کیفیت کی لہر دوڑ جاتی اور روح انجانے ولولوں کی یلغار سے سرشار ہو جاتی۔۔۔۔۔ گندم کی کٹائی کا وقت آتا، کئی نوجوان ہاتھ میں آرے لے کر کھیتوں میں گندم کٹائی شروع کرتے تو ڈھول اور شرنائی کی لے ان کے جوش و ولولے میں کئی گنا اضافہ کرتے...... میں ابا سے پوچھتا۔....... ابا ! ایک دانے سے سینکڑوں دانے کیسے پیدا ہوتے ہیں ؟ وہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکتے.....۔ میری امی بہت پیاری امّی...، جب صبح سویرے گائے کا دودھ دوہتی اور گائے کا

خوبصورت سا بچھڑا ماں کے تنوں سے دودھ پینا شروع کرتا تو میں پوچھتا......، امّی جان ! ہمارے گائے کے بچھڑے کو اپنی ماں کے تنوں سے دودھ پینا کس نے سکھایا ؟ تو ماں بھی تسلی بخش جواب دینے سے قاصر رہتی۔۔۔اب سوچتا ہوں .....اچھا ہوا۔۔میرے ابا اور امی مجھے مطمئن نہ کرسکے۔ کیونکہ کائنات کا بھید کھوجنے میں جو مزا ہے، پا لینے میں شاید وہ مزا نہ ہو۔۔۔

لڑکپن میں میرے مشاغل عجیب و غریب تھے۔میں تیتر پا لتا، چڑیوں کا شکار کرتا، غولیل ہر وقت پاس رکھتا۔۔۔ موسم فصلِ ربیع کا ہوتا یا فصلِ خریف کا ...ہمارے علاقے میں چڑیاں اور دیگر کئی قسم کے پرندے آتے۔۔میں ان کی تاک میں رہتا۔۔ غولیل سے نشانہ باندھتا، تڑک سے پرندہ گر جاتا، میں بھاگ کر، چاقو نکال کر اسے ذبح کرتا..گھر واپس آتا تو آٹھ دس پرندے میرے ہاتھ میں ہوتے،اسے صاف کرکے سیخ پر چڑھاتا، بھوننے کے لئے انگاروں پر پھیلاتا تو ان کی چربی انگاروں پر پگھل پگھل کر گرتی، تو خوشبو سے بھوک میں اضافہ ہوتا۔ سیخ میں بھونی ہوئی آوارہ پرندوں کے گوشت کا لذت وہی لوگ جانتے ہیں جن کے کام و دہن اس ذائقے سے اشناء ہوئے ہوں.......

یہ وہ دن تھے جب جسمانی بلوغت کی آمد آمد تھی مگر ذہنی بلوغت نہیں تھی، ہمارے پڑوس میں ایک لڑکا" ناصر" میرا کلاس فیلو تھا اور دوست بھی.....ہمارا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا تھا......ہم اکثر سکول کا کام اکھٹے بیٹھ کر کیا کرتے تھے۔۔..ناصر کی

ایک ثوبیہ نام کی چھوٹی بہن تھی دونوں بہن بھائیوں کا رنگ سانولا سا تھا اور خد و خال ....میں بھی ماں کی بجائے باپ کے زیادہ قریب تھے۔

ثوبیہ پہلی لڑکی تھی جس نے میرے معصوم دل میں پیار کی پہلی جوت جگائی تھی........ تب میں محبت اور چاہت کے معنی نہیں سمجھتا تھا...... وہ چھوٹی سی معصوم سی لڑکی تھی لیکن جب ہماری نگاہیں ٹکراتیں تو کوئی چیز میرے دل میں سے بھی چھپ جاتی اور میں کانپ سا جاتا.... ثوبیہ کی سیاہ آنکھوں میں بھی ایک عجیب سی وحشت اور خوشی کی ملی جلی کیفیت پیدا ہو جاتی........وہ بہانے بہانے بھائی کے پاس آتی...... کبھی پنسل، کبھی .....ربڑ، کبھی روشنائی...اس کا ہاتھ بھائی کی طرف بڑھ جاتا اور نگاہیں مجھ پر جم جاتیں

<<<<<<<<<<<<<<

میری یہ کیفیت ہوتی کہ ہاتھ لرزنے لگتے اور سبق ذہن سے نکل جاتا......وہ بھائی سے چیز لے کر جاتی...آنکھوں سے اوجھل ہونے سے پہلے ایک بار مڑ کر دیکھتی......میں بھی ناصر سے نظریں بچا کر اسکی طرف دیکھتا....وہ نہ مسکراتی نہ ہنستی، مگر آنکھوں میں ایسی چمک ہوتی کہ میری روح کپکپا جاتی۔...جس دن میں ان کے گھر نہ جاتا..تو ان کے گھے گھر کا باہر سے دس مرتبہ طواف کرتا، رات کو بھی اس کی سیاہ آنکھیں میرا پیچھا نہ

چھوڑ تیں....انہی دنوں ناصر کے ابو نے آٹے کی مشین لگائی اور ناصر کو آٹے کی مشین پر لگا دیا، یوں ناصر نے آٹے کی مشین سنبھال کر سکول چھوڑ دیا اور یوں ان کے گھر میرا آنا جانا بھی ختم ہو گیا۔ مگر ناصر سے میری دوستی ہمیشہ ہمیشہ رہی.....وہ دھیمے مزاج کا لڑکا تھا، میں سکول سے واپس آتا تو ان کے چکی پر جاتا، وہ میرا انتظار کرتا رہتا تھا، ہم چائے اکھٹے پیتے...ثوبیہ کو دیکھنے کے لئے میری آنکھیں ترس گئی تھیں....سال ڈیڑھ سال کے بعد ناصر کو ٹی بی ہو گئی....وہ درجنوں دوائیاں کھاتا....میں ہر تیسرے دن ان سے ملنے ان کے گھر جاتا اور یوں ثوبیہ کے بھی درشن ہو جاتے۔.........جب میں دروازہ کھٹکھٹاتا تو ثوبیہ ہی دروازہ کھولنے آتی...... ایک لمحے کے لئے ہماری آنکھیں ملتیں ..وہ مسکرا کر، لجا کر آنکھیں جھکا لیتیں .... میں آگے بڑھتا....وہ دروازے کو کنڈی لگاتی اور دبے قدم میرے پیچھے پیچھے آتی..........

ناصر کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے میں ایک بار مڑ کر دیکھتا، دوبارہ آنکھیں ملتیں، وہ تیزی سے پلکیں جھپکاتی، چہرہ شرم و حجاب کے نور سے تمتما اٹھتا.............

میں کانپتے قدموں سے ناصر کے کمرے میں داخل ہوتا اور اپنے اس پیارے ساتھی پر نچھاور ہو نیکو جی چاہتا. ہم گھنٹوں دنیا جہان کی باتیں کرتے...... تھوڑی دیر بعد ثوبیہ موم پھلی کسی پلیٹ میں رکھ کر لاتی

اور خاموشی سے چل دیتی......پھر اچانک ایک دن ناصر چل بسا....اس دن میں بہت روبا.....بہت رویا.......یوں ناصر کی موت نے مجھے اور ثوبیہ کو بھی ایک دوسرے سے دور پھینک دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کبھی کبھار جب ہمارا ستارہ عروج پر ہوتا تو گاؤں کے کسی پگڈنڈی پر ہمارا آمنا سامنا ہو جاتا....ایک عجیب و غریب کیفیت میں ڈوبے ہوئے ہم ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو جاتے.......خاموش، متین، خوف زدہ اور سرشار ....

ہم کوئی بات نہ کرتے، ہم ایک دوسرے کے انگلیوں کے پور تک چھو نہ سکتے تھے....... ہم نے لمس کا ذائقہ نہ چکھا تھا مگر ہماری روحوں نے ایک دوسرے کو چھو لیا تھا...وہ ایک دوسرے میں تحلیل ہو چکی تھیں........ انہی دنوں مجھے ایک لڑکے نے بتایا کہ جب میں سکول آتا یا جاتا ہوں تو ایک لڑکی اپنے گھر کے چاردیواری کے ایک کونے میں سر اٹھا کر مجھے دیکھتی رہتی ہے اور کئی مہینوں سے یہ اس کا معمول بن چکا ہے.. میں نے اس کی تردید کی تو اس نے قسمیں کھا کھا کر میرے سینے میں ننھا سا چور بٹھا دیا......
دوسرے دن میں سکول روانہ ہوا تو میری نظر اس لڑکے کے بتائے ہوئی چاردیواری پر تھی۔۔ گہرے عنابی رنگ میں ایک گول چاند سا خوبصورت چہرہ نظر آگیا۔۔؛؛ میں نے رومال ہلا کر اشارہ کیا تو ادھر سے بھی دوپٹہ ہلا کر جواب دیا گیا.....اور.... یوں میرا دل دھک سے رہ گیا......'

(روشن خٹک کے ناول ' نقوشِ محبت '' سے ماخوذ (باقی کے لئے اگلی قسط کا انتظار کیجئے

نقوشِ محبت (دوسری قسط

لکھا تھا........پیارے اجنبی..!

بے حد شوق سے، بے حد شوق سے..مجھے دیکھ لیں۔میں آج شام ہی یہ موقعہ آپ کو فراہم کر دوں گی،ہمارے کیچن کی ایک کھڑکی سڑک کی طرف کھلتی ہے آپ ٹھیک نو بجے رات سڑک کی طرف سے آ کر مجھے جی بھر کر دیکھ لیں،اور پھر فیصلہ کر لیں ..... میں آپکے لائق ہوں یا نہیں؟

....اگر فیصلہ میرے حق میں ہوا، تو میں آپ کے خط کا انتظار کروں گی....!

خط کو جیب میں ڈال کر بیرک روانہ ہوا، اب شام ہونے کا انتظار تھا.....یہ عجیب تھا ....بہت ہی عجیب تھا...ایک کرنل کی لڑکی ایک تیسرے درجے کے عہدیدار کے لئے تڑپ رہی تھی....میں نے سوچا کہ جنس اور محبت میں ساری کلاسیں ختم ہو جاتی ہیں ...سارے طبقے ایک ہو جاتے ہیں، یعنی انسان کی سچی پہچان جنس اور محبت سے ہو تی ہے.......!

شام ہو گئی، اندھیرا پھیل گیا، نو بجنے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا.....میں بنگلے کے پشت کی طرف سڑک پر پہنچ گیا......انتظار........

کچن کی کھڑکی کھلی تھی.....جالی میں سے روشنی چھن چھن کر روشنی باہر آ رہی تھی...... میں ایسے زاویے پر کھڑا ہو گیا کہ اندر کی روشنی مجھ پر نہ پڑے
مگر اگلے ہی لمحے میں ششدر رہ گیا........... میں نے نارنجی کلر کی قمیص، سفید شلوار ...اور سفید دوپٹہ میں ایک ایسا معصوم سا چہرہ دیکھا
جو خط کے مضمون سے بالکل مختلف تھا.....یقین نہ آیا کہ یہ حورِ فلک ہے یا حورِ زمیں.....؟
میں دیوانہ وار اس ملیح و صبیح چہرے کو دیکھنے لگا جس پر ایک چھوٹا سا مناسب ناک اور اور چھوٹے سے کھلے ہوئے گلاب کا سا دہانہ سج رہا تھا....اس نے باہر کی طرف دیکھا...... مسکرائی...... لمحہ بھر کھڑی رہی......ٹرے اس کے ہاتھ میں تھی؛؛؛ پھر باہر .....کی طرف دیکھا
.... اس کے لب ہلے...شاید اس نے خدا حافظ کہا
ٹک کی آواز آئی..... بتی بجھ گئی....کچن میں اندھیرا ہو گیا مگر میرا دل روشن ہو چکا تھا..... میرا من، میرا ضمیر، میرا انگ انگ جھلمل جھلمل کر رہے تھے..... محبت کا اتنا بڑا خزانہ پا کر میں مالامال ہو گیا تھا۔خدا مجھ پر کتنا مہربان تھا، فوج میں نہ آتا تو یہ خوشی .....مجھے کیسے نصیب ہو تی

نوشہرہ تبادلہ نہ ہوتا تو یہ پھول کیسے کھلتے...... سپلائی ڈپو میں ڈیوٹی نہ لگتی تو یہ انمول ہیرا کیسے ہاتھ لگتا....... میں سوچتا یہ مواقع کون پیدا کر رہا ہے ؟... محبت کے اس پراسس میں سے گزرنے کا آخر مقصد کیا ہے ؟کیا اس میں زندگی کا کوئی خاص مفہوم پو شیدہ ہے......کچھ تو ہے....

میں اسے تقدیر کہوں یا تدبیر...... بہر حال مجھے یہ احساس ایک بہتر مستقبل کی نوید دے رہا تھا..............!

دل و دماغ میں خوشی کی لہرلے کر میں اپنی بیرک پہنچا۔۔۔۔چارپائی پر نیم دراز ہو گیا...... نیند اڑ گئی تھی....وہ خوب صورت دہانہ..وہ معصوم سا چہرہ دل میں نقش ہو گیا تھا...وہ مسکراہٹ...وہ متناسب جسم...وہ ننھے منے سے خوبصورت ہاتھ.....یہ تصور ہی عجیب تھا............

قلم کاغذ اٹھایا.....اسے خط لکھنے بیٹھ گیا...... میں نے اپنے زندگی کا اسے ایک طویل خط لکھا جو پندرہ صفحے پر محیط تھا..... میں نے اسے نظر ثانی کی غرض سے پڑھا تو پہلی مرتبہ مجھے اپنی تحریر کی شوخی اور گداز کا احساس ہوا............ حسین تصورات ذہن میں سمو کر میں کچھ دیر کے لئے سو گیا......... صبح ہوئی۔۔حسبِ معمول ڈیوٹی کے لئے روانہ ہو۔۔ رات کا لکھا ہوا خط جیب میں ڈالا......... شیشم کے درخت کے قریب رکھا....وہ اسے اٹھا کر چلی گئی........ میں سارا دن مضطرب رہا........ مجھے بے چینی سے جواب کا انتظار تھا... میں جاننا چاہتا تھا کہ دونوں طرف سے تسلیم و رضا کے بعد اس

کا ردِ عمل کیا ہو گا ؟.....ڈیوٹی سے واپس بو جھل قدموں سے کو ٹھی کے قریب پہنچا تو نظریں.برآمدے میں لگے چک کے نچلے حصہ پر تھیں........اچانک سرخ پائنچوں میں .. گورے گورے پاؤں نظر آ گئے...دل کی دھڑکن اچانک تیز ہو گئی

چک کے کنارے دھیرے سے کھل گئے اس کا ہنستا ہوا حسین چہرہ نظر آگیا..اس نے ہاتھ اٹھا کر سلام کیا اور پھر نیلا لفافہ اڑتا ہوا میرے قدموں میں جا پھینکا....لفافہ بہت وزنی تھا.......یقیناً آج کا سارا دن اس نے جواب لکھنے میں صرف کیا ہو گا.....! بیرک پہنچا

......

کمرہ بند کیا اور خط کھول کر پڑھنے لگا.... تقریبا بیس صفحات کا یہ خط پڑھ کر میں سرشار ہو گیا..........سچ مچ نشہ سا ہو گیا......ایسی بے پایاں

خوشی مجھے پہلی بار ملی تھی گویا میں پہلی بار محبت کر رہا تھا، میں بیان نہیں کر سکتا......الفاظ اس مسرت کا احاطہ نہیں کر سکتے

.......وہ خوش تھی.......... مجھ سے زیادہ خوش........اس نے لکھا تھا

باقی کے لئے اگلے قسط کا انتظار کیجئے

..........روشن خٹک کے زیرِ تحریر ناولِ "نقوشِ محبت" سے ماخوذ.....

(قارئین ! پسند یا ناپسند کے متعلق اپنی کمنٹس ضرور لکھ دیجئے (شکریہ

روشن خٹک، پشاور

(نقوشِ محبت (تیسری قسط

قارئین سے معذرت (قسط کی ترتیب میں غلطی کے لئے معذرت خواہ ہوں)

..اس نے لکھا تھا.....آج میں نے روئے زمین کی ساری خوشیاں سمیٹ لی ہیں.....یہ سب کچھ کتنا انوکھا ہے.....کتنا عجیب، یہ جانے بغیر کہ آپ کون ہیں، کس نسل سے تعلق رکھتے ہیں، کیا عادات ہیں.. کیسی فطرت ہے......میں نے خود کو آپ کی محبت کی نذر کر دیا......دراصل مجھے یہ سب کچھ جاننے کی ضرورت نہیں....میں تو صرف یہ جانتی ہوں کہ آپ مجھے اچھے لگتے ہیں..بے حد اچھے...شاید محبت میں یہی ہوتا ہے اگر یہی ہوتا ہے تو پھر ٹھیک ہے۔میں نے سب کچھ داؤ پر لگا دیا ہے، نہ مجھے خاندانی وجاہت کی پرواہ ہے نہ مال و دولت کی...میں صرف محبت کے لئے جینا چاہتی ہوں، آپ کی قربت زندگی ہے...آپ کی گود میں جینا مرنا زندگی ہے.............

مزید لکھا تھا.........آپ کتنا خوبصورت خط لکھتے ہیں...آپ کی تحریر میں جادو ہے....آپ تو افسانہ نگار ہیں....آپ کے خیالات کتنے اچھے......کتنے

پیارے ہیں..... میں نے جس صورت کو دیکھ کر پیار کیا تھا، اس کے اندر کتنی خوبصورت روح بستی ہے...یہ میری تقدیر ہے نا ! کہ جواء کھیلا اور جیت گئی.......!

یہ میری پہلی اور آخری جیت ہے اب میں جواء نہیں کھیلوں گی بلکہ جو جیت لیا ہے اس کی حفاظت کروں گی۔میں سچ کہتی ہوں..آپ دیکھ لیں گے کہ میں آپ کے ساتھ کہاں تک جا سکتی ہوں...... میں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہوں گی.........

جوں جوں میں خط پڑھتا گیا، توں توں تغیر آتے گئے، کبھی میں اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرتا اور اڑنے کو جی مچلتا.... کبھی ایسا گھمبیر ہو جاتا کہ آنسو نکل آتے...... بعض جملے بار بار پڑھتا اور ہر بار نئی لذت سے آشنا ہوتا... خط کیا تھا؛؛روح کو گداز کرنے والا نسخہ تھا.........

رات کو سب سپاہی سو گئے تو میں نے اسے خط لکھنا شروع کیا،اس کا خط سامنے کھلا پڑا تھا... میں ایک ایک جملہ پڑھتا اور جواب میں کئی جملے لکھ دیتا...ایسی آمد..خیالات کا ایسا تانتا..کہ لہر در لہر آتے اور صفحہ قرطاس پر بکھر جاتے...خط پڑھتے ہوئے جتنی خوشی محسوس ہو تی تھی،

خط لکھتے ہوئے بھی ایسی ہی مسرت سے دوچار ہو رہا تھا...........

اب ہم روزانہ ایک دوسرے کو خط لکھتے اور شام کی ملاقات پر خطوط کا تبادلہ ہوتا یہ خطوط پندرہ بیس صفحات سے کم نہ ہوتے۔۔ سوچتے...

سب کچھ تو لکھ دیا، کل کے لئے کیا باقی رہ گیا. لیکن جب کل آتا تو ایک نیا خط لکھا جاتا اور صفحات کی تعداد بھی اتنی ہی ہوتی......

مسلسل چار پانچ ماہ تک یہی ہوتا رہا، اس سارے سلسلے میں ایسا لطف اور ایسی چاشنی تھی کہ بیان نہیں کر سکتا.. کھانا کھاتا تو ذہن میں فریحہ،

بازار جاتا تو آنکھوں کے سامنے فریحہ، بیرک میں ہوتا تو دل میں فریحہ، ڈپو میں ہوتا تو فہمیدہ اور اس کی دل لبھا دینے والی تحریریں.......

ایک خواہش.. شدید خواہش جو دل میں بار بار سر اٹھاتا.... یہ تھا کہ وہ اکیلے میں ایسی جگہ مجھ سے ملے جہاں میں اسے چھو سکوں، پیار کر سکوں

کوٹھی سے تقریبا پچاس گز کے فاصلے پر سرونٹ کوارٹر تھے جو عموما خالی رہتے تھے میں اسے کئی دنوں سے مجبور کر رہا تھا کہ وہ کسی رات وہاں آئے تا کہ ہم

جی بھر کر باتیں کر سکیں مگر وہ ہنس کر ٹالتی رہی جب میں نے ناراضگی کی حد تک مجبور کیا تو وہ راضی ہو گئی اور...............

آخر وہ تاریخی رات آ گئی..........

یہ شدید یخ اور تاریک رات تھی..گیارہ بجنے میں دو منٹ باقی تھے وہ گہرے نیلے رنگ کے کپڑے پہن کر آئی تھے اور تھر تھر کانپ رہی تھی..

یہ کانپنا سردی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ گھر سے پہلی بار نکلنے کا خوف تھا۔ میں نے اس کے نازک اور خوب صورت ہاتھوں، اس کے بالوں، اس کر رخسار، اس کے گردن، اس کی آنکھوں اور اس کے ہونٹوں پر بوسوں کی بارش شروع کر دی، کافی دیر تک دیوانوں کی طرح اسے چومتا رہا، اس کا خوف کسی قدر کم ہوا تو ہولے سے بولی..........

''آپ کی ضد پوری ہو گئی۔اب مجھے اجازت دیجئے۔

ہر گز نہیں۔'' میں نے اسے پیار سے چپت مارتے ہوئے کہا.....آج تو آپ میرے ''

''رحم و کرم پر ہیں۔ مرغ کی بانگ سے پہلے جانے نہیں دوں گا۔۔

اس نے میرا ہاتھ اٹھایا اور ہونٹوں سے لگایا...اس رات ہم نے دنیا جہان کی باتیں کیں..... مستقبل کے منصوبے بنائے۔اسی رات یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کا باپ احمدی ہے اور اس کی ماں شیعہ ہے مگر خود فریحہ کا عقیدہ وہی رہے گا جو میرا ہے اس عمر میں ......جب مذہب کے ساتھ گہری شیفتگی ہوتی ہے، فریحہ کا مذہب صرف محبت تھا

فریحہ کا خیال تھا کہ رضا و رغبت سے ہماری شادی نہ ہو سکے گی اور اس کے لئے کوشش کرنا بے کار ہے۔وہ میرے ساتھ جانے کے لئے تیار تھی۔عدالت میں بیان دینے کے لئے بھی تیار تھی مگر ابھی اس کی عمر قانونی بلوغت سے چند ماہ کم تھی۔وہ میری چھاتی سے لگی ہوئی بیٹھی تھی۔ہر چند کہ میں اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن باتوں کے ریلے کے بعد اب جذبات کا طوفان امنڈ پڑا تھا۔وہ میری دست درازی پر .....چڑنے کی بجائے تحمل سے بولی

خٹک صاحب ..! اگر آپ مجھے شرمندہ کرنا چاہتے ہیں تو میں منع نہیں کروں گی۔میں آج بھی آپ کی ہوں اور کل بھی آپ کی رہوں گی. میرا جسم اور روح سب آپ کے لئے ہیں، پھر عصمت بچا کر میں کیا کروں گی' بس مجھے ایک احساس ہے کہ ابھی اس کا ''وقت نہیں آیا....آپ میرے اس احساس کو زندہ رہنے دیجئے

فریحہ کے اس خوبصورت انکار سے مجھ پر بالکل اوس پڑ گئی۔ میرے ہاتھ جو اس کے جسم کو ٹٹول رہے تھے، ڈھیلے پڑ گئے، محرومی اور سرد مہری کی ایک لہر سارے جسم میں دوڑ گئی اور میں نادم ہو کر ہونٹ چبانے لگ گیا۔ جسموں کے کے باہمی رابطہ اور اتصال کے خلوص کا جام ٹوٹ گیا تو فریحہ نے چونک کر میری طرف دیکھا....... ”کیوں ۔۔ آپ ..“ ..ناراض ہو گئے...، چلئے ایسا ہے تو ایسا ہی سہی، جو جی میں آئے کر ڈالئے

اس کا یہ لہجہ میرے دل میں کھب کر رہ گیا، اس کا گول حسین چہرہ تاریکی میں بھی دمک رہا تھا۔میں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں میں لے کر ماتھا چوما اور بے اختیار گلے لگا .... کر زار و قطار رو پڑا

یہ عجیب رونا تھا..........بے بسی کا،، ندامت کا... سب کچھ میرے اختیار میں تھا اور ....پھر بھی اختیار میں کچھ نہیں تھا

(روشن خٹک کے ناول ” نقوشِ محبت “ سے ماخوذ (باقی اگلی قسط میں پڑھیئے

قومی قیادت کو "فقدانِ کردار" کا لاحق مرض

گزشتہ چند روز ہم نے الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر سینیٹ کے الیکشن اور اس سے متعلقہ معاملات ، واقعات، اخباری رپورٹوں اور الیکٹرانک میڈیا پر ہونے والے تبصروں کو سنا اور دیکھا، جو کچھ ہوا، اس نے ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ ایسی کون سی وجہ ہے ؟کہ ملک میں بار بار عوام کی انگلیاں اراکینِ اسمبلی یا دیگر بالائی طبقے کی طرف اٹھتی ہیں ۔ہم نے سوچا اور بار بار سوچا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ صرف سینیٹ کے الیکشن ہی نہیں بلکہ پورے کا پورا قومی ڈھانچہ ایک خطرناک مرض میں مبتلا ہے اور وہ مرض ہے، کردار کی کمزوری۔

ذرّہ سوچئے نا ! اس وقت وطنِ عزیز میں جمہوری نظام کی ایک شکل بھی مرّوج ہے ، پارلیمنٹ بھی موجود ہے اور عدلیہ بھی،انتظامیہ بھی موجود ہے اور سیول بیو رو کریسی بھی ، سیاسی جماعتیں بھی کام کر رہی ہیں،مذہبی راہنماء اور علماء بھی بڑی کثرت سے موجود ہیں، الیکشن کمیشن بھی کام کر رہا ہے، عدلیہ بھی اپنے فرائض سر انجام دے رہا ہے لیکن اس تلخ حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں سے کسی بھی ادارے کا کردار مثالی اور معیاری نہیں ہے۔ خصوصا جب ہم اپنی مقنّنہ (پارلیمنٹ) کے گزشتہ کارکردگی پر نظر دوڑاتے ہیں

تو مایوسی کے سوا کچھ نہیں ملتا، ہمیں یہ کہنا ہی دشوار ہو جاتا ہے کہ ہماری پارلیمنٹ عوام کی نمائندہ ہے۔ کسی بھی ملک کی مقنّنہ اس کی سماجی اور اقتصادی ڈھانچے کی عکاس ہوتی ہے، مگر افسوس کہ ہمارا یہ ڈھانچہ ظالمانہ بھی ہے، استحصالی بھی اور ہوسِ زر کی مریض بھی ہے اور وہ ملک میں ایک بہتر تبدیلی کا ذریعہ ثابت ہونے کی صلاحیت سے محروم ہے۔اس کی بہت بڑی اکثریت نہ صرف کسی بہتر تبدیلی کا ذریعہ بننے کی صلاحیت یا خواہش نہیں رکھتی بلکہ یہ موجودہ ظالمانہ سٹیٹس کو برقرار رکھنے کا باعث بن رہی ہے ۔ہماری پارلیمنٹ کے اکثر ارکان کو قومی مفاد سے زیادہ اپنا ذاتی مفاد عزیز ہے اور وہ اپنی رکنّیت کو قومی خدمت سے زیادہ ذاتی مفادات کی حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔اس کے ارکان کی بڑی تعداد فقدان کردار کے مرض کی گرفت میں ہیں، یہی وجہ ہے کہ عوام کی انگلیاں بار بار ان کے کردار کی طرف اٹھتی ہیں۔

انہوں نے بہت کم کبھی عظمتِ کردار کا ثبوت دیا ہے۔ ہم اس وقت کسی ارفع وژن کی حامل قیادت کے فقدان کے بحران کے تو شکار ہیں ہی، مگر ساتھ ہی کردار کی کمزوری نے ہمیں مزید دلدل میں پھنسا دیا ہے ، اگر ہماری قیادت صاحبِ کردار ہوتی تو ملک اس دلدل میں یقیناً نہ پھنسا ہوتا۔اس کے اندر جو وِژن کا فقدان ہے، صاحبِ کردار ہونے سے اس کی کچھ نہ کچھ تلافی ہو سکتی تھی۔ ہماری اعلیٰ سول بیوروکریسی بھی مرغ باد نما کی حیثیت رکھتی ہے اور ایسی مثالیں

کم کم ہی ملتی ہیں کہ سول بیوروکریسی کے ارکان نے عظمتِ کردار کا ثبوت دیتے ہوئے وقت کے حکمرانوں کی نظرِ کرم یا نگاہِ خشمگیں کی پرواہ نہ کی ہو۔ سول بیوروکریسی کے اکثر کل پرزے چڑھتے سورج کی پوجا کرتے ہیں اور صرف اپنے مفادات کو مدِ نظر رکھتے ہیں ۔ان کے نزدیک اصول، ضابطے اور قانون کی اہمیت اور تقدس حکمرانوں کے اشارہ آبرو اور ان کی خوشنودی سے مشروط ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہماری انتظامیہ عوام کی خادم نہیں، صرف اپنے مفادات کی خادم ہے۔ بے شک ہر ادارے میں بااصول اور صاحبِ کردار لوگ بھی موجود ہیں ہم ان کا احترام کرتے ہیں مگر ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔

اگر ملک میں قانون کی حکمرانی نہیں، کرپشن کا دور دورہ ہے۔اراکینِ اسمبلی کی ہارس ٹریڈنگ کے رمناک مظاہرے ہم دیکھ رہے ہیں تو اس کی سب سے بڑی وجہ فقدانِ کردار ہی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستان کی پارلیمنٹ کی اکثریت اہلِ زر اور بالائی طبقہ پر مشتمل ہے جو عوام کی محنت کے ثمرات خود سمیٹ رہے ہیں پاکستان کے وسائل کا بڑا حصہ ان کے لئے مختص ہے اور یہ پاکستان سے اتنا کچھ حاصل کر رہی ہے جس کا عشرِ عشیر بھی یہ ملک کو دینے کے لئے تیار نہیں، ہمارے کل اور آج کے حکمرانون نے شاہانہ طور طریقے اختیار کئے ہوئے ہیں۔ہمارے تمام بالائی طبقے چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے کی عادی نہیین، حالانکہ ان کی چادر ویسے بھی بہت بڑی ہے لیکن وہ اس سے بھی بہت زیادہ خرچ

کرتے ہیں ۔اس کے مقابلے میں عام آدمی کو ہم نہ تعلیم دے سکے، نہ طبّی سہولتیں اور نہ دو وقت کی روٹی دے سکے۔ حتیٰ کہ صاف پانی اور صحت و صفائی کی ادنیٰ سہولتیں بھی عام آدمی کو میّسر نہیں۔آج معاشرے کے بہت سے طبقات اس رائے کے حامل ہیں کہ آزادی حاصل کرنے کے اَڑسٹھ سال بعد بھی اگر ہماری کارکردگی قابلِ رشک نہیں تو اس کی بڑی وجہ ''قومی قیادت کو لاحق مرض '' فقدانِ کردار'' ہے جو ایک خطرناک مرض کی صورت میں موجود ہے جس کا علاج بہر صورت کیا جانا چاہیئے۔

موجودہ صورتِ حال پر عدم اطمینان کا اظہار

وطنِ عزیز کے ایک بہت بڑے حصے میں اب یہ احساس بہت شدّت سے پیدا ہو چکا ہے کہ ہم بحیثیتِ پاکستانی قوم اقوامِ عالم کے مقابلے میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں اس لئے موجودہ ''سٹیٹس کو'' توڑ کر اصلاح احوال کی تدبیر کرنی چاہیئے یہ احساس میرے نزدیک اس بات کی علامت ہے کہ لوگوں میں حالات بہتر بنانے کی تڑپ موجود ہے جو ایک نیک اور مثبت سوچ کی عکاسی کرتی ہے۔اسوقت پاکستان میں مسلم لیگ (ن) کی حکومت ہے اس سے قبل پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت تھی اس سے پہلے بھی یہ دونوں پارٹیاں بر سر اقتدار رہی ہیں ۔ اگر ہم ان دونوں پارٹیوں کی کارکردگی کا غیر جانبداری سے بنظرِ غور جائزہ لیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ دونوں پارٹیوں کا عرصہ اقتدار قابلِ رشک نہیں رہا، بلکہ یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ ملک کو ترقی کی شاہراہ پر ریورس گیئر میں ڈالا گیا، یہی وجہ ہے کہ اب بہت سارے لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا اس صورتِ حال کو جاری و ساری رکھنا چاہیئے ؟ موجودہ یا آئندہ حکومتیں اگر غلطیوں کا ارتکاب کریں،

معیشت کو نہ سنبھال سکیں، ملک میں امن و امان قائم نہ کر سکیں، انصاف کا حصول ممکن ہی نہ رہے، لوگوں کا مال و جان محفوظ نہ ہو، بالائی طبقات کا

استحصال اسی طرح جاری رہے تو کیا پھر اس ٹھنڈے ٹھنڈے احتجاج پر ہی صابر شاکر رہ کر اگلے انتخابات کا انتظار کرنا چاہئیے جس کا نتیجہ بھی یقیناً آج جیسا ہی ہو گا۔یا موجودہ معاشی، سماجی ، انتخابی اور اقتصادی خرابیوں کے ازالے کے لئے کسی غیر معمولی اقدام کی ضرورت ہے ؟

سوچ کے عمیق سمندر میں غوطہ زنی کے بعد ذہن میں جو خیال آتا ہے ،وہ یہ ہے کہ اس وقت ملک کے مسائل انتہائی گھمبیر اور سنجیدہ ہو چکے ہیں۔امن امان کی صورتِ حال تو ہے ہی ناگفتہ بہہ، مگر معیشت کی کی صورتِ حال بھی زبوں حال ہے، قانون کی حکمرانی کا تصور قصۂ پارینہ بن چکا ہے، میرٹ کی دھجیاں اڑائی جا رہی ہیں ، تمام اہم پوسٹوں اور اداروں کے سربراہاں وزیر اعظم نواز شریف کے رشتہ دار یا دوست،براجماں

ہیں۔ کرپشن کا دور دورہ ہے بالائی طبقے سے ٹیکس کا حصول ممکن ہی نہیں رہا عوامی بہبود کے لئے اول تو رقم ہے ہی نہیں ،جو تھوڑی بہت ہے وہ بد دیانت عناصر کے جیبوں میں چلی جاتی ہےملک میں جب الیکشن ہوتے ہیں تو دولت اور غندہ گردی ہی فیصلہ کرتی ہے ۔انتظامیہ میں سیاسی مداخلت اتنی زیادہ ہے کہ لا تعداد خرابیاں نظر آتی ہیں ۔ گویا جدھر بھی دیکھو ،جس طرف بھی دیکھو، خرابی ہی خرابی نظر آتی ہے اور اصلاحِ احوال کی کوئی صورت نظر نہیں آتی البتہ ایک تجویز جو مختلف دانشوروں کی طرف سے پیش کی جا رہی ہے کہ ایک ایسی عبوری حکومت قائم کی جائے جو مسلمہ طور پر اہل

اور دیانت دار افراد پر مشتمل ہو جو اوپر بیان کردہ خرابیوں کے ازالے کے لئے ہنگامی اقدامات کرے ایک متفق علیہ نظام کے تحت صاف ستھرے انتخابات کرائے جائیں ، جن کے نتیجے میں دولت کے بل بوتے پر نہی ، بلکہ اپنی اہلیت اور دیانت کے بل بوتے پر اسمبلیوں میں آسکیں۔ ان انتخابات سے پہلے احتساب ، قانون کی حکمرانی ، کرپشن کے ازالے کی ایسی روایات قائم کر دی جائیں جنہیں نئ منتخب حکومت کے لئے نظر انداز کرنا ممکن نہ ہو۔ ایک سیولین سیٹ اپ کے تحت ایک بے رحم اصلاحی عمل کچھ عرصہ کے لئے کیا جائے تاکہ نئے انتخابات کے بعد شروع ہونے والا سفر بہت بہتر حالت میں آگے چل سکے...

اس مجوزہ انتظام کے لئے نہ تو فوج کو آگے آنے کی ضرورت ہے نہ آئین کو معطل کرنے کی اور نہ جمہوریت کا تسلسل روکنے کی ....

عبوری حکومت کا عرصہ کم از کم اتنا ہونا چاہیے جس میں ایک سرجیکل اپریشن کے ذریعے کینسر زدہ حصوں کو کاٹ پھینکا جاسکے اس کے دو فائدے ہوں گے۔اول یہ کہ اگلے انتخابات نسبتا بہتر فضا میں ہو سکیں گے جن سے پسندیدہ نتائج کی توقع کی جاسکے گی۔ دوم یہ کہ ایسی روایات قائم ہو جائیں گی جن کی خلاف ورزی نئ حکومت کے لئے آسان نہیں ہوگی۔ یہ جمہوریت کو ترک کرنے کا نسخہ نہیں ہے، فوج کو لانے کا نسخہ نہیں ہے بلکہ جمہوریت کو کسی بڑے صدمے سے بچانے کا

نسخہ ہے۔افراد کی طرح ادارے بھی فکری ارتقاء کی منزلیں طے کرتی ہیں ۔ہماری افواج مارشل لاء لگانے کا قطعاً کوئی ارداہ نہیں رکھتی لیکن وہ قومی زندگی کے موجودہ خرابیوں سے بے خبر بھی نہیں رہ سکتی۔

شاید ان کی بھی یہ خواہش ہو کہ کسی اصلاحی عمل کے ذریعے موجودہ نظام کو انتہائی بڑی بڑی خرابیوں سے پاک کر دیا جائے ۔ یاد رکھئے !

ہمارا سیاسی ، سماجی اور اقتصادی ڈھانچہ بڑے سنگین امراض کی گرفت میں آچکا ہے اور قومی صورتِ حال بہ زبانِ حال پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ حالات کو جوں کا توں چھوڑے رکھنا اور محض ارتقائی اصلاح کے فلسفے کا راگ الاپتے رہنا دانشمندی نہیں ہو گی۔مجھے مختلف حلقہء فکر میں بیٹھ کر شدّت سے یہ بات محسوس ہوئی ہے کہ موجودہ صورتِ حال پر شدید عدم اطمینان کی کیفیت پائی جاتی ہے اور اس سوال پر گہرہ غور و فکر کیا جارہا ہے کہ اصلاح احوال کے لئے کیا کرنا ضروری ہے ، اب لوگوں کی بہت بڑی اکثریت یہ بات درست نہیں سمجھتی کہ موجودہ سیاسی قیادت کو اپنی موجودہ طور طریقوں کے مطابق کھیل کھیلتے رہنا دینا چاہیے۔اگلے انتخابات تک انتظار کرکے پھر اسی صورتِ حال کو جاری و ساری رکھنا چاہیے۔ لہٰذا قبل اس کے کہ نا موافق حلات ہمیں اپنی گرفت میں لے لیں ، ہمیں اصلاح احوال کا موقع ہی نہ ملے، ہمیں سنجید

گی سے بہتر منصوبہ بندی کے لئے غور و فکر کرنا چاہیے۔۔۔۔۔۔

کڈنی کا عالمی دن اور مخیّر ادارے

شاید ہی دنیا میں کوئی ایسا انسان ہو جو اچھی صحت کا خواہش مند نہ ہو، بے شک تند رستی ہزاروں نعمتوں پر بھاری ہے یہ اور بات ہے کہ انسان کو جو چیز مفت ملتی ہے، وہ اس کی قدر نہیں کرتا اس کے سلب ہو جانے کے بعد افسوس کرتا ہے بیماری لگ جانے کے بعد صحت کی اہمیت سمجھتا ہے جب دنیا کی ساری چیزیں اسے بے لذت ہونے لگتی ہیں اور وہ جلد از جلد دوبارہ صحت مند ہونے کی تمنا کرتا ہے۔ بد قسمتی سے اگر وہ غریب ہے تو تو اس کے لئے وطنِ عزیز میں علاج کروانا ایک نہایت مشکل اور کٹھن مرحلہ ہوتا ہے اگر خدا نخواستہ بیماری بھی پیچیدہ قسم کی ہو تو پھر تو اس کے لئے علاج کرنا ہی نا ممکن ہو جاتا ہے جیسے گردوں کا فیل ہو جانا۔اس کا علاج یقینا ایک مہنگا علاج ہے پاکستان میں گردوں کی بیماری میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے، عالمی سطح پر بھی یہ بیماری پھیلتی جا رہی ہے یہی وجہ ہے کہ ہر سال دوسرے جمعرات کو عالمی سطح پر یومِ گردہ منایا جاتا ہے اور لوگوں کو گردوں سے متعلق آگاہی دلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وطنِ عزیز میں اس سال گزشتہ روز 12 مارچ کو یومِ گردہ منایا گیا۔اس دن کے حوالے سے اور عوام تک اس موذی مرض سے بچنے اور علاج کرنے سے متعلق آگاہی دلانے کی غرض سے ' اتفاق کِڈنی اینڈ جنرل ہسپتال پشاور نے'' اباسین کالم رائیٹرز اسوسی ایشن

کو دعوتِ مشاہدہ دی تاکہ اہلِ قلم حضرات عوام کی راہنمائی کرکے گردوں کے مرض " میں مبتلا مریضوں کی اذیت میں کمی لانے کی کوشش کریں۔ محکمہ صحت کے اعداد و شمار کے مطابق ہمارے ملک میں تقریباً دو کروڑ لوگ گردوں کے مختلف قسم کے مرض میں مبتلا ہیں جبکہ ایسے مریضوں کی تعداد میں سالانہ 15 سے 20 فی صد اضافہ ہو رہا ہے۔ کیونکہ پاکستان میں 20 لاکھ آبادی کے لئے گردوں کا صرف ایک ڈاکٹر ہے جس کے باعث اکثر افراد اس مرض کی تشخیص سے محروم رہتے ہیں، اور علاج معالجہ نہ ہونے کی وجہ سے اس مرض میں اضافہ ہو رہا ہے ان میں سے زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو مہنگا علاج کرنے کی سکت ہی نہیں رکھتے اور وہ یوں لیٹریاں رگڑ رگڑ کر لقمہء اجل بن جاتے ہیں ۔اتفاق کڈنی سنٹر کا اولیں مقصد ایسے غریب اور نادار لوگوں کو مفت علاج کی فراہمی ہے۔ ہم نے بہ چشمِ خود دیکھا کہ جن مریضوں کا ڈائیلاسس ہو رہا تھا، وہ سب کے سب مفلس و نادار لوگ تھے اور ان کا بالکل مفت علاج ہو رہا تھا۔ جو دکھی انسانیت کی خدمت اور مخیّر حضرات کی فراخ دلی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ ہمیں بتایا گیا کہ ہر سال اس ہسپتال میں اوسطاً دو ہزار مریضوں کا مفت ڈیلاسس کیا جاتا ہے۔

لیکن جس بات نے ہمیں حیران و پریشان کیا وہ یہ تھی کہ صوبہ خیبر پختونخوا کی موجودہ تحریکِ انصاف کی حکومت نے اس کارِ خیر میں تعاون کرنے سے ہاتھ کھینچ لئے ہیں اگرچہ اسی روز صوبائی اسمبلی خیبر پختونخوا کے ڈپٹی اسپیکر

امتیاز قریشی صاحب نے بھی اسی ہسپتال کا دورہ کیا اور ہسپتال کی کارکردگی کی تعریف کی اور صوبائی حکومت کی اس بے رخی کا شکوہ وزیرِ اعلیٰ پرویز خٹک تک پہنچانے کا وعدہ بھی کیا مگر ہمیں حیرانی اس لئے ہوئی کہ تحریکِ انصاف کے چئیر مین عمران خان کو کینسر ہسپتال چلانے کا بذاتِ خود تجربہ ہے اور وہ یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ اس طرح کے فلاحی ہسپتال کا چلانا بغیر فنڈ کے چلانا ممکن نہیں ہوتا، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پی ٹی آئی کی حکومت طب کے میدان میں اس طرح کے بہترین خدمات سرانجام دینے والوں کی حوصلہ افزائی کرتی اور پچھلے ادوار کے حکومتوں سے نسبتاً بڑھ چڑھ کر ان کی مدد کرتی۔ مگر افسوس کہ یہاں تو الٹا گنگا بہنے لگی ہے۔ یہاں یہ بھی واضح کرتا چلوں کہ ایسے فلاحی ہسپتالوں کی مدد ہسپتال کی مدد نہیں بلکہ ان نادار اور غریبوں کی مدد ہے جو گردوں کے مرض میں مبتلا ہیں مگر علاج کی سکت نہیں رکھتے۔ سردارِ دو جہاں حضرت محمد ﷺ کا فرمان ہے ''خیر من الناس من ینفع الناس'' لوگوں میں بہترین وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے'' پس حکومت ہو یا اہلِ ثروت حضرات، ان کو چاہئے کہ وہ لوگوں کو فائدہ پہنچانے والے کاموں میں دل کھول کر فلاحی اداروں کی مدد کریں اور مریضوں خصوصاً گردوں کے مرض میں مبتلا افراد کو ایک نارمل زندگی گزارنے کا موقعہ عطا فرمائیں اور یہ ثابت کریں کہ ہم صرف ''عالمی یومِ گردہ'' کے دن تقریریں ہی نہیں کرتے بلکہ اس مرض سے آگاہی مہم کے ساتھ ساتھ بیکسوں کی مدد کر کے علاج بھی کرتے ہیں۔۔۔۔

سعودی عرب کی سلامتی اور پاکستان کی لبّیک

سعودی عرب پاکستان کا ایک دیرینہ برادر ملک ہے۔ ہر کڑے وقت میں سعودی حکومت نے پاکستان کی مدد کی ہے. مقاماتِ مقدّسہ کی حامل ملک ہونے کی وجہ سے پاکستانی عوام بھی سعودی عرب کے ساتھ ایک گہرے روحانی رشتہ میں جڑے ہوئے ہیں. پاکستان کے وزیراعظم میاں نواز شریف کے سعودی حکمرانوں کے ساتھ ذاتی مراسم موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج جب سعودی عرب پر کڑا وقت آیا تو سعودی عرب کی پکار پر وزیراعظم نواز شریف نے دیگر سیاسی جماعتوں سے مشورہ کیے بغیر لبیک کہتے ہوئے فوری طور پر اسلام آباد میں ایک اعلیٰ سطحی اجلاس طلب کیا جس میں وزیرِ دفاع، وزارتِ خارجہ کے مشیر کے علاوہ آرمی چیف اور پاک فضائیہ کے سربراہ نے بھی شرکت کی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ سعودی عرب کی ہر ممکن مدد کی جائیگی۔ اجلاس میں فوری طور پر وزیرِ دفاع خواجہ آصف نواز، امورِ خارجہ کے مشیر سرتاج عزیز اور سینیئر فوجی افسران پر مشتمل وفد کو سعودی عرب بھیجنے کا فیصلہ بھی کیا گیا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ پاکستانی حکومت سعودی عرب کو ہر قسم کی مدد بشمول فوج بھیجنے کے لئے تیار ہے۔ حکومت کا یہ فیصلہ کہاں تک درست ہے؟ کیا یہ ایک دانشمندانہ فیصلہ ہے یا نہیں؟ اس فیصلے کے مستقبل میں پاکستان پر کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں؟ ان سوالوں کا جواب ڈھونڈنے سے پہلے سعودی حکومت

کو درپیش مسئلے کا پس منظر کا جائزہ لیتے ہیں۔
یمن سعودی عرب کا ایک اہم پڑوسی ملک ہے جس کی آبادی تقریباً ڈھائی کروڑ افراد پر مشتمل ہے اور اس کا رقبہ 527829 مربع کلو میٹر ہے انگریزوں کے تسلط سے آزاد ہونے کے بعد اس میں کبھی مضبوط اور مستحکم سیاسی حکومت قائم نہیں ہوئی، 2011 میں سیاسی بحران میں شدید اضافہ ہوا، یمنی عوام نے غربت، بے روزگاری اور کرپشن کے خلاف عَلمِ بغاوت بلند کر لیا۔ ملکی مسائل کا حل ڈھونڈنے کے لئے قومی مزاکراتی کانفرنسز منعقد ہوئیں۔ قومی کانفرنس میں یمن کے موجودہ صدر عبد الربوہ منصور ہادی کو صدر منتخب کر لیا گیا۔ مگر یمن میں موجود شیعہ حوثی قبائل نے اسے صدر تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے بغاوت کر لی اور موجودہ حکومت کے لنگڑی لولی فوج کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ شیعہ باغیوں نے بہت جلد یمن کے تین اہم شہروں صنعا، عدن اور تعز پر قبضہ بھی کر لیا۔ شیعہ باغیوں کا کہنا ہے کہ صدر ہادی سعودی عرب اور قطر کا کٹھ پتلی صدر ہے جبکہ سعودی عرب کا کہنا ہے کہ شیعہ باغیوں نے یمن کے ایک جائز اور قانونی حکومت کے خلاف جنگ شروع کر رکھی ہے اور وہ یعنی سعودی حکومت یمن کی قانونی حکومت بچانے کے لئے ہر ممکن قدم اٹھانے کو تیار ہے۔ درحقیقت سعودی حکومت یمن مین شیعہ باغیوں کی حکومت کو سعودی عرب کی سلامتی کے لئے شدید خطرہ سمجھ رہے ہیں اور وہ کسی بھی صورت میں یمن میں شیعہ ہوتی باغیوں کی

حکومت کو برداشت نہیں کرسکتے۔ اب سعودی عرب نے باغیوں پر باقاعدہ فضائی حملے شروع کردیئے ہیں اوران کی سرکوبی کے لئے پاکستان سے زمینی فوج بھیجنے کی درخواست کررکھی ہے۔واضح رہے کہ ایران نے یمن میں حوثی باغیوں کے خلاف فضائی حملوں کی مذمت کرتے ہوئے ایک خطرناک قدم قرار دیا ہے۔

یمن کے صدر عبدالربوہ منصور ہادی جواس وقت ایک اطلاع کے مطابق سعودی عرب پہنچ چکے ہیں، کی درخواست پر سلامتی کونسل کا ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا جس میں یمن کے سیکیوریٹی کی بگڑتی ہوئی صورتِ حال کا جائزہ لیا گیا،اقوام متحدہ کے ایلچی نے بتایا کہ یمن بھی عراق، افغانستان اورشام کی طرح ایک طویل جنگ کی طرف بڑھ رہا ہے۔امریکہ نے اسی خطرے کے پیشِ نظر اپنے تمام فوجیوں کو یمن سے واپس بلا لیا ہے۔ الغرض مشرقِ وسطیٰ مین خلیجی ممالک کی صورتِ حال انتہائی گھمبیر ہو چکی ہے، سعودی عرب، یمن،ایران کی صورتِ حال پر نہایت سنجیدہ غوروفکر کی ضرورت ہے۔یمن میں جس جنگ کا آغاز ہو چکا ہے اس کے اثرات صرف خلیجی ممالک پر ہی نہیں، بلکہ خطے میں موجود پاکستان اور افغانستان پر بھی پڑیں گے۔وطنِ عزیز پہلے ہی فرقہ وارانہ دہشت گردی کا شکار ہے۔سعودی عرب کے ساتھ بے شک ہمارے بہت ہی قریبی دوستانہ تعلقات ہیں مگرایران بھی ہماراپڑوسی ملک ہے اور پھر

پاکستان میں شیعہ برادری کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود ہے اندریں حالات ہمارے حکمرانوں کو بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیے۔ ہمیں کسی اور کے معاملات میں ٹانگ اڑانے سے پہلے ایک بار نہیں، ہزار بار سوچنا چاہیے۔

بے روزگاری کا مرہم

وطنِ عزیز جہاں دوسرے گھمبیر مسائل سے دوچار ہے وہاں بے روزگاری بھی ایک نہایت اہم توجہ طلب اور حل طلب مسئلہ ہے جو روز بہ روز پیچیدہ بنتا جا رہا ہے۔ ملک میں اس وقت لاکھوں لوگ بے روزگار ہیں جس میں ہر سال مزید لاکھوں لوگوں کا اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ملک کے با صلاحیّت افراد ہاتھوں میں ڈگریاں اٹھائے روزگار کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں ۔ ارکانِ اسمبلی اور با اختیار لوگوں کے پاس سب سے زیادہ درخواستیں روزگار کے لئے ہوتی ہیں ۔ اگرچہ آج تعلیم کا حصول بھی دولت کا متقاضی ہے مگر والدین اپنا پیٹ کاٹ کر اپنے بچوں کو جیسے تیسے اس امید پر پڑھا ہی لیتے ہیں کہ کل ان کو اچھا روزگار مل سکے تاکہ ان کے بڑھاپے کا سہارا بن سکیں مگر ان کے چہرے کے تاثرات اس وقت کرب و درد کی تصویر بنے قابلِ رحم ہوتی ہے جب ان کا بیٹا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی روزگار کی تلاش میں در در ٹھوکریں کھانے کے بعد ناکام و نامراد گھر واپس لوٹتا ہے۔ اخبار میں کسی ملازمت کا اشتہار آجائے تو ایک آسامی کے لئے اوسطاً دو ہزار درخواستیں دی جاتی ہیں ۔ اب تو زیادہ تر ملازمتوں کے لئے این ٹی ایس ٹسٹ لازمی قرار دیا جاتا ہے جو ایک لحاظ سے اچھی بات ہے مگر غرباء کے بچوں کے لئے ان کی فیس ادا کرنا باعثِ زحمت ضرور ہے۔ لہٰذا حکومت کو چاہیئے

کہ وہ این ٹی ایس ٹسٹ لینے کا مفت انتظام کر وائے۔

ملک میں دہشت گردی کی وجہ سے امن وامان کی بگڑی ہوئی صورتِ حال کا سب کو پتہ ہے مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بے روزگاری کی وجہ سے بھی جرائم کی شرح میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔جب ایک نوجوان قلم کاغذ سے مایوس ہو جاتا ہے تو پھر وہ ہاتھ میں کلاشنکوف اٹھانے پر ہی مجبور ہو جاتا ہے اور وہ زندہ رہنے کے لئے جائز و نا جائز ہر وسیلہ اختیار کرتا ہے۔روزگار مہیا کرنا بنیادی طور پر حکومت کی ذمہّ داری ہوتی ہے مگر افسوس کہ ہماری حکومتیں اس ذمہ داری کو نبھانے سے یکسر عاری ہیں حالانکہ کسی ملک کاسب سے بڑا سرمایہ اس کی افرادی قوت ہوتی ہے۔اللہ کے فضل و کرم سے پاکستان دیگر وسائل سے ایک بھرپور ملک ہے دنیا میں ایسے ممالک بھی ہیں جن کے پاس وسائل نہیں مگر افرادی قوت کے ذریعہ انھوں نے بے مثال ترقی کی ہے۔جاپان کی مثال ہم سب کے سامنے ہے۔

روزگار کے لئے ٹیکنکل ایجوکیشن کارآمد ہوتا ہے مگر ہماری حکومت خصوصا بیوروکریسی ہنر مند افراد کی حوصلہ افزائی کرنے کے بجائے ان کی حوصلہ شکنی کے درپے ہے جس کی مثال یہ ہے کہ ایک طالبعلم تین سالہ ڈپلومہ آف ایسوسی ایٹ انجنئیرنگ کرنے کے بعد چار سالہ بی ٹیک کرنے کے بعد بھی اسے انجنئیرنگ ڈگری کے برابر تسلیم نہیں کیا جارہاہے اور بیچلر آف ٹیکنکل

ایجوکیشن (آنرز) یعنی بی ٹیک کے طلباء مایوسی کے عالم میں دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔

قصہ مختصر، اگر وطنِ عزیز میں موجود لاکھوں بے روزگار نوجوان حکومت سے یہ توقع رکھیں کہ وہ انہیں روزگار مہیا کرے گی تو شاید انہیں مایوسی کے سوا کچھ نہیں ملے گا ۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر کیا کیا جائے ؟بے روزگاری کا علاج کیسے کیا جائے ؟ میرے ذہن میں چند ایک ایسی تجاویز ہیں جو بے روزگاری کا علاج تو نہیں ، مگر ایک مرہم کا کام ضرور دے سکتی ہے۔

پہلی تجویز تو یہ ہے کہ بے روزگار افراد اپنا حوصلہ کسی صورت میں نہ ہاریں۔زندگی میں آگے بڑھنے کے لئے عزم کی ضرورت ہوتی ہے بعض اوقات دولت کی چھاوں میں بھی یہ عزم کم ہوتا ہے اور بعض اوقات غربت کی دھوپ میں یہ عزم بڑا پر جوش ہوتا ہے ہمارے ہاں بے روزگاروں کی زیادہ تر تعداد غریب نوجوانوں کی ہے میں انہیں فرانسس بیکن کا قول یاد دلانا چاہتا ہوں، انہوں نے کہا تھا" میں نے دنیا کے عظیم انسانوں کو افلاس کے جھونپڑوں نکلتے ہوئے دیکھا ہے "لہٰذا غریب ، بے روزگار نوجوان اپنی غربت کو راہ میں حائل رکاوٹ نہ سمجھیں،مشکلات انسان کو تباہ کرنے کے لئے نہیں، بنانے کے لئے آتی ہیں ،اگر آپ بے روزگار ہیں تو ہمت مت ہاریئے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے کبھی مایوس

مت ہو جایئے۔آپ کے خیال میں جو لوگ با روزگار ہیں ، دولت مند ہیں، وہ بڑے خوش قسمت اور پر سکون زندگی گزار رہے ہیں ؟ نہیں ، ایسا نہیں ہے۔وہ بھی دولت کے چھاؤں میں بے چینی محسوس کر رہے ہیں دوسری طرف لوگوں کی ایک کثیر تعداد ایسی بھی ہے جو غربت کی دھوپ میں زندگی گزار رہے ہیں مگر تمام تر تکلیفوں کے باوجود وہ خوش و خرم زندگی گزار رہے ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اپنے آپ کو مصیبت زدہ سمجھ کر پریشانی کا شکار مت ہو جایئے کیونکہ ذہن منتشر اور بے چین ہو، تو ملازمت کا حصول مزید مشکل ہو جاتا ہے اور انسان کسی بھی فیلڈ میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔

دوسری تجویز یہ ہے کہ کھلے ذہن کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کا جائزہ لیجیئے پھر اپنی کیریئر پلاننگ کیجئے۔ باقاعدہ منصوبہ بندی کریں، روزگار حاصل کرنے کے مختلف ذرائع سوچیں، اسے باقاعدہ تحریر میں لائیں اور پھر اسے اختیار کرنے کے لئے سنجیدگی سے عملی قدم اٹھائیں۔

آخری تجویز یہ ہے کہ اگر آپ کو سرکاری نوکری نہیں ملتی تو آپ چھوٹا سا کوئی بھی کاروبار شروع کر دیں ،اپنی تعلیم اور ذہانت کو بروئے کار لائیں، اگر آپ کے پاس رقم نہیں ہے تو کسی بھی مائیکرو فنانس ادارے سے یا عزیز، رشتہ دار سے تھوڑی سی رقم لے کر کاروبار شروع کر دیں ایک دفعہ آپ ’’ایک ‘‘

لکھ دیں اس کے دائیں طرف بے شمار 'صفر' لگانا اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں ہاں ایک بات کا خیال رکھیں کہ مچھلی تالاب میں رہے اور پرندہ فضاء میں، تب ہی، تیراکی اور اڑان کا لطف رہے گا۔ یہ نہ ہو کہ آپ کے پاس کاروبار کے لئے رقم تو ایک لاکھ ہو اور آپ کاروبار شروع کریں دس لاکھ کا۔ اپنے تمام وسائل اور مسائل کا جائزہ لے کر ایسا راستہ منتخب کیجئے جس میں بھیڑ کم ہو، سگنل سرخ نہ ہو، منزل تک پہنچنا آسان ہو، کوشش کیجئے اور اللہ تعالیٰ ؛ؤ سے دعا بھی کیجئے کہ آئیندہ آنے والے معاملات اور مراحل خوش اسلوبی سے طے ہو جائیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے '' پس جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل (رزق) کو تلاش کرو'' سورہ جمعہ۔۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو مانتے ہوئے بے روزگاری کو لات مارتے ہوئے خود روزگاری کو اپنایئے ! قدم بڑھائیں، آج ایک، کل دو اور پرسوں چار، بس ایک مہینے تک اس رفتار سے سفر کیجئے، انشا اللہ کامیابی ضرور آپ کی قدم چومے گی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پاک چین دوستی نئے افق پر

اقوامِ عالم کی تاریخ میں یوں تو کئی ملکوں نے آپس میں خوشگوار اور دوستانہ تعلقات قائم کئے ہیں مگر وقت کے ساتھ ساتھ ان کے تعلقات کبھی ایک جیسے نہیں رہے، تغیر و تبدّل ان کا مقدّر رہا مگر پاک چین دوستی نہ صرف یہ کہ گزشتہ چھ دہائیوں سے قائم و دائم ہے بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں مزید پختگی اور استحکام آتا رہا ہے دونوں ممالک کے عوام اور حکمرانوں نے جس طرح محبت و اخوت کا مظاہرہ کیا ہے اور جو تاریخ رقم کی ہے وہ پوری دنیا کے لئے اپنی مثال آپ ہے۔ بلا شک و شبہ پاک چین تعلقات کئی عشروں سے ایک مثالی نوعیّت اختیار کر چکے ہیں۔ اس دوستی کو نہ تو بدلتے ہوئے موسم متاثر کر سکے اور نہ ہی داخلی، علاقائی اور عالمی سطح پر ہونے والی تبدیلیاں اس مثالی دوستی پر اثر انداز ہو سکی ہیں۔

پاکستان 1947 میں معرضِ وجود میں آیا جبکہ چین 1949 میں ماوزے تنگ کی قیادت میں آزاد ہوا۔ دونوں ممالک نوزائیدہ ہی تھے کہ دونوں کی دوستی کا لازوال سفر شروع ہوا۔ پاکستان نے فوری طور پر چین کو تسلیم کر لیا دونوں ممالک نے مئی 1951 میں ایک دوسرے کے ساتھ سفیروں کے تبادلہ کیا، سرد جنگ کے دوران

تعلقات کو استوار رکھنا ایک دشوار مگر اہم ترین امر تھا۔پاکستان کی فضائی کمپنی وہ واحد ائیر لائن تھی جسے پیکینگ تک رسائی حاصل تھی۔پاکستان ان معاہدوں کا حصہ رہا ہے جو جو امریکہ اور مغربی ممالک نے اشتراکیت کے خلاف قائم کئے تھے چین ان معاہدوں کے خلاف تھا مگر وہ پاکستان کی مجبوریوں سے واقف تھا۔پاکستان کی دفاعی مجبوریوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے چین نے ان معاہدوں کے شامل ہونے پر اعتراض نہ کیا اور یوں دونوں ممالک کے تعلقات بغیر تعطل کے پروان چڑھتے رہے۔ دونوں ممالک کے درمیان باہمی اعلیٰ سطحی دوروں کی ایک شاندار روایت رہی ہے۔1956 میں پاکستان کے وزیر اعظم حسین سہروردی چین کے دورے پر تشریف لے گئے اسی سال چین کے آنجہانی چو این لائی پاکستان کے دورے پر آئے۔ اور یوں باہمی اعلیٰ سطحی دوروں کا آغاز ہو گیا جو تادمِ تحریر جاری ہے۔1958 میں فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے حکومت کی بھاگ ڈور سنبھالی تو اس کے دورِ حکومت میں ایک اہم کارنامہ یہ سرانجام دیا گیا کہ چین کے جغرافیائی نقشوں میں بعض شمالی علاقہ جات ،جو پاکستان کے کنٹرول میں تھے، چینی علاقے ظاہر کئے گئے تھے یہ 1962 کی بات ہے اس وقت کی قیادت کی ذہانت اور دور اندیشی کی داد دینی پڑتی ہے کہ اس نے اقوامِ متحدہ کیایک نہایت اہم ادارے سلامتی کونسل کی مستقل نشست کے لئے چین کی پرزور حمایت کی۔جس کی وجہ سے دونوں ممالک کے درمیان انتہائی قلیل عرصہ میں باہمی تعلقات اس قدر وسیع اور مستحکم ہو گئے کہ چین نے تمام متنازعہ نقشے واپس لے

لئے بڑے اہم علاقوں پر پاکستان کے قبضے کو تسلیم کر لیا، یوں بغیر کسی تنازعہ کے، افہام و تفہیم کے ذریعے ہمیشہ کے لئے دونوں ممالک

کے سرحدوں کا تعین ہو گیا۔ جس کے بعد دونوں ممالک کے درمیان مارچ 1963 میں باقاعدہ ایک معاہدہ طے پا گیا، درحقیقت یہ معاہدہ دونوں ممالک کے تعلقات کا نقطہ آغاز ثابت ہوا۔ یہ اس معاہدے کا ثمر تھا کہ وہ تمام علاقے جو چین کے صوبہ سنکیانگ سے ملحق و متصل تھے اور پاکستان کے کنٹرول میں تھے، وہ پاکستان کے پاس رہ گئے اس کے علاوہ چین نے 1926 کلو میٹر پر محیط وہ علاقہ بھی پاکستان کو دے دیا جو عملاً چین کے قبضے میں تھا۔

1962 میں چین اور بھارت کے درمیان سرحدی تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں ملکوں کی فوجیں آمنے سامنے آگیئں، جھڑپیں شروع ہوئیں اس وقت چین عالمی برادری سے کٹا ہوا تھا لیکن پاکستان نے اس موقعہ پر چین کا بھرپور ساتھ دیا جس کی وجہ سے چین کی نظر میں پاکستان کا وقار بلند ہوا، اور پاک چین تعلقات مزید بہتری کی طرف گامزن ہونا شروع ہوئی۔ 1965 میں بھارت نے اعلانِ جنگ کئے بغیر پاکستان پر حملہ کر دیا۔ پاکستان کے بہادر افواج نے بھارتی فوج کو منہ توڑ جواب دیا۔ پاکستان پر اس آڑے وقت میں چین نے پاکستان کا بھرپور ساتھ دیا اور اپنی سچی دوستی کا حق نبھایا، 1971 کی پاک بھارت جنگ میں ایک دفعہ پھر پاکستان کا بھرپور ساتھ دے کر دوستی کا ثبوت دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو (مرحوم

نے پاک چین دوستی کو مضبوط تر بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ آج بھی اگر چین کے دارالحکومت بیجنگ میں پاکستان کے سفارت خانے میں داخل ہوں تو دائیں جانب پاکستان کے مختلف حکمرانوں کی چینی قیادت سے براہِ راست ملاقاتوں کی تصاویر نظر آتی ہیں۔ یہ پاک چین دوستی کی ایک تصویری تاریخ بھی ہے جس میں ذوالفقار علی بھٹو نمایاں نظر آتے ہیں۔ چین نے ایٹم بنانے میں دنیا کے تمام تر مخالفتوں کے باوجود پاکستان کی مدد کی ہے اس کے علاوہ ٹینک سازی، طیارہ سازی اور میزائل سازی میں بھی پاکستان کا مدد کرتا چلا آرہا ہے توانائی اور دیگر بہت سے منصوبوں میں جن میں سینڈک کا منصوبہ، گوادر ائیر پورٹ ریلوے انجنوں کی فراہمی اور دیگر بے شمار منصوبہ جات شامل ہیں، پاکستان کو چین کی مدد حاصل رہی ہے۔

اب کچھ عرصہ پہلے پشاور میں دہشت گردوں نے آرمی پبلک سکول کے معصوم بچوں کو جب گولیوں کا نشانہ بنایا تو چین نے بڑھ کر ہمارے زخمی اور افسردہ بچوں کے ساتھ جس پیار و محبت کا نمونہ پیش کیا، بچوں کو چین بلا کر جس طرح ہمدردی اور پیار کا تحفہ دیا، وہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ چینی بھائی پاکستانی قوم کے ساتھ بے لوث محبت رکھتے ہیں۔ پاک چین دوستی کے اس سفر میں بعض پاکستانی نا عاقبت اندیشوں کی وجہ سے دراڑ بھی پڑے مگر چین نے کبھی ان کو دوستی کی بندھن میں

حائل رکاوٹ نہ سمجھی اور ہمیشہ دریا دلی کا ثبوت دیا۔

اب پاک چین دوستی ایک نئے افق پر روشنی کی مینار کی طرح جگ مگ جگ مگ کرتی نظر آرہی ہے۔چین کے صدر کا پاکستان کا دورہ پاک چین دوستی کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کرنے کے لئے بے چین ہے، پاک چین اکنامک کاریڈور کا معاہدہ دستخط ہونے والا ہے جو پاکستان کی تعمیر و ترقی میں ایک اہم سنگِ میل ثابت ہو گا۔45ارب کا یہ منصوبہ پاکستان کی تقدیر بدل کے رکھ دے گا۔

چین اپنے شہر کاشغر سے گوادر بندرگاہ تک ایک ایسا کاریڈور تعمیر کرے گا جس میں موٹر وے، ریلوے لائن، فائر آپٹیکس اور تیل پائپ لائن ہوگا، جس کے ارد گرد صنعتی بستیاں تعمیر کی جائینگی۔لاکھوں لوگوں کو روزگار ملے گا۔

الغرض بین الاقوامی، سیاسی اور سفارتی حلقوں میں اب اس حقیقت کو کسی بحث اور دلیل کے بغیر تسلیم کیا جاتا ہے کہ پاکستان اور چین کی دوستی محاورتاً نہیں بلکہ حقیقتاً کوہِ ہمالیہ سے زیادہ بلند اور سمندر سے زیادہ گہری ہے۔دونوں ملکوں کے درمیان قریبی و دوستانہ تعلقات باہمی احترام اور تعاون کی بنیاد پر قائم ہیں ۔چین پاکستان کو توانائی کے بحران سے نکالنے کے لئے قابلِ تحسین عملی اقدامات کر رہا ہے۔پاک چین دوستی اس اعتبار سے بھی منفرد

ہے کہ کہ حکومتوں کی تبدیلی سے اس دوستی پر کبھی کوئی منفی اثر نہیں پڑا۔ بلکہ اس کی بجائے ہر تبدیلی کے بعد اس کی جہت اور دوستی کے نئے پہلو اجاگر ہوئے۔ چینی صدر کی پاکستان آمد پر اخبارِ ہذا اور پوری پاکستانی قوم چینی صدر کو دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہتے ہوئے یقین دلاتی ہے کہ بے شک پاک چین دوستی کوہِ ہمالیہ سے زیادہ بلند ہے کیونکہ دونوں ممالک کی طرف سے اس دوستی کو اس مقام تک پہنچانے میں جس سچائی، اخلاص اور محبت کا مظاہرہ کیا گیا ہے شاید پوری دنیا میں اس کی کوئی مثال موجود نہ ہو۔ اللہ پاک چین دوستی کو ہمیشہ اسی طرح قائم و دائم رکھے (آمین

صدرِ چین کا دورہ اور نواز شریف کی نیت میں کھوٹ

ایک وہ وقت تھا جب پختون قوم پوری دنیا میں مارشل قوم تصور کی جاتی تھی ، پختون قیادت نگاہ بلند، سخن دلنواز، جان پر سوز کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔اب پتہ نہیں ، اس قوم کو کسی کی نظر لگ گئی یا دشمنوں نے ان کی صلاحیتوں کو بھانپ کر ان کو تباہ و برباد کرنے کو کا کوئی منصوبہ بنا رکھا ہے جو بھی کچھ ہے ، مگر پختونوں کی حالت دیکھ کر دل خون کے آنسو رونے لگتا ہے۔ اگر ایک طرف پختون قوم آگ و بارود کا ایندھن بن رہا ہے تو دوسری طرف اپنے ہی حکمران پختون قوم سے سوتیلی ماں کے سلوک سے بھی بدتر سلوک کر رہیں اور یوں لگتا ہے کہ پختونوں کے حقوق کو غصب کرنے والوں سے کوئی پختونوں کے حقوق چھیننے والا باقی نہیں رہا۔ پنجاب خیبر پختونخوا کا بڑا بھائی ہے ، پنجابی ہمارے بھائی ہیں ، ہم پختونوں نے ان کو شلوار پہننا سکھایا، اکثریت کو کلمہ پختونوں نے سکھایا، پاکستان وجود میں آیا تو زیادہ تر قیادت پختونوں نے کی اور انہوں نے کبھی پنجابیوں ،پختونوں، بلوچیوں اور سندھیوں میں کبھی کوئی فرق روا نہیں رکھا۔ مگر افسوس صد افسوس کہ آج جب وطنِ عزیز کی قیادت نواز شریف لاہوری کے ہاتھوں میں ہے، تو صاف نظر آتا ہے کہ پختونوں کو نظر انداز کیا جا رہا ہے، قومی ترقی کے منصوبوں میں ان کو شامل نہیں کیا جا رہا ہے ۔ قومی معاملات میں ان سے مشورہ

تک نہیں کیا جاتا، اس کی تازہ مثال چینی صدر کی پاکستان آمد کی موقعہ پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ چینی صدر شی چنگ پنگ پاک سرزمین پر قدم رکھتے ہین ، اسلام آباد میں جشن کا سماں ہے، استقبالی قطار میں پاکستان کے تمام بڑے بڑے شخصیات ایستادہ ہیں، نواز شریف کا بھائی شہباز شریف چینی صدر کا استقبال کرتے ہوئے ان کے دستِ مبارک کو کئی لمحوں تک اپنے ہاتھوں میں تھامے رکھتے ہیں مگر افسوس کہ استقبالی قطار میں کھڑے بیسیوں شخصیات میں خیبر پختونخوا کے وزیرِ اعلیٰ پرویز خٹک نظر نہیں آرہے ہیں ، نظر کیسے آئے ؟

وہ وزیرِ اعلیٰ تو ہے مگر نواز شریف کا بھائی نہیں ہے، اس لئے اسے مدعو کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ بات خیبر پختونخوا کے وزیرِ اعلیٰ کی استقبالیہ شخصیات میں شامل ہونے کی ہوتی تو پختون قوم اسے نظر انداز کر سکتی تھی اور راقم الحروف یہ کالم شکوہ ہر گز زیرِ قلم نہ ، لاتا مگر افسوس تو اس بات کا ہے کہ چینی صدر کی طرف سے عنایت کردہ ترقیاتی منصوبوں میں خیبر پختونخوا کا حصہ آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ مجھے تو یہ بھی یقین ہے کہ کاشغر ، گوادر کاریڈور کا راستہ لاہور، ملتان کی طرف مڑ دیا جائیگا۔ چینی صدر کے دورے کے درمیان جتنے معاہدے ہوئے ہیں، وہ اس بات کا اشارہ دے رہے ہیں کہ ، چین کا صدر پنجاب کا دورہ کرنے آئے تھے، شریف خاندان نے اس کا استقبال کیا

شریف خاندان سے ان کے معاہدے ہوئے۔ پاک چین بنک لاہور، اورنج ٹرین لاہور، گوادر اکنامک کاریڈور لاہور، موٹروے لاہور تا کراچی، الغرض ان معاہدوں میں لاہوری یا لاہور نمایاں ہے۔ ہمیں لاہور یا پنجاب کی ترقی پر اعتراض ہرگز نہیں، مگر خیبر پختونخوا جو پہلے سے دہشت گردی کے جنگ میں زخم خوردہ ہے، کیا اسے اس طرح نظرانداز کرنا انصاف ہے؟

کیا اس طرح کی سلوک سے خیبر پختونخوا کے عوام میں احساسِ محرومی جنم نہیں لے گا،؟

کیا نواز شریف دوسرا بنگلہ دیش بنانا چاہتا ہے؟

کیا نواز شریف نہیں جانتے کہ کراچی سے پشاور یا افغانستان زیادہ تر مال کنٹینرز اور ٹریلرز میں براستہ ڈیرہ اسمٰعیل خان، کوہاٹ جاتا ہے اس سڑک کا کیا حال ہے؟ جس کو انڈس ہائی وے کہتے ہیں اس کو تو ہائی وے کہنا ہی ہائی وے لفظ کی توہین ہے۔ کیا ادھر موٹر بنانے کی ضرورت نہیں؟ کیا پشاور میں اورنج ٹرین یا میٹرو بس سروس کی ضرورت نہیں؟ کیا پختون قوم صرف قربانی دینے کے لئے پال رکھی ہے؟

خیبر پختونخوا کے عوام کے دلوں میں ایک لاوہ پکتا ہوا نظر آرہا ہے جو کسی وقت بھی پھٹ سکتا ہے۔ قبل اس کے کہ کوئی ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے کہ پھر

اس کا مداوا ہی مشکل ہو، وزیرِ اعظم میاں محمد نواز شریف کو دوسرے صوبوں خصوصا خیبر پختونخوا کی طرف دھیان دینا چاہیئے۔ صوبہ خیبر پختونخوا کے حکمرانوں خصوصا تحریکِ انصاف کے چیئرمین عمران خان کی بھی یہ ذمہّ داری بنتی ہے کہ وہ خیبر پختونخوا کی عوام کے حقوق کا تحفظ یقینی بنائیں، صرف بیانات دینے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا، یہ کہنا کہ اگر اقتصادی راہداری کا راستہ تبدیل کیا گیا تو فساد ہوگا، ناکافی ہے، اگر عمران خان اور پرویز خٹک کے دورِ حکومت میں کاشغر گوادر روٹ کو تبدیل کیا گیا تو خیبر پختونخوا کے عوام اسے کبھی فراموش نہیں کریں گے۔ عمران خان اور وزیرِ اعلیٰ پرویز خٹک کو واضح طور پر یہ اعلان کر دینا چاہیے اور یہ بات نواز شریف پر واضح کر دینی چاہیے کہ اگر اقتصادی راہداری کا روٹ تبدیل کر دیا گیا یا اس کی روٹ میں کوئی چالاکی کی گئی یعنی اسے چند کلومیٹر خیبر پختونخوا میں داخل کرا کر فیصل آباد، لاہور کی طرف مڑ دیا گیا تو خیبر پختونخوا کی حکومت مستعفی ہو کر عوام کے ساتھ کھڑی ہو گی۔ چینی صدر کو دورہ پاکستان کے لئے نیک شگون ضرور ہے مگر نواز شریف کی نیّت میں کھوٹ پاکستان کے لئے نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔

الطاف حسین کا مغمہ

ایم کیو ایم کے محرکات، الطاف حسین کے بیانات اور ہمارے حکمرانوں کے فرمودات نے عوام کو عجیب کشمکش میں بتسلا کر دیا ہے۔ سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ الطاف حسین وطنِ عزیز کا یار ہے یا غدار ہے؟ ماضی میں ان پر کئی مرتبہ الزامات لگے لیکن پھر انہیں جلد ہی وطن دوستی اور محبِ وطن ہونے کے سرٹیفیکیٹ بھی ملے۔اب حال ہی میں ملیر کے ایس ایس پی راو انوار کے ہنگامی کانفرنس نے نہ صرف میڈیا پر بلکہ عوام کے ذہنوں میں بھی ایک کھلبلی مچا دی ہے، اس کھلبلی میں رہی سہی کسر الطاف حسین کے بیان نے پوری کر دی ہے۔ ایس ایس پی راو انوار کا کہنا ہے کہ ایم کیو ایم ایک ایسی دہشت گرد تنظیم ہے جو تحریکِ طالبان سے زیادہ خطرناک ہے اس لئے اس پر فوری طور پر پابندی لگنی چاہئے۔ انہوں نے کہا، ہم نے دو دہشت گرد مسمّیٰ طاہر عرف لمبا اور جنید گرفتار کئے ہیں جنہوں نے بھارت سے ٹرینینگ لینے کا اعتراف بھی کیا ہیانہوں نے ایم کیو ایم کے اہم راہنماوں پر را سے تعلقات رکھنے کا الزام بھی لگایا۔۔

ایس ایس پی کی طرف سے متحدہ پر الزامات کے جواب میں ایم کیو ایم کے رابطہ

کمیٹی کی طرف سے کہا گیا کہ یہ سیاسی ڈرامہ کسی اور کے ایماء پر رچایا گیا ہے۔فاروق ستار نے ایک بڑا معنی خیز بین السطور سوال بھی اٹھایا کہ زرداری، قائم علی شاہ ملاقات میں تیسرا شخص کون تھا؟ دور کی کوڑیاں لانے والے افراد نے کہا کہ ان کا اشارہ جنرل راحیل شریف کی طرف تھا کیونکہ اس دن راحیل شریف کراچی میں موجود تھا۔

ایس ایس پی راو انوار کی پریس کانفرنس پر الطاف حسین خوب برسے، انہوں نے بڑی طویل گولہ باری کی، کچھ ایسے غیر مہذبانہ الفاظ بھی استعمال کئے جن کا یہاں حوالہ دینا بھی مناسب نہیں، اگرچہ راو انوار نے بھی اپنی حیثیت سے بڑھ کر مطالبات اور باتیں کیں مگر اس نے کسی کو بھنگی یا سور سے تشبیہ نہیں دی جبکہ الطاف حسین جیسے ، لاکھوں افراد کے قائد نے ایسا کہنے سے دریغ نہیں کیا۔الطاف حسین نے فوج کو بھی نہیں بخشا،اگر چہ بعد میں متحدہ کے قائدین صفائی پیش کرتے رہے کہ الطاف بھائی نے راحیل شریف کی تعریف کی تھی، مگران کی اس بات پر کون یقین کرتا کیونکہ الطاف حسین کی گرجدار آواز میں یہ الفاظ سب نے سنے تھے کہ " تمھارے چھڑیاں رہیں گی نہ سٹار رہیں گے، غدار ہتھیار پھینکنے والی فوج ہے یا پاکستان بنانے والے مہاجر ہیں؟" اب کون یہ تسلیم کرے کہ الطاف بھائی نے راحیل شریف کی تعریف کی تھی۔۔ڈی جی آئی ایس پی آر میجر جنرل سلیم باجوہ نے الطاف حسین کے فوج سے متعلق بیان کی سخت

الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا کہ فوج سے متعلق الطاف حسین کا بیان بے ہودہ، نفرت انگیز اور غیر ضروری ہے، فوج سے متعلق اس قسم کے بیانات برداشت نہیں کئے جائینگے۔ الطاف حسین نے جذبات میں آکر اپنے پیروکار نوجوانوں کو اسلحہ کی تربیت اور جسمانی تربیت لینے کی ہدایت بھی کی، انہوں نے بھارتی ایجنسی ''را'' سے متحدہ کی کھل کر حمایت کرنے کا بھی مطالبہ کیا۔

الطاف حسین کے شدید ردِ عمل کے بعد راو انوار کے قریبی ساتھی ڈی ایس پی قاسم کو ان کے ڈرائیور اور گن مین کو فائرنگ کرکے شہید کر دیا گیا۔ اور بوقتِ تحریر ہذا یہ بھی خبر بھی آئی کہ کراچی میں لنک روڈ پر راو اوار کے قافلے پر دستی بموں سے زوردار حملہ کیا گیا، حملے میں راو انوار محفوظ رہے جبکہ حملہ آور پولیس کے جوابی فائرنگ سے فرار ہو گئے۔

ماضی میں بھی ایم کیو ایم کی قیادت پر طرح طرح کے الزامات لگتے رہے ہیں۔ حقیقت کیا ہے؟ یہ ہم نہیں جانتے مگر ہمیں یہ یقین ہے کہ ہماری ملکی قیادت اور ملک کے خفیہ ادارے اس بات سے بخوبی واقف ہونگے کہ ایم کیو ایم کیا ہے؟ کیا یہ ایک محبِ وطن سیاسی جماعت ہے؟ یا اس کے تانے بانے ملک دشمن عناصر سے ملے ہوئے ہیں؟ صورتِ حال جو بھی ہو، حکومت کو چاہئے کہ عوام کو سچ سچ بتا دے اگر ایم کیو ایم اور اس کی قیادت محبِ وطن سیاسی جماعت ہے تو اس کے

راستے میں رکاوٹیں ہر گز نہیں کھڑی کرنی چاہیئے اور اگر ایسا نہیں ہے تو کسی مصلحت کے بغیر، کسی خوف کے بغیر حکومت کو اس کے خلاف موثر قدم اٹھا کر، یہ چوہے بلی کا کھیل ختم کر کے اس معمہ کا فوری حل عوام کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔

خیبر پختونخوا کے حقوق کے لئے ایکا کرنے کی ضرورت

یہ بات عوام اور خواص دونوں حلقوں میں اب شدّت سے محسوس کی جارہی ہے کہ صوبہ خیبر پختونخوا کے ساتھ مرکزی حکومت منصفانہ سلوک نہیں کر رہی ہے اور یہ کہ میاں محمد نواز شریف صرف پنجاب کا وزیر اعظم لگتا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ پنجاب کی ترقی کو مدِ نظر رکھتا ہے اس احساس کی وجہ سے عام لوگوں میں احساسِ محرومی میں اضافہ ہو رہا ہے جو نہایت ہی خطرناک بات ہے۔ مشرقی پاکستان یعنی موجودہ بنگلہ دیش کے لوگوں نے قیام پاکستان کے جد و جہد میں کلیدی کردار ادا کیا تھا لیکن جس وقت ان لوگوں کے ساتھ مرکزی حکومت کی طرف سے منصفانہ سلوک نہ کیا گیااور ان کے گلے شکوے صدا بصحرا ثابت ہوئے تو عوام کے دلوں میں پکنے والا لاوہ باہر آگیا، نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان دولخت ہو گیا۔ بنگلہ دیش بن گیا، پاکستان کو نا قابلِ تلافی نقصان پہنچااور ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔ تاریخ کا یہ سبق ہمیں کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔

آیئے ! آج اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ کونسی ایسی باتیں ہیں جس کی وجہ سے صوبہ پختونخوا کے عوام، اپوزیشن اور حکومت سبھی مرکزی حکومت سے ناراض

ہیں ، یہاں تک کہ صوبائی حکومت بھی صوبے کے حقوق حاصل کرنے کے لئے اسلام آباد میں دھرنا دینے کے لئے پر تول رہی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ شکوہ بجلی کا کیا جاتا ہے، سبھی جانتے ہیں کہ صوبہ خیبر پختونخوا میں جو بجلی پیدا کی جاتی ہے وہ نہ صرف یہ کہ بہت سستی ہے بلکہ صوبے کی ضرورت سے کہیں زیادہ بھی ہے مگر اس کے باوجود کے پی کے عوام کو بدترین بجلی کی لوڈشیڈنگ کا سامنا ہے۔ مرکزی حکومت خیبر پختونخوا میں پیدا ہونے بجلی 1.80 پیسے فی یونٹ حاصل کرتی ہے اور پھر اوسطاً 12 روپے فی یونٹ خیبر پختونخوا پر فروخت کرتی ہے اور وہ بھی سسک سسک کر۔ اس کے مقابلے میں گندم پنجاب میں زیادہ پیدا ہوتی ہے اور خیبر پختونخوا میں کم، مگر پنجاب اپنے ضروریات سے زائد گندم صرف خیبر پختونخوا کے عوام کو دیتی ہے۔ اگر پنجاب کی اپنی ضروریات سے زائد نہ ہو تو وہ پنجاب سے صوبہ خیبر پختونخوا کو گندم لے جانے پر پابندی لگا دیتی ہے۔ بجلی کا خالص منافع بھی صوبے کو نہیں دیا جا رہا ہے، اربوں روپے اس سلسلے میں مرکز کے ذمہ واجب الادا ہیں مگر مرکزی حکومت لیت و لعل سے کام لے رہی ہے۔

خیبر پختونخوا کو قابلِ تقسیم محاصل میں بھی جائز حصہ نہیں دیا جاتا۔

لیکن حال ہی میں جس معاملہ نے خیبر پختونخوا کے عوام کو زیادہ تشویش میں

بتلا کیا ہے اور وہ غم وغصے کا شکار ہیں۔ وہ کاشغر، گوادر روٹ میں تبدیلی کا فیصلہ ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ اس راہداری کا اصل روٹ گلگت، حویلیاں، کوہاٹ، ڈیرہ اسمٰعیل خان، جنوبی وزیرستان اور بلوچستان سے گزرتے وئے گوادر تک تھا مگر نواز شریف اور شہباز شریف نے مل کر اسے حسن ابدال سے لاہور، ملتان کی طرف کر دیا ہے جو بد دیانتی کی انتہا ہے۔ اگرچہ پختونخوا کی تمام سیاسی جماعتوں نے اس زیادتی کے خلاف تحریک چلانے کا بھی اعلان کیا ہے مگر اب مرکزی حکومت میڈیا کے ذریعے یہ تاثر پھیلانے کی کوشش کر رہی ہے کہ بھارت کی خفیہ ایجنسی 'را' اس راہداری منصوبے کو کالاباغ ڈیم جیسے متنازعہ بنانے اور روکنے کی کوشش کر رہی ہے، گویا پختونخوا کی قیادت 'را' کی سازش کا حصہ بنتے جا رہے ہیں۔ اس طرح کے شوشے چھوڑنا اور بے بنیاد الزامات لگانا مزید نفرت پیدا کرنے کا موجب بن سکتے ہیں۔ اندریں حالات وزیر اعظم نواز شریف کو کھل کر قوم کو بتانا چاہیئے کہ کاشغر گوادر راہداری پاکستان کے کن کن علاقوں سے ہو کر گزرے گی، اگر وہ اس منصوبے کی راہداری کی نشاندہی واضح طور پر نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے جو آگے بڑھ کر کسی بڑے نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔ اگر ہم آپس میں اس پر لڑتے رہے تو چین اس منصوبے سے دستبرداری کا اعلان بھی کر سکتا ہے۔ واضح رہے کہ بھارت اس منصوبے کو روکنے کی بھرپور کوشش کرے گا۔ خدانخواستہ اگر یہ منصوبہ کسی سازش کا شکار ہوا تو تاریخ نواز شریف کو کبھی

معاف نہیں کرے گی۔ بے شک نواز شریف خیبر پختونخوا کی قیادت پر اس منصوبے کو کالاباغ ڈیم جیسا متنازعہ بنانے کا الزام لگاتا رہے مگر تاریخ یہ ثابت کرے گا کہ یہ پختون قیادت نہیں، بلکہ نواز شریف کی بدنیتی کا نتیجہ ہے۔

صوبہ خیبر پختونخوا کے وزیر اعلیٰ جناب پرویز خٹک نے اسلام آباد میں صوبے کے جائز حقوق نہ دینے کے خلاف دھرنا دینے کا بھی اعلان کیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پختونخوا کی پوری قیادت صوبے کے جائز حقوق کے حصول کے لئے ایکا کرلیں ورنہ تاریخ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔ ہماری دعا ہے کہ مرکزی حکومت عقل کے ناخن لے اور پختونخوا کو نہ صرف یہ کہ اپنا حق دینے میں کسی لیت ولعل سے کام نہ لے بلکہ دہشت گردی کے شکار اس صوبے کی دل کھول کر مدد کرے اور مرکزی حکومت فوری طور پر صوبہ خیبر پختونخوا کو بجلی دینے، بجلی کا منافع دینے اور کاشغر، گوادر روٹ کا مجوزہ روٹ کے متعلق واضح اعلان کردے۔

بلدیاتی انتخابات میں عوام کی دلچسپی

تل دھرنے کی جگہ نہ تھی، بازار کیا تھا، ایک تنگ سی گلی تھی۔ جہاں اکیلے گزرنا محال تھا وہاں انسانی گروہ کے گروہ متحرک نظر آرہے تھے موٹر سائیکل سوار اپنے موٹر سائیکلوں پر سوار ہو کر گزرنے پر بضد تھے، عجیب سی چہل پہل تھی کسی کے چہرے پر مسکراہٹ تو کسی کے چہرے پر سنجیدگی اور پریشانی کے آثار نمایاں تھے، یہ جگہ تھی پشاور کا جھنگی محلہ، جہاں بلدیاتی انتخابات میں حصہ لینے والے امیدوار اپنے دوستوں اور سفارشیوں کے ہمراہ انتخابی مہم کے لئے کارڈز، پوسٹرز اور فلیکسز چھاپنے آئے تھے۔ یہ منظر نامہ جہاں میرے لئے خوشی کا باعث بن رہا تھا وہاں کچھ تشویش بھی لاحق ہو رہی تھی ۔اچانک آبائی گاؤں جانا پڑ گیا تو وہاں بلدیاتی الیکشن کے حوالے سے سرگرمیاں دیکھ کر دل ایک دفعہ پھر خوشی و تشویش دونوں احساسات سے معمور ہوا، اور کالم ہذا کے تحریر کا باعث بنا۔

خوشی اس لئے ہو رہی ہے کہ بلدیاتی الیکشن میں عوام کا بھرپور حصہ لینا قومی ترقی کے لئے ایک نیا شگون ہے۔ دراصل کسی بھی جمہوری نظام میں بلدیاتی اداروں کی بے پناہ اہمیت ہوتی ہے۔ وطنِ عزیز میں پہلی مرتبہ فیلڈ مارشل محمد

ایوب خان نے 1059 میں بلدیاتی نظام متعارف کروایا،1969 میں ان کی حکومت کے خاتمے کے ساتھ بلدیاتی نظام بھی ختم کر دیا گیا۔دوسری بار جنرل ضیا الحق نے اپنے دورِ حکومت میں لوکل گورنمنٹ سسٹم رائج کیا اور یہ پڑھ کر آپ کو حیرانگی ہو گی کہ تیسری مرتبہ بھی بلدیاتی نظام ایک فوجی حکمران جنرل پرویز مشرف نے 2001 میں قائم کیا۔ہمارے سیاسی حکمران جو جمہوریت جمہوریت کہتے کہتے نہیں تھکتے، ہمیشہ بلدیاتی نظام سے پہلو بچاتے رہے حالانکہ ملک کے بہت سے مسائل بلدیاتی انتخابات سے ہی ختم ہو سکتے ہیں۔جب ہر ضلع تحصیل اور گاؤں میں عوام کو شراکتِ اقتدار کا احساس ہو تو اکثر مسائل خود بخود حل ہو سکتے ہیں ۔عوام کے چھوٹے چھوٹے مسائل مقامی سطح پر ہی حل ہو جاتے ہیں ۔

یہی وجہ ہے کہ خیبر پختونخوا میں بلدیاتی الیکشن کے لئے جوش و خروش میرے لئے باعثِ مسرت ہوا۔خیبر پختونخوا میں 30 مئی کو ہونے والے انتخابات کے لئے 93 ہزار سے زائد امیدوار میدان میں آ گئے ہیں۔صوبائی الیکشن کمیشن کے مطابق خیبر پختونخوا میں بلدیاتی انتخابات میں حصہ لینے کے لئے ایک لاکھ 3 ہزار 522 امیدواروں نے کاغذات جمع کرائے جن میں سے 93 ہزار سے زائد امیدواروں کے کاغذات منظور کئے گئے ہیں ۔42 ہزار سے زائد امیدوار صرف ویلیج کونسل کے لئے میدان میں اتر آئے ہیں۔جو اس بات کا ثبوت ہے کہ پاکستانی عوام شرکتِ اقتدار میں شدید خواہش رکھتی ہے اور اپنے مسائل مقامی سطح پر حل کرنے کی آرزومند

ہے۔
بلدیاتی انتخابات کا ایک اور بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ مقامی سطح پر جمہوریت کے لئے نرسری تیار ہوتی ہے جو بعد ازاں تناور درخت بننے کی صلاحیت حاصل کر لیتی ہے۔ مگر بلدیاتی انتخابات کا ایک اور رخ بھی ہے جو تشویش کا باعث ہے اور وہ یہ کہ اس انتخابات میں حصہ لینے والے عموماً ایک ہی محلے، ایک ہی گاؤں یا ایک ہی علاقے سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے ووٹرز جو ہوتے ہیں وہ بھی عموما کثیر الجہتی تعلق دار ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے عزیزوں، رشتہ داروں اور ایک ہی گاؤں اور علاقے سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان ناچاقی پیدا ہونے کا قوی امکان ہوتا ہے۔
پختون معاشرے میں تحمّل اور برداشت کی چونکہ کمی پائی جاتی ہے اس لئے لڑائی جھگڑے، ہاتھاپائی اور آپس میں مستقبل کے تعلقات کے خراب ہونے کا بھی شدید اندیشہ پایا جاتا ہے۔ بناء بر ایں بلدیاتی انتخابات نے بیک وقت ہمیں خوشی اور تشویش کے احساسات سے دوچار کر دیا ہے۔ اندریں حالات صوبائی حکومت سے گزارش ہے کہ الیکشن کے دن سیکیوریٹی کے فول پروف انتظامات کئے جائیں اور ہر پولنگ سٹیشن پر ایسا پرامن ماحول مہیا کیا جائے، جس میں لڑائی جھگڑے یا فساد کی نوبت نہ آئے اور انتخابات میں حصہ لینے والوں اور

عوام سے یہ التماس ہے کہ وہ تحمل اور برداشت سے کام لیتے ہوئے کامرانی یا ناکامی دونوں صورتوں میں اپنے جذبات پر قابو رکھیں تاکہ آنے والے بلدیاتی انتخابات حقیقی معنوں میں صوبہ خیبر پختونخوا کے لئے ثمر آور ثابت ہو سکیں۔۔۔۔۔۔۔

قومی احتساب کمیشن۔ کرپشن میں اضافے کا سبب

رات کے دو بجے ہوں گے وہ گہری نیند سویا ہوا تھا، اس کے بیوی بھی قریب ہی گہری نیند کے مزے لے رہی تھی کہ اچانک مجھے بچاؤ، بچاؤ،،کے نعرے کمرے میں بلند ہوئے، بیوی اٹھ بیٹھی اور اپنے خاوند کو کندھے سے ہلا ہلا کر، جنجھوڑ جنجھوڑ کر پوچھنے لگی ’’ کیا ہوا، کیا ہوا؟ خاوند نیم غنودگی کی حالت میں کہنے لگا ’’ کالی بلا ہے، جس کے بڑے۔بڑے، لمبے لمبے ناخن ہیں اور وہ میرے جسم کو نوچ رہی ہے‘‘ بیوی نے تسلی دی’’ میری جان ! تم اپنے میں کمرے میں سو رہے ہو، کوئی بلا شلا نہیں ہے یہ تمھارا وہم ہے‘‘۔

یہ خواب تھا ایک ایسے شخص کا، جو سرکاری ملازمت میں اربوں کا کرپشن کر چکا تھا اور اب قومی احتساب کمیشن کا خوف اس کے لاشعور پر سوار ہو چکا تھا۔ قومی احتساب کمیشن 1999 میں اس مقصد کے لئے قائم کیا گیا تھا کہ وطنِ عزیز میں بڑے۔بڑے مگر مچھ جو معاشی دہشت گردی میں ملّوث ہوں ان کو پکڑ کر کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے تاکہ دوسرے بھی اس کا انجام دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔

ابتداء میں احتساب کمیشن کا اچھا خاصا خوف بھی پیدا ہوا اور کرپٹ لوگوں کو خواب میں کالی بلائیں نظر آنے لگیں مگر وقت کے ساتھ ساتھ جب لوگوں نے کرپٹ لوگوں کے ساتھ احتساب کمیشن والوں کی ڈیل دیکھی اور دیکھا کہ احتساب والے احتساب نہیں، صرف حساب کرتے ہیں، اگر کسی نے سو کروڑ کی کرپشن کی ہے اور وہ پچیس کروڑ قومی خزانہ میں جمع کرنے پر راضی ہو جائے تو حساب برابر سمجھ لیا جاتا ہے اور گرفتار ملزم کو با عزّت طریقے سے رہائی دِلا دی جاتی ہے۔ اب کرپٹ لوگ اس سودے کو گھاٹے کا سودا نہیں سمجھتے، کیونکہ کرپشن کا ایک چوتھائی کیا، اتین چوتھائی بھی دینا پڑ جائے تو پھر بھی اچھی خاصی بچت ہو جاتی ہے۔ اس کی تازہ ترین مثال آج کے اخبارات میں شائع ہو نے والی خبر ہے کہ سابق وزیر اعلیٰ خیبر پختونخوا امیر حیدر ہوتی کے بھائی غزن ہوتی کو احتساب کمیشن نے 22 کروڑ واپس کرنے پر رہائی دلا دی۔ واضح رہے کہ غزن ہوتی کو مبیّنہ اسلحہ سکینڈل میں گرفتار کیا گیا تھا، یہ ایک مثال نہیں، ایسی سینکڑوں مثالیں ہیں کہ احتساب کمیشن نے قومی خزانے سے اربوں روپے ڈکارنے والوں کو چند کروڑ روپے واپس کرنے پر چھوڑ دیا گیا۔ قومی احتساب کمیشن خود بڑے فخر کے ساتھ اس بات کی دعوے دار ہے کہ جب سے 1999 سے احتساب کمیشن بنا ہے، تب سے اربوں روپے کرپشن کرنے والوں سے قومی خزانہ میں جمع کیا گیا ہے۔ احتساب کمیشن کے اس دعوے سے بھی یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے

کہ وطنِ عزیز میں بے شمار لوگوں نے کرپشن کی جو بعد ازاں کچھ رقم قومی خزانہ کو واپس کرنے پر چھوڑ دیئے گئے۔ اس عمل سے فائدے کے بجائے بڑا نقصان ہوا، اور وہ یہ کہ کرپشن ایک تجارت بن گئی یعنی کرپشن کرو، اگر پکڑے گئے، جس کے چانسز بھی بہت کم ہوتے ہیں تو احتساب کمیشن والوں سے حساب کتاب کرکے کچھ رقم واپس کر دو'' یوں اللہ اللہ، خیر صلا۔ یعنی کرپٹ لوگوں کے دلوں میں جو خوف تھا وہ دور ہوگیا۔ کرپشن پھیلنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ عوام دیکھ رہی ہے کہ اہم ترین عہدوں پر فائز رہنے والے شخصیات پر ہاتھ نہیں ڈالا جارہا ہے۔ اگر ایک عام آدمی ملک کے ٹاپ ٹین کرپٹ ترین لوگوں کے نام سے آشنا ہے تو احتساب کمیشن والے ان لوگوں سے کیسے بے خبر رہ سکتے ہیں، سوشل میڈیا پر ایسے لوگوں کے نام گردش کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا

۔مناسب ہوگا کہ قطع نظر اس کے کہ کون کیا تھا، یا کیا ہے

ان پر ہاتھ ڈالنا چاہیے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اہم بات یہ ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ احتساب کمیشن کا ملزم سے ڈیل کرنے کی جو پالیسی ہے یہ ملک کے لئے نقصان دہ ہے اور کرپٹ لوگوں کے مفاد میں ہے۔ احتساب کمیشن کے اس طریقہ کار سے کرپشن میں کمی نہیں، بلکہ اضافہ ہو رہا ہے۔ لہٰذا حکومت اور احتساب

کمیشن سے گزارش کی جاتی ہے کہ وہ قانون میں ترامیم کرتے ہوئے کرپشن کرنے والے کرپٹ لوگوں کے لئے سزا اگر پھانسی نہیں تو کم از کم عمر قید ضرور ہونی چاہیئے۔ تاکہ احتساب کمیشن کا اصل مقصد یعنی کرپشن کی روک تھام کو یقینی بنایا جاسکے۔

غیور مگر مجبور قبائلی عوام

پاکستان اور افغانستان کے درمیان واقع سات ایجنسیوں پر مشتمل پہاڑی علاقہ جو ابھی تک نام سے بھی محروم ہے، FATA یعنی Federaly Administerated Tribal Area کہلاتا ہے اور ان کے باشندوں کو عموما قبائلی عوام کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ دنیا تو درکنار پاکستان کے بھی بہت کم لوگ ان لوگوں کے رسم و رواج، روایات ، عادات و اطوار سے واقف ہیں مگر جو واقف ہیں، ان کو اچھی طرح یہ بات معلوم ہے کہ قبائلی عوام میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک صفت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور وہ صفت ہے ''غیور'' ہونے کی۔ اللہ تعالیٰ کا ایک نام غیور ہے اور ان لوگوں میں بھی غیرت اور خودی کے جذبات اللہ تعالیٰ نے کثرت سے پیدا کئے ہیں مگر افسوس صد افسوس کہ آج یہ غیوّر لوگ بہت مجبور بن چکے ہیں ، دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں، اپنے ہی ملک میں مہاجر بن چکے ہیں، بے گھر، بے یار و مددگار دوسروں کی مدد کے طلبگار ہیں۔ اس وقت اگر ہم ان کے مسائل کو زیرِ قلم لائیں تو ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے مگر اپنے کالم کی تنگ دامنی کا خیال رکھتے ہوئے اختصار کے ساتھ ان کے چند مسائل اور ان کے حل کا جائزہ اس آرزو کے ساتھ پیش کریں گے کہ شاید حکومت ان پگڑی والوں (عزّت دار) لوگوں کے مسائل کی طرف متوجہ ہو جائے۔

آج قبائلی عوام کا سب سے بڑا مسئلہ امن و امان کا قیام ہے۔1979 میں روس نے جب افغانستان آیا تو پاکستان نے امریکہ کی مدد سے روس کے خلاف کاروائیوں کا آغاز کیا ۔قبائلی علاقہ جات اس جنگ کے لئے لانگ ایریا بن گیا، روس کو شکست ہوئی ۔نائن الیون کے بعد جب امریکہ نے افغانستان پر لشکر کشی کی تو یہ علاقہ شدّت پسندوں اور دہشت گردوں کی محفوظ آماجگاہ بن گیا جس کی وجہ سے اس علاقے میں امن ،استحکام اور خوشحالی نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی اس وقت پاک فوج ضربِ عضب کے نام سے قبائلی علاقہ جات میں اپریشن کر رہی ہے امید کی جاتی ہے کہ پاک فوج اپنے مشن میں کامیاب ہو جائیگی لیکن اگر قبائلی علاقہ جات کے دیگر مسائل کو حل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی تو پاک فوج کی قربانیاں رائیگاں چلی جائینگی۔کیونکہ قبائلی عوام امن کے علاوہ دیگر ایسے مسائل کا شکار ہیں جن کو حل کئے بغیر اس علاقے میں امن قائم نہیں کیا جاسکتا اور جب تک قبائلی علاقہ جات میں امن وترقی کو یقینی نہیں بنایا جاتا ،تب تک پاکستان میں بھی امن امان کی صورتِ حال کو بہتر نہیں بنایا جا سکتا۔امن و امان قائم رکھنے کے لئے قانون اور انصاف کی فراہمی اولین شرط ہے مگر افسوس کہ قبائلی علاقہ جات میں قانون ہے نہ کوئی انصاف۔برطانیہ نے 1901 میں اپنے دورِ حکومت میں ایک کالا قانون ایف سی آر (فرنٹئیر کرائم ریگولشنز) کا نام سے رائج کیا ،جو قانون کے نام پر ایک سیاہ دھبہ ہے جس کا مقصد

برطانوی استعمار کے مفادات کا تحفظ کرنا تھا اس قانون کے نفاذ کو فاٹا میں ایک صدی سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے مگر پاکستان میں کسی حکومت کو یہ توفیق نصیب نہ ہو سکی کہ اس بدنامِ زمانہ قانون کو ختم کرکے یا کم از کم اس میں اصلاح کرکے لہٰذا پہلا کام قبائلی علاقہ جات میں قانون اور انصاف کی فراہمی کو یقینی بنانا ہے۔ قبائلی علاقہ جات کا ایک نہایت اہم مسئلہ تعلیم ہے، ساتوں ایجنسیوں میں کوئی یونیورسٹی یا معیاری تعلیمی درسگاہ موجود نہیں، جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے، کسی بھی علاقے کا سفر جب سے شروع ہوگا، تعلیم سے شروع ہوگا، کسی بھی قوم کے افراد کو تعلیم ہی باشعور بناتا ہے اور باشعور انسان ہی حقیقی معنوں میں انسان ہے جو باشعور نہیں وہ انسان بھی نہیں، باشعور انسان ہی شر کو خیر سے جدا کر سکتا ہے اور باطل کو الگ کرکے حق کو پہچانتا ہے۔ تعلیم انسان کو ذہنی آنکھ عطا کرتی ہے جس کے ذریعے وہ غلط اور درست میں تمیز کر سکتا ہے۔ بناء براین قبائلی علاقہ جات میں معیاری تعلیمی درسگاہوں کا قیام اشد ضروری ہے۔ بصورتِ دیگر وہاں امن کا قیام یا ترقی کا سفر کسی دیوانے کا خواب ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قبائلی علاقہ جات میں ذریعہ مواصلات کو ترقی دینا، سڑکوں کا جال بچھانا بھی نہایت ضروری ہے تاکہ وہاں کے لوگوں کو بند بستی علاقوں میں آنا جانا آسان ہو، اس طرح نہ صرف یہ کہ ان کو سامان کی ترسیل میں آسانی ہو گی بلکہ ملک کے دیگر باشندوں کے ساتھ روابط قائم کرنے اور ترقی کے سفر میں آگے

نکلنے کی ترغیب بھی حاصل ہو گی۔

مناسب ہو گا کہ ایک ایسی کونسل تشکیل دی جائے جس میں تمام قبائلی علاقہ جات کے نمائندے شامل ہوں اور حکومت ان کے مشورے سے فاٹا میں اصلاحات کا عمل شروع کرے، قانون و انصاف کی فراہمی ہو یا تعلیمی درسگاہوں کا قیام، آمد و رفت کا انفراسٹرکچر ہو یا بے گھر قبائلیوں کی بحالی، حکومت فاٹا کونسل کے کندھے سے کندھا ملا کر نیک نیتی کے ساتھ ترقی کے زینے پر قدم بڑھائے۔اس طرح امید کی جا سکتی ہے کہ غیور مگر مجبور قبائلی عوام بھی مجبوری کے دلدل سے نکل کر پاکستان کے مفید اور معزز شہری بن سکیں گے۔۔

نئی گریٹ گیم، ایک نئی امید

جب تک یہ نہیں ہوتا، جب تک وہ نہیں ہوتا، یہ ملک ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ کرپشن ہے، بد امنی ہے، فلاں خرابی ہے، یہ ہونا چاہیے ، وہ ہونا چاہیے۔ یہ ہیں وہ باتیں جو میں اکثر سیمیناروں، کانفرنسوں اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے حضرات کے میٹینگ میں سنتا رہتا ہوں، ہر کوئی دوسروں کو ٹھیک دیکھنا چاہتا ہے، بعض حضرات تو وطنِ عزیز سے متعلق ایسی ایسی باتیں کر جاتے ہیں جیسے خدا نخواستہ یہ ملک ٹوٹنے والا ہے۔ حالانکہ ایسا بالکل نہیں ہے۔ بے شک ہمارا ماضی ایسا نہیں، جس پر ہم فخر کر سکیں، ہماری قومی لیڈرشِپ ایسی نہیں ، جس پر عوام کا مکمل اعتماد ہو، ہم نے بحیثیتِ قوم بہت کچھ کھویا ہے ، پایا نہیں۔ مگر اس کے باوجود مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس ملکِ خداداد پر ہماری بے شمار غلطیوں کے باوجود نہایت مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات نے نہ صرف اس ملک کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے بلکہ ہمیں بار بار ایسے مواقع عطا کر رہا ہے جس سے فائدہ اٹھا کر ہم اپنے ملک کو اوجِ ثریا تک پہنچا سکتے ہیں۔

ایسا ہی ایک موقعہ اب ہمارے سامنے ہے، دنیا میں جو گریٹ گیم چل رہی تھی، جس

میں بڑا کھلاڑی امریکہ تھا۔ وہ گیم اب آخری سسکیاں لے رہی ہے اور ختم ہونے کو ہے اس کی جگہ ایک نئی گریٹ گیم معرضِ وجود میں میں آچکی ہے۔اگر ہماری قومی قیادت دور اندیشی، اخلاص اور ذہانت کا ثبوت دے تو یقینا یہ نئی گریٹ گیم پاکستانی قوم کے لئے بہت بڑی خوشخبری ثابت ہو سکتی ہے۔

یاد رہے انیسویں صدی میں ایک انگریز مصنف 'کپلنگ' نے 'دی گریٹ گیم' کی اصطلاح کو اپنی ایک کتاب میں متعارف کرایا تھا۔ بعد ازاں یہ اصطلاح دنیا بھر میں مشہور ہوئی۔ دی گریٹ گیم سے مراد مشرقی ایشیائی ریاستوں پر قبضہ جمانے کے لئے ایسے حیلوں اور حربوں کا وہ کھیل تھا جو سلطنت برطانیہ اور روس کے درمیان سیاسی اور سٹریٹجک رقابت کے بعد شروع ہوا تھا اس وقت برطانیہ کو یہ خطرہ تھا کہ روس کہیں زیرِ تسلط ہندوستان پر حملہ کر کے قبضہ نہ کر لے۔آج متعدد دہائیوں کے بعد ایک مرتبہ پھر عالمی طاقتوں کی نظریں اسی خطےُ ر مرکوز ہیں اور اس خطے میں سیاسی اثر و رسوخ اور معاہدوں کا کھیل جاری ہے۔یہ کھیل جغرافیائی وسعت کے بجائے قدرتی وسائل پر قبضے کا کھیل ہے۔ عالمی طاقتوں کی نظر ایشیائی ریاستوں میں پائے جانے والے پٹرولیم اور اور قدرتی گیس کے ذخائر پر لگی ہوئی ہے، جن کو ابھی تک استعمال میں نہیں لایا گیا۔پہلے پہل یہ گیم روس اور فرنگیوں کے درمیان کھیلا جا رہا تھا مگر برصغیر کی تقسیم کے بعد اس گیم کے کھلاڑی بدل گئے

اور برطانیہ کی جگہ امریکہ نے لے لی۔افغانستان میں ایک طویل عرصہ قیام کے باوجود
۔ ناکامی اس کا منہ چڑا رہی ہے

اب ایک ' نئی گریٹ گیم ' کی ابتداء ہو چکی ہے، چین اس کا بڑا کھلاڑی ہے مگر اس کھیل میں پاکستان ایک بہت بڑا beneficiary ہو سکتا ہے بشرطیکہ پاکستان کی قومی قیادت عقل کے ناخن لے۔ چین ہمارا دیرینہ اور قابلِ اعتماد دوست ہے۔

واضح رہے کہ اس کھیل میں چونکہ بھارت، ایران، افغانستان بھی سرگرم کھلاڑی ہیں اس لئے زیادہ احتیاط اور اور دور اندیشی کی ضرورت ہے۔ وسطی ایشیا میں چونکہ تجارت کے بے پناہ مواقع موجود ہیں، یہاں کے معدنی وسائل سے اب سارے کھلاڑی حصہ بہ قدرِ جثہ لینے کے متمنی ہیں۔افغانستان میں تانبے اور لیتھیم کے ذخائر ہیں، روس سے آزاد ہونے والے ریاستوں میں تیل اور گیس کے ذخائر ہیں اور بلوچستان میں معدنیات کے ذخائر پر لگی گریٹ گیم کے فریقین کی نظریں اب کوئی پوشیدہ امر نہیں۔ ان ذخائر کو نکالنے، ان سے مصنوعات تیار کرنے، مصنوعات کو فروخت کرنے اور مال کمانے تک کے عمل کو ہم نئی گریٹ گیم کا نام ہی دیں گے،اس گریٹ گیم میں بھارت کی مکارانہ کردار کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ بھارت کی کوشش ہو گی کہ کسی طرح پاکستان کو اس گیم سے مستفید ہونے کا موقعہ نہ ملے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک اطلاع کے مطابق بھارت نے

اس نئی گریٹ گیم کے لئے باقاعدہ ایک شعبہ قائم کیا ہے۔
اس گریٹ گیم میں شامل دیگر کھلاڑیوں نے اپنی تیاریاں مکمل کر لی ہیں مگر خطے کے بعض ممالک ایسے بھی ہیں جن کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ انہوں نے کرنا کیا ہے اور کچھ کرنا بھی ہے تو کیسے کرنا ہے۔ گومگو کی اس کیفیت میں مبتلا ممالک میں شاید سر فہرست پاکستان ہے جس کی خارجہ پالیسی بے یقینی کا شکار ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہماری قومی قیادت نہایت دور اندیشی، تدبر اور عقل و فہم سے کام لے کیونکہ یہ گریٹ گیم قوموں کے درمیان تدبر، تحمل، دور اندیشی اور منافقت سے بھرپور ایک ایسا کھیل ہے جس کی وجہ سے بعض ممالک کے جغرافیائی حدود بدلنے، ملک سکڑنے یا پھیلنے کا امکان بھی ہے۔ خوش قسمتی سے پاکستان کی جغرافیائی پوزیشن اس نئی گریٹ گیم میں بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے، جبکہ چین اس گریٹ گیم کا سب سے بڑا کھلاڑی ہے کاشغر، گوادر روٹ اس گریٹ گیم کی ابتداء ہے، اگر ہماری قومی قیادت نے ذہانت اور، تدبر کا ثبوت دیا تو اس سے پاکستان کی تقدیر بدل سکتی ہے۔

بلدیاتی انتخابات اور "نہ منم" کی پالیسی

ایک بادشاہ کے اکلوتے بیٹے کی عمر جب مدرسے میں داخل ہونے کو پہنچی تو یہ سوچ کر بادشاہ بڑا فکر مند ہوا کہ اس کا چہیتا بیٹا روز روز پڑھائی کی جھنجھٹ سے کس طرح نمٹے گا؟ سو اس نے پورے ملک میں منادی کرا دی کہ ایک ایسے معلم کی ضرورت ہے جو شہزادے کو صرف ایک دن میں ایسا عالم بنا دے کہ اسے مزید پڑھنے کی ضرورت نہ پڑے، ایسے معلم کو بیش بہا انعام و اکرام سے نوازنے کا بھی اعلان کر دیا گیا۔ یہ اعلان سن کر اگرچہ بہت سارے اساتذہ کرام کے منہ میں پانی بھر آیا مگر ایک دن میں کسی کو عالم بنانا کسی کی بس کی بات نہ تھی ۔آخر ایک حضرت نے بادشاہ کی دربار میں حاضری دی اور بادشاہ سے کہا کہ وہ ان کے فرزندِ ارجمند کو ایک دن میں نہیں، صرف ایک گھنٹہ میں عالم بنانے کا ہنر جانتے ہیں ۔ یہ سن کر بادشاہ بڑا خوش ہوا ۔ اور اپنے لاڈلے شہزادے کو اس عالمِ کمال کے شاگردی میں ایک کمرے میں بٹھا دیا۔اس معلمِ باہنر نے شہزادے سے کہا " بیٹا ! غور سے سن،، آپ سے کوئی بھی شخص کوئی بھی سوال کرے تو یہ جواب دینا کہ " نہ منم " یعنی یہ میں نہیں مانتا، بس اسے یاد رکھنا، تمہیں مزید کسی پڑھائی کی ضرورت نہیں۔انشاللہ ہر امتحان میں کامیاب رہوگے۔" معلم اور متعلّم دونوں باہر نکلے اور بادشاہ سلامت کو خوشخبری سنا دی کہ تعلیم مکمل ہو گئی

اور اب کوئی بھی شہزادے کا امتحان لے سکتا ہے۔ بادشاہ خوش ہوا مگر حیران بھی ہوا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک گھنٹہ سے بھی کم وقت میں شہزادے کو عالم بنا دیا گیا۔ بنا بر ایں تین اساتذہ کرام کو بلایا گیا کہ وہ شہزادے کا امتحان لیں تا کہ پتہ چل سکے کہ کیا واقعی شہزادے کی تعلیم مکمل ہو گئی ہے؟ ممتحن باری باری شہزادے سے سوال کرتے تو شہزادہ جواب میں کہتا'' دانہ منم ''یعنی یہ میں نہیں مانتا'' آخر ممتحن زچ آ گئے اور شہزادے کا امتحان میں کامیابی کا اعلان کر دیا گیا۔ یہی صورتِ حال اب صوبہ خیبر پختونخوا میں بھی درپیش ہےُ 30 مئی کو ہونے والے بلدیاتی انتخابات میں جس کا جتنا بس چلا، چلا لیا بد انتظامی یقیناً تھی مگر اس بد انتظامی کا فائدہ صرف پی ٹی آئی نے ہی نہیں، بلکہ تمام پارٹیوں نے اٹھایا، جس پولنگ سٹیشن پر جس پارٹی کے غنڈے، بد معاش زیادہ زور آور تھے وہاں اسی پارٹی نے زیادہ دھاندلی کی۔ راقم الحروف نے انتخابات والے دن متعدد پولنگ ستیشن کا جائزہ لیا تو یہ بات سامنے آئی کہ زیادہ تر پولنگ سٹیشن پر'' جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' والا معاملہ چل رہا ہے۔ یعنی جس پارٹی کے حامی زیادہ طاقت ور ہیں، وہ زیادہ گڑبڑ کر رہے تھے۔ پولیس کی نفری اتنی کم تھی کہ کہیں دو، کہیں چار پولیس کے سپاہی بے بسی و لاچارگی کی تصویر بنے کھڑے تھے۔ انتخابات گزر گئے تو ہر کسی نے واویلا مچانا شروع کر دیا کہ، دھاندلی ہو گئی، دھاندلی ہو گئی، چونکہ صوبہ میں حکومت پی ٹی آئی کی ہے اس لئے زیادہ دھاندلی کا

الزام بھی پی ٹی آئی پر ہی لگا۔ سہ فرقی اتحاد (اے این پی، جمیعت العلماء اسلام اور پیپلز پارٹی) نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھانے کا منصوبہ بنایا اور صوبہ خیبر پختونخوا کی حکومت کے خلاف شٹر ڈاون ہڑتال اور احتجاج کا اعلان کرتے ہوئے شہزادے والا تکنیک استعمال کیا۔ پرویز خٹک نے کہا، آؤ، مذاکرات کریں، سہ فریقی اتحاد نے جواب دیا ’’ نہ منم ‘‘ صوبائی حکومت نے جوڈیشنل کمیشن بنانے کا کہا، سہ فریقی اتحاد نے کہا ’’ نہ منم عمران خان نے کہا فوج کے نگرانی میں دوبارہ انتخابات کراتے ہیں ، سہ فریقی اتحاد ‘‘ نے جواب دیا ’’ نہ منم ‘‘ شاید یہی وجہ ہے کہ ۱۰ جون کو سہ فریقی اتحاد کی طرف سے احتجاج کی کال بری طرح ناکام ہوئی اور زبردستی دکانیں بند کرانے پر تاجر برادری سراپا احتجاج بن گئی۔

ہماری گزارش اتنی ہے کہ بے شک انتخابات والے دن صوبائی حکومت کی طرف سے پولنگ اسٹیشنوں پر انتخابات کے لئے تسلی بخش انتظامات موجود نہیں تھے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ صوبائی حکومت نے کوئی دھاندلی کا منصوبہ بنایا تھا، اس لئے اس کا حل مذاکرات ہیں، جس کے ذریعے کوئی متفقہ حل نکالا جا سکتا ہے۔ صوبے میں افرا تفری پھیلانا، کاروبار بند کرانا وغیرہ اس مسئلے کا حل نہیں اور نہ ہی صوبہ خیبر پختونخوا اس قسم کے اختلافات ، انتشار اور سعی لاحاصل کا متحمل ہو سکتا ہے۔ لہذا مناسب ہوگا کہ سہ

فریقِ اتحاد نہ منم کی پالیسی ترک کرتے ہوئے مذاکرات کی پالیسی اپنالے اور صوبے کی ترقی و خوشحالی میں اپنا کردار ادا کرے۔۔۔۔

یتیم بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد

یہ دیکھ کر مجھے سخت دکھ ہوتا ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں غریب ، غریب ہی کا گلا کاٹتا نظر آتا ہے۔دور مت جایئے، گزشتہ کئی برسوں سے جاری دہشت گردی کی جنگ پر ہی نظر دوڑایئے، تو آپ کو مرنے اور مارنے والے دونوں عموما غریب طبقے کے لوگ ہی نظر آئینگے۔اس المیہ کا ایک دلخراش پہلو یہ ہے کہ بے شمار بچے یتیم ہو جاتے ہیں ، جن کی کفالت ، پرورش اور تربیت کی طرف اگر توجہ نہ دی جائے تو یہی بچے غلط ہاتھوں میں جا کر مستقبل کے ڈاکو، خود کش اور چور بن جاتے ہیں۔ گزشتہ ایک عشرے سے خیبر پختونخوااور فاٹاکے عوام شدید بدامنی اور عدم استحکام سے دوچار ہیں ۔جس کے نتیجہ میں بڑے پیمانے پر قیمتی انسانی جانیں ضائع ہوئیں اور ایک بڑی تعداد یتیم بچوں کی سامنے آئی ہے۔ ایک بین الاقوامی سروے کے مطابق اس وقت پاکستان میں یتیم بچوں کی تعداد 42 لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے جن میں سے ایک بڑی تعداد خیبر پختونخوااور ملحقہ قبائلی علاقہ جات سے ہے۔ مقامِ شکر ہے کہ وطنِ عزیز میں ایسے اشخاص اور ادارے موجود ہیں ، جنھوں نے حتی المقدور یتیم بچوں کی کفالت اور تعلیم وتربیت کی ذمہ داری سنبھالی ہوئی ہے۔

معاشرے میں جاری کارِ خیر ہو یا کارِ بد، سماجی برائی ہو یا بھلائی، ایک قلمکار ہونے کی حیثیت سے اسے عوام کے سامنے لانا ہمارا فرضِ اولیں ہے۔ یہی وجہ کہ جب گزشتہ روز مجھے پشاور میں قائم، الخدمت فاونڈیشن کے زیرِ نگرانی ،آغوش نامی، ایک ایسے یتیم خانہ کے دیکھنے کا موقعہ ملا، جو میرے تصور سے بالکل مختلف تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ یتیم خانہ کی عمارت، کمرے، خوراک اور دیگر سہولتیں بھی یتیم ہی ہوں گی یعنی کمزور، کم تر، مگر ایسا بالکل نہیں تھا۔ صاف ستھرے کمرے، صاف ستھرے واش رومز، کیچن اور ڈائینگ رومز نا قابلِ یقین حد تک عین حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق الغرض رہائش و تربیت کا اتنا عمدہ نظام کہ بے اختیار اس یتیم خانہ کے انتظامیہ کو داد دینی پڑتی ہے۔ جو معاشرے کے ایسے محروم، محتاج، بے کس و بے بس یتیموں کو سہارا دینے اور ان کی مکمل کفالت کا اہتمام کیا ہے۔ یہی ہماری دین کی اصل روح ہے۔

ہمارا مذہب یتیموں اور بے سہارا طبقے کو سہارا دینے، ان کی مکمل کفالت کرنے، ان سے پیار کرنے اور انہیں کھانا کھلانے اور انہیں سہولتیں فراہم کرنے کی نہ صرف ترغیب دیتا ہے بلکہ یتیم بچوں کی کفالے کا حکم دیتا ہے اور کہا ہے کہ دینِ اسلام کو جھٹلانے والے وہ لوگ ہیں جو یتیموں کو دھکے دیتے ہیں، ان سے پیار نہیں کرتے اور انہیں آسودگی دینے کے کے لئے اپنا مال خرچ نہیں کرتے۔ قرآن جید میں اغنیاء کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے مال کا ایک

حصہ غریب حاجت مندوں ، یتیموں پر صرف کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہی متقی لوگ بہشت کے باغوں میں اور چشموں کے کناروں پر عیش سے رہیں گے جن کے مال کا ایک حصہ دنیا میں غریبوں اور ضرورت مندوں پر خرچ ہوتا تھا۔ یوں تو ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ ہزار خرابیوں کے باوجود پاکستانی قوم کارِ خیر میں دل کھول کر مدد کرتے ہیں ، انہی کے دم خم سے مذکورہ بالا جیسے ادارے چل رہے ہیں مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے بے حساب دولت دی ہے ، وہ اتنا کچھ نہیں کرتے جتنا کرنا چاہیے۔ میری گزارش اتنی ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مٹھی بھر بھر کر بے حساب دولت سے نوازا ہے، انہیں بھی مٹھی بھر بھر کر، قطعِ نظر کسی حساب کتاب کے ایسے اداروں کی مدد کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان کو دس گنا زیادہ عطافرما ئے گا۔ ان مخیر حضرات کی مدد کے علاوہ حکومتِ وقت پر یہ لازم ہے کہ وہ یتیموں کی رہائش، خوراک، تعلیم اور صحت کے انتظام و انصرام کا بند بست کرے اور ان یتیم بچوں کی پرورش کا اس انداز میں بندوبست کرے کہ وہ بڑے ہو کر ملک کے مفید اور ذمہ دار شہری بن سکیں حکومت کو اس بات کا احساس ہونا چاہئے کہ دہشت گردی کے اس جنگ میں جو بچے اپنے والدین کے دستِ شفقت سے محروم ہو چکے ہیں ، اگر آج ان کی مدد نہ کی گئی اور انہیں معاشرے میں موجود خونیں اور ظالم عناصر کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا تو دہشت گردی کے دلدل سے نکلنا ممکن نہیں رہے گا اور پاک سرزمین بے گناہ اور معصوم جانوں کی خون سے یوں ہی سرخ ہوتا

رہے گا۔

آخر اس مرض کی دوا کیا ہے؟

آج سویرے سویرے ایک دوست نے اپنے موبائل فون سے ہمیں صبح کا سلام بھیجتے ہوئے پشتو زبان میں ایک شعر بھی لکھ بھیجا۔ شعر کچھ یوں ہے " چہ بے حسہ شم روکیگم.. چہ احساس لرم سوزیگم "یعنی اگر بے حس ہو جاؤں تو بے جان ہو جاتا ہوں ، اگر صاحبِ احساس ہو جاؤں تو جل رہا ہوتا ہوں" میں ابھی اس شعر کی گہرائی ناپ رہا تھا کہ اخبار آگیا ، پاکستانی اخبارات بظاہر تو کاغذ اور سیاہ لفظوں کا مجموعہ ہوتے ہیں لیکن صاحبِ احساس شخص کے لئے یہ اخبارات اپنے اندر بے بسی، بے چارگی، شرم و بھرم، مجبوری اور غربت کی وہ دردناک تصویر لئے ہوئی ہوتی ہے جس کا احساس کرکے انسان اندر ہی اندر جل جاتا ہے۔ صرف آج کے اخبارات (24 جون) کے صفحہ اول پر نظر دوڑایئے۔

کراچی میں گرمی سے ہلاکتوں کی تعداد 748 ہو گئی، اموات لوڈشیڈنگ، گرمی اور ہیٹ سٹروک کے باعث ہوئیں،،، بجلی چوری میں واپڈا شریک جرم ہے (وزیرِ اعلیٰ) لوڈ شیڈنگ کے خلاف ملک گیر مظاہرے،ترک وزیر اعظم کی اہلیہ کا ہار چوری، پاکستان کے سابق وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی اور اس کی بیوی کے خلاف

رپورٹ درج۔۔۔، وغیرہ وغیرہ

ایسی خبریں ہمیں روزانہ پڑھنے کو ملتی ہیں جو ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے، کیا یہ درست ہے؟ کیا ہونا چاہیئے تھا؟ کیا ہو رہا ہے؟ کیا ہمیں آنکھیں بند کر کے اور گونگے بہرے بن کر چپ سادھ لینی چاہیے؟ اگر آپ صاحبِ احساس ہیں، آپ کا دل زندہ، دماغ پر سوز اور ضمیر ہوش مند ہے تو آپ کہیں گے۔ ایسا تو نہیں ہونا چاہیے، کسی کو تو آگے آنا چاہیے، کچھ تو کرنا چاہیے، کوئی شمع تو روشن ہونی چاہیے کہ تاریکی اتنی منہ زور نہ ہو، کہ کچھ دکھائی ہی نہ دے۔ کوئی تو آواز آنی چاہیے کہ خاموشی کا ستم ٹوٹے، کسی کو تو بارش کا پہلا قطرہ بننا چاہیے تاکہ ایسی موسلا دھار بارش اور طوفان آئے جو منافقت، فریب کاری، ظلم و بربریت، جبر و استبداد، اور حرص و لالچ کے اس مضبوط اور خطرناک درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔ کسی کو تو مردِ قلندر بننا چاہیے۔ اگر کسی کا یہ خیال ہے کہ موجودہ سیاستدان جن کی اکثریت ایلیٹ کلاس سے ہے، وہ ملک کے حالات کو ٹھیک کر لیں گے۔ اس نام نہاد جمہوری نظام میں رہ کر کوئی تبدیلی آ سکے گی تو یہ ناممکن ہے۔ بھلا سوچئے! اور فیصلہ کیجئے۔ ہمارے سیاستدان پچھلے 68 برس سے غریبوں کے مسائل حل کرنے کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں، ان کے پاس زندگی کی تمام سہولتوں کی فراوانی ہے، انہوں نے کبھی غربت نہیں دیکھی، کیا وہ کسی غریب کی

غربت اور اذیت ناک زندگی سے آشنا ہیں ؟اگر جواب نفی میں ہے تو پھر ان سے کسی بہتری کی امید رکھنا حماقت ہی تو ہے۔

لیکن بقولِ غالب ' آخراس مرض کی دوا کیا ہے ؟ان نام نہاد سیاست دانوں، جنھوں نے سیاست کو تجارت بنا رکھا ہے، ان سے پاکستانی قوم کی جان کیسے چھوٹے گی ؟ یہ سوچ سوچ کر میں کچھ کنفیوز ضرور ہو جاتا ہوں کیونکہ ان جاگیرداروں، وڈیروں اور سرمایہ داروں نے اپنے خونیں پنجے پاکستانی عوام کے جسموں میں اس طرح گاڑ رکھے ہیں کہ ان سے جان خلاصی کوئی آسان کام نہیں ، لیکن بحیثیتِ ایک مسلمان میں یہ جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا ایک نام قہار بھی ہے۔، جبار بھی ہے،پاکستانی ماؤں کی گودیں نہ بانجھ ہوئی ہیں ، نہ اللہ تعالیٰ نے کسی قوم میں عظیم شخصیات کو پیدا کرنے ہاتھ روک لیا ہے، ممکنہ طور پر ایسا شخص پاک فوج کا کوئی جرنیل ہو سکتا ہے یا کوئی مذہبی سکالر ہو سکتا ہے۔ اگر ہمارے لیڈروں نے نوشتہ دیوار نہ پڑھا اور وہ قوم کے تقدیر سے اسی طرح کھیلتے رہے تو پھر انشااللہ غریبوں کی آہیں خود بخود رنگ لایئں گی اور ذاتِ باری تعالیٰ اسی قوم میں سے ایک ایسا مردِ قلندر پیدا کر دے گا جس کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں ہو گا، اسے بنگلوں، گاڑیوں، جاگیروں، ملوں اور دولت کی لالچ نہ ہو گی۔ میری پاکستانی عوام سے اپیل ہے کہ کہ وہ اللہ جل وجلالہ کے حضور سر جھکا کر اس قوم میں مردِ قلندر پیدا کرنے کی دعا

کریں۔ رمضان کے اس بابرکت مہینہ میں ان کی دعائیں قبول ہو سکتی ہین اور وطنِ
عزیز پر چھائی ہوئی یہ ظالم اور مدہوش رات ختم ہو جائے گی ، ایک ایسی صبح کا سورج
طلوع ہو گا، جس میں غریب عوام کی بے بسی، پریشانی، لاچارگی اور بدحالی انشاللہ
رخصت ہو جائے گی ، ہمیں اللہ کی رحمتوں سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ مگر یہ
بات بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے والوں کو کچھ نہیں
دیتا بلکہ کوشش کرنے والوں کی جھولی بھرتا ہے لہٰذا جب بھی موقعہ ملے اس سفاکانہ ،
وڈیرانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف کھڑے ہو کر جدوجہد کرنی چا
ہیے--------

یومِ آزادی۔ عہد سے بد عہدی

کتنا پیارا لفظ ہے "آزادی" زبان پر آئے تو دل و دماغ اس کے اثر سے معطر ہو جاتے ہیں. یہی وجہ ہے کہ تمام دنیا میں جن قوموں نے غلامی کا طوق گردن سے اتار کر آزادی حاصل کی ہے وہ بڑے شان و شوکت، جوش و جذبے اور طمطراق کے ساتھ اپنا یومِ آزادی مناتے ہیں ۔پاکستان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ کو دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا،
کروڑوں مسلمانوں کو انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل ہوئی ۔پاکستان کا معرضِ وجود میں آنا دنیا کی تاریخ میں ایک یادگار اور غیر معمولی واقعہ تھا۔ دراصل یہ ایک ایسا کارنامہ تھا جو بظاہر ہر لحاظ سے ناممکن دکھائی دیتا تھا لیکن ایک قوم کے عزمِ راسخ اور یقینِ محکم نے ایک پر خلوص قیادت کے زیرِ اثر ایک خواب کو حقیقت میں بدل کر رکھ دیا۔ یہی وہ دن تھا جس نے پاکستانی تشخص کو اجاگر کرکے اقوامِ عالم نے پاکستان کی آزاد حیثیت کو تسلیم کیا۔
14 اگست 1947 کو برِ صغیر کے مسلمانوں نے ایک نئے سفر کا آغاز کیا۔ پورے ہندوستان کے صوبوں کی مختلف تہذیب، تمدن، ثقافت، اپنی اپنی انفرادیت قائم رکھتے ہوئے ایک اسلام کی تہذیب، تمدن، ثقافت میں تبدیل ہو گئی. مختلف قو

بیتوں نے ایک ملتِ رسول ہاشمی کا روپ دھار لیا ایک زبان اردو اختیار کر لی؛ پاکستانی عوام کے دلوں میں پاکستان مثلِ مدینہ سما گیا۔ دلوں کے اندر ایک جذبہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک ایسا خطہ عطا کر دیا تھا جو اللہ تعالیٰ کے پیدہ کردہ ہر نعمت سے معمور تھا۔ یہ سفر جاری رہا، اس دوران کچھ قابل فخر کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں، پاکستان ایٹمی ملک بنا۔ اپنی کم عمری کے باوجود آٹھ جنگیں لڑنی پڑیں جس میں اللہ کے فضلِ و کرم سے سرخرو ہوا۔

تقسیم کے وقت 1938 کشمیر کی جنگ، 1965 میں ہندوستان کی مسلط کردہ جنگ، میں میں ہندوستان کی مسلط کردہ جنگ، 1999 میں کارگل جنگ، دنیا کی سپر1971 پاور روس کی افغانستان میں جنگ۔ دنیا کی سب سے بڑی 50 لاکھ مہاجرین کو اپنے ملک میں پناہ دی۔ موجودہ دہشت گردی کی جنگ،، اس کے باوجود پاکستانیوں کا پاکستان نہ صرف زندہ بلکہ ایٹمی طاقت ہے۔ نوجوان نسل کو میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ نوزائیدہ پاکستان میں ہمارے گاؤں میں جو اور جوار کی روٹی پکتی تھی، گندم کی روٹی کو نعمتِ عظمیٰ تصور کیا جاتا تھا، بجلی سرے سے موجود ہی نہیں تھی، پورے گاؤں میں کسی کے پاس سائیکل تک نہ تھی، خواتین سروں پر گھڑے رکھ کر دو کلومیٹر دور سے پانی لایا کرتے تھے۔ مگر آج اللہ کے فضل و کرم سے ماضی کے مقابلہ میں زندگی کا معیار بہت بہتر ہے۔

مگر اس کا ایک پہلو بڑا ہی افسوسناک اور باعثِ تشویش ہے اور وہ یہ کہ 68 سال گزرنے کے باوجود ہم اس مقام تک نہ پہنچ سکے، جہاں ہمیں پہنچنا چاہیئے تھا۔اس دوران ہم سے بہت ساری غلطیاں بھی سرزد ہوئیں۔ جس میں مشرقی پاکستان کا کھو جانا ناقابلِ فراموش واقعہ اور ناقابلِ تلافی نقصان شامل ہے۔ علاوہ ازیں بحیثیت ایک قلم کار اس وقت میں جو کچھ محسوس کر رہا ہوں اگر اسے سپردِ قلم کروں تو کالم ہذا کی طوالت طولِ شبِ ہجراں سے بھی بڑھ جائے گی۔ اسی لئے اپنے مافی ضمیر کو واضح کرنے کے لئے مفکرِ پاکستان علامہ اقبال کا یہ شعر پیش کروں گا جس میں شاعرِ مشرق نے فرمایا تھا۔
''

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب....اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی'' سچی بات تو یہ ہے کہ ہم اپنے مقاصد کو بھول کر باہم سر پھٹول میں مشغول ہیں۔ اس کا گریبان اس کے ہاتھ میں ، اور اس کا دامن اس کے چنگل میں ، پارٹی بازی، لسانی منافرت، فرقہ ورانہ لڑائیاں، دہشت گردی، سیاست دانوں کی خرمستیاں۔ اوپر سے نیچے تک کرپشن۔ عدالتوں کی بے وقعتی، انصاف کا خون، ، تعمیر کی جگہ تخریبی ذہن کی پرورش، مثبت کی جگہ منفی سوچ کا فروغ، امن و امان اور تحفظ کی بجائے خوف و دہشت اور خون ریزی و سفاکی کے جراثیم کی پرورش، الغرض کسی قوم کی تباہی کا کون سا سامان ہے جو ہم نے نہیں کیا ہو ؟ ہم نے کرپشن میں ساری قوموں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ ہمارے ہاں دھاندلی نے

تمام ریکارڈ توڑ دیئے۔ ہمارے حکام اور وزراء کی عیش سامانیاں دیکھ کر امریکا اور چین جیسے متمول ملک کے حکمران انگشت بدانداں رہ جاتے ہیں۔ہم ہر سال 14 اگست کو یہ عہد کرتے ہیں کہ وطنِ عزیز کو ترقی و خوشحالی سے ہمکنار کریں گے، یہ کریں گے ،وہ کریں گے مگر اگلے دن ہم سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ جتنی عہد سے بد عہدی ہمارے حکمران کرتے چلے آرہے ہیں، شاید ایسی مثال دنیا میں کہیں اور موجود ہو۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں ہر گز مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ پاکستان عطیہ خداوندی ہے اور ذاتِ اقدس اس کی حفاظت بھی کرے گا۔پاکستانی قوم کو چاہیئے کہ یومِ آزادی کا جشن مناتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دل کے گہرائیوں سے یہ دعا مانگیں کہ جس طرح اس نے اپنے رحم و کرم سے ہمیں دنیا کے ایک بہترین ملک سے نوازا ہے

اسی طرح ہمیں بہترین قیادت بھی عطا کر دے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جنرل (ر) حمید گل۔ایک عظیم شخصیت

جنرل (ر) حمید گل ایک ایسی عظیم شخصیت اور مردِ قلندر تھے ،جسے فراموش کرنا ممکن ہی نہیں ، جس کی حب الوطنی شک و شبہ سے بالاتر اور ہم سب کے لئے باعثِ تقلید ہے، جس کا مذہب سے لگاوء اور امتِ مسلمہ کے لئے دردِ دل اظہر من الشمش ہے،اس عظیم شخص سے میری ملاقات کچھ ہی عرصہ پہلے کی اس وقت ہوئی جب مجھے تحریکِ نوجوانانِ پاکستان کے صوبائی صدر خیبر پختونخوا کی طرف سے دعوت ملی کہ جنرل (ر) حمید گل صاحب پشاور پریس کلب تشریف لا رہے ہیں، ان کے صاحب زادے عبداللہ گل ،جو تحریکِ نوجوانان پاکستان کے چیئرمین بھی ہیں ،ان کے ہمراہ ہو ں گے۔ان دونوں سے آپ کی ملاقات ان کے لئے باعثِ مسرت ہو گی۔ میرے لئے یہ دعوتِ کلام کسی نوید سے کم نہ تھی کیونکہ جنرل (ر) حمید گل صاحب کو میں نے ٹیلی ویژن چینلز پر بارہا سنا تھا اور میں ان کے گفتگو سے اتنا متاثر ہو چکا تھا کہ انسے ملاقات اور تبادلہ خیال کرنا اپنے لئےایک بڑی سعادت سمجھتا تھا بوجہ اسے اپنی خوش بختی سمجھ کر وقتِ مقررہ پر پشاور پریس کلب پہنچا، تھوڑی دیر میں وہ اپنے فرزندِ ارجمند کے ساتھ دیگر ساتھیوں کے ہمراہ جلوہ افروز ہوئے۔پریس کلب صحافیوں سے بھرا ہوا تھا۔ جنرل صاحب کے مختصر گفتگو کے بعد سوال جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ صحافیوں نے بڑے تیز و تند سوالات پوچھے مگر چی

بات یہ ہے کہ جنرل صاحب کے قادرالکلامی نے تمام صحافیوں کو پسپائی پر مجبور کر دیا۔پریس کانفرنس ختم ہوئی تو ہمیں جنرل صاحب سے ملکی حالات پر گفتگو کرنے کا مو قعہ ملا۔افغانستان ، عالمی حالات اور پھر ملکی حالات پر ان کی گفتگو سن کر مجھے یوں محسوس ہوا، جیسے میں ان کے سامنے بالکل ان پڑھ ، لاعلم اور چھوٹا سا شخص ہوں۔ہر موضوع پر وہ اتنی وسیع معلومات رکھتے تھے کہ سن کر حیرانگی ہوتی تھی۔ عالمی تاریخ خصوصا مسلمانوں کے تاریخ کے تو وہ انسائیکلو پیڈیا تھے۔ان کی گفتگو سے ان کی حب الو طنی اچھل اچھل کر، جھلملا جھلملا کر آفتاب و مہتاب کی طرح منور و مترشح تھی۔وہ وطنِ عزیز کے لئے بہت فکر مند تھے اور موجودہ جمہوریت کو ایک ناکام سسٹم سمجھتے تھے۔۔۔۔

جنرل (ر) حمید گل مرحوم ایک نڈر، دلیر، راستباز اور خداداد فہم وفراست کے مالک تھے۔20نومبر 1936 کو شاہینوں کے شہر سرگودھا میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں ہی میں حاصل کی میٹرک بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔عمر اٹھارہ سال ہوئی توپاک آرمی میں کمیشن حاصل کی اور پی ایم اکول میں دو سال فوجی تربیت حاصل کرنے کے بعد لفٹینینٹ بنا دیئے گئے۔۔ 1965 کی پاک بھارت جنگ میں بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے ستارۂ جرات حاصل کیا۔1968 میں سٹاف کالج کوئٹہ سے کمانڈ اینڈ سٹاف کا کورس کیا۔1972 سے 1976تک ایک آرمڈ بٹالین کے کمانڈنگ آفیسر رہے۔ترقی کازینہ چڑھتے

چڑھتے 1980 میں جنرل بنے۔ 1987 سے 1989 دنیا کی سب سے بہترین خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی کے سربراہ بنے۔ یہ وہ دور تھا جب دنیا کے سپرپاور روس نے افغانستان پر قبضہ جما لیا تھا اور بظاہر یہ نظر آ رہا تھا کہ روس کو افغانستان سے نکالنا آسان ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے مگر جنرل حمید گل (مرحوم) کی پیشہ ورانہ مہارت اور ذہانتِ اعلیٰ نے اسے آسان بنا دیا اور روس جیسے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

جنرل صاحب کی خواہش تھی کہ کشمیری مجاہدین کو بھی افغان مجاہدین کی طرز پر منظم کر کے کشمیر کے مسلمانوں کو بھارت کی غلامی سے آزاد کرا دیا جائے مگر حالات نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ 1992 میں پاک آرمی سے سبکدوش ہوئے مگر ایک دفاعی تجزیہ کار کے طور پر ہمیشہ پاکستانی عوام کے نظروں میں سموئے رہے۔ ان کا فلسفہ سیاست سب سے جدا تھا، وہ پاکستان کے موجودہ سیاستدانوں سے مایوس ہو چکے تھے مگر انہیں پاکستانی قوم پر فخر اور ناز تھا۔ مذہب سے لگاو، وطن سے والہانہ محبت ان کا جزِ وایمان تھا۔ وہ ایک ایسے مجاہد تھے جسے کبھی بھلایا نہیں جا سکے گا۔ 15 اگست کی رات وہ ہم سب کو داغِ مفارقت دیتے ہوئے ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ جنرل حمید گل جیسے لوگ دنیا میں کم ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت کرے۔

بچھڑا کچھ اس انداز سے کہ رت ہی بدل گئی۔۔۔۔۔۔ایک شخص سارے شہر کو ویراں ... کر گیا۔۔۔۔۔۔

دنیا کی بہترین فوج اور اپنوں کی زہر افشانی

اگر میرے پاس فوج پاکستان کی اور اسلحہ روس کا ہوتا تو میں پوری دنیا کو فتح کر سکتا ہوں (روسی صدر)۔بلا شک و شبہ پاکستانی فوج دنیا کی سب سے بہترین فوج ہے (افغان جنرل شاہد کریمی)پاکستانی فوج کی پیشہ ورانہ مہارت، جرأت و بہادری کو سلام پیش کرتا ہوں (امریکی جنرل). میں تسلیم کرتا ہوں کہ پاکستانی فوج دنیا کی بہترین فوج ہے (بھارتی آرمی چیف بکرام سنگھ)... یہ وہ چند الفاظ ہیں جو دنیا کے قابلِ ذکر لوگوں نے پاک فوج سے متعلق کہے مگر پاک فوج کے بارے میں آصف علی زرداری نے کیا کہا، الطاف حسین نے کیا کہا، اپنے ہی وزیرِ دفاع خواجہ آصف نے کیا کہا، مشاہد اللہ نے کیا فرمایا، ایسے ہی دیگر پاکستانی سیاستدانوں نے اپنی فوج کے متعلق کیا زہر افشانی کی ، وہ یہاں سپردِ قلم کرتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔کیونکہ پاک فوج نے ماضی میں جو کارہائے نمایاں انجام دی ہیں یا فی الوقت جو قربانیاں دے رہی ہے اسے دیکھ کر دل و دماغ غیر ارادی طور پر پکار اٹھتا ہے کہ اگر پاکستان قائم و دائم ہے تو پاک آرمی کی بدولت ہے، اگر پاک فوج جیسی بہادر فوج اس وطنِ عزیز میں موجود نہ ہوتی تو اپنوں اور غیروں کے سازشوں سے یہ ملک دنیا کے نقشہ سے معدوم ہو چکا ہوتا۔آزمائش کی ہر گھڑی میں پاک فوج کے

افسروں اور جوانوں نے اپنے لہو سے ایسی عظیم داستانیں رقم کی ہیں جو ہمیشہ زندہ وتا بندہ رہیں گی۔آج سے ۵۰ سال پہلے جب بھارت نے ۶ ستمبر کو رات کے اندھیرے میں لاہور پر یلغار کی تو پاک فوج کے جیالوں نے انہیں ناکوں چنے چبوائے۔سیالکوٹ کے محاذ پر بھارت نے چھ سو ٹینکوں سے حملہ کیا تو پاک فوج کے جوانوں نے جان ہتھیلی پر رکھ کر ٹینکوں کے نیچے لیٹ کر ان کے پرخچے اڑادیئے۔اور بھارتی فوج پر ایسے کاری زخم لگائے کہ پھر وہ زخم کبھی بھر نہ سکے۔دنیا کے بلند ترین محاذ سیاچین میں انتہائی نا مساعد حالات میں کے باوجود پاک فوج کے افسروں اور جوانون نے اپنے خون سے عظمت و بہادری کی جو داستانیں لکھی ہیں، اس سے ساری دنیا واقف ہے۔اس وطن کے پرچم کو سربلند رکھنے کے لئے پاک فوج کے کے ہزاروں جوان اب تک جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں ۔جب بھی اس وطن پر ابتلاء کا دور آیا، پاک فوج نے گرتی ہوئی دھرتی کو سہارا دینے کے لئے اپنا لہو پیش کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

.برسوں کی تاریخ گواہ ہے کہ سیلاب اور زلزلوں کی آفات سے نمٹنے کے لئے بھی 68 پاک فوج نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ایک طرف دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پاکستان کی سرحدوں کی حفاظت کی ہے تو دوسری طرف اپنے ہی وطن میں .برپا ہونے والی شورشوں کا بھی مقابلہ کیا ہے۔اہلِ وطن جانتے ہیں کہ گزشتہ دس بارہ سال سے پاکستان میں دہشت گردوں نے اودھم مچا رکھا ہے۔خود کش حملوں کے

ذریعے بے گناہ اور معصوم شہری زندگی کی بازی ہار چکے ہیں۔ ایسے میں پاک فوج کے جوانوں نے دہشت گردی کے آگے اپنے سینے تان دیئے اور اہل پاکستان کی حفاظت کے لئے اپنی جانون کے نذرانے پیش کرکے ثابت کردیا کہ اپنی فوج سے محبت کرنے والی عوام کو خبر ہو کہ جتنی محبت تم لوگ اپنی فوج سے کرتے ہو اس سے کہیں زیادہ محبت پاک فوج پاکستان کے عوام سے کرتی ہے۔ آج کل دہشت گردوں کے خلاف جاری آپریشن ضربِ عضب میں پاک فوج کے جوان اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر رہے ہیں اور ملک میں امن و سلامتی کے لئے اپنے سینوں پر دہشت گردوں کی گولیوں کی بوچھاڑ کے آگے ایک سیسہ پلائی دیوار بن چکے ہیں۔ آج دہشت گرد پاک فوج کے شیر دل جوانوں کے خوف سے جائے پناہ ڈھونڈھ رہے ہیں۔ مگر انہیں چھپنے کی جگہ نہیں مل رہی ہے۔

چند روز پہلے ۱۴ اگست کے موقعہ پر پاکستانی قوم نے جس جوش وجذبہ کے ساتھ جشنِ آزادی کا دن منایا، اس کی وجہ ہماری بہادر افوج اور آرمی چیف جنرل راحیل شریف کی وہ اقدامات ہی تو ہیں جس نے ہر میدان میں کامیابی کے جھنڈے گاڑے اور پاکستان کی ترقی و خوشحالی میں رکاوٹ بننے والے ہر " سپیڈ بریکرز " کو کامیابی سے توڑتے ہوئے قوم میں نئے سرے سے جینے کی امنگ، امید اور خوشی کی جوت جگادی ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ ہمارے نادان، کم فہم اور ہوسِ زر کے پجاری سیاستدان وقفے وقفے سے دنیا کے بہترین فوج "پاک فوج

کے خلاف کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑ کر زہر افشانی کرتے رہتے ہیں جس سے یہ محسوس ''
ہوتا ہے کہ گویا وہ دشمنوں کی زبان بول رہے ہیں اور وہ دشمنوں کے مقاصد کی تکمیل
میں معاون و مددگار ہیں۔یقیناً یہ طرزِ عمل نہایت قابلِ مذمت ہے۔

لہٰذا میری ان تمام نام نہاد قیادت سے گزارش ہے کہ خدارا، عقل کے ناخن لیجئے، اپنی
آنکھیں کھول لیجئے۔جس فوج کو دنیا کے عسکری ماہرین و تجزیہ کار دنیا کی بہترین فوج
قرار دے رہے ہیں، آپ اس کو برا بھلا نہ کہئیے بلکہ اس پر فخر کیجئے کیونکہ یہی پاک
فوج پاکستان کی سلامتی و خوشحالی کی ضامن ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

ایک اچھی خبر۔ گلے میں رّسی

وطنِ عزیز میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جن کی یہ دِلّی آرزو ہے کہ جن لوگوں نے اس ملک کو لوٹا ہے، جنھوں نے کرپشن کرکے اس ملک کی جڑیں کھوکھلی کی ہیں ، انہیں پکڑ کر ،اگر سمندر میں نہیں ، تو جیل میں ضرور ڈالنا چاہیئے۔ ایسی کوئی خبر، اگر کسی بڑی مچھلی کی پکڑنے اور گرفتار کرنے کی پڑھنے کو مل جائے تو لامحالہ دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ آج تمام قومی اخبارات میں سابق صدر آصف علی زردای کے دستِ راست، سابق وزیر اور موجودہ چیئرمین سندھ ہائر ایجوکیشن ، ڈاکٹر عاصم کی گرفتاری کی خبر نمایاں سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ سیکیوریٹی اہلکاروں نے سوئی سدرن گیس کمپنی کے ڈپٹی ایم ڈی شعیب وارثی کے گلے میں بھی رسی ڈال کر گرفتار کر لیا ہے۔

منگل کے روز بری فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف نے ایک بڑی زبردست، عوام کے دلوں کو موہ لینے والی ایک واضح ہدائت جاری کی، کہ کراچی میں پائیدار امن کے قیام کے لئے دہشت گردی اور کرپشن کے گھناوئنے گٹھ جوڑ کو توڑ دیا جائے۔ ساتھ ہی انہوں نے کراچی میں قائم فوجی عدالتوں کی تعداد میں اضافے کی منظوری بھی دے دی تاکہ دہشت گردی کے مقدمات کو نمٹانے میں تاخیر نہ ہو۔ آرمی

چیف نے نے کہا کہ کہ ملک کے مختلف حصوں میں دہشت گردوں اور ملک دشمن عناصر سے بلا تفریق نمٹا جائے گا آپریشن کے دوران سامنے آنے والے بعض اشاروں کے بعد آرمی چیف کی دہشت گردی، تشدد اور کرپشن کا گٹھ جوڑ توڑنے کی ہدائت یہ واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ شدت پسندی اور کرپشن کے درمیان ایک خاص تعلق بھی موجود ہے اور کرپٹ مافیا کی ناجائز ذاتی منفعت کے حصول کے لئے کی جانے والی بد عنوانیاں اگرچہ بذاتِ خود ملک کے کے لئے لمحہ فکریہ ہیں تاہم کرپٹ مافیا اس سے آگے بڑھ کر دہشت گرد مافیا کی سہولت کار بھی ہے۔

بوقتِ تحریر ہذا ایک اور اچھی خبر بھی آئی کہ ٹڈاپ کرپشن کیس میں سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی اور امین فہیم کے ناقابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے گئے ہیں ڈاکٹر عاصم کو 90 روزہ ریمانڈ پر رینجرز کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ بڑی مچھلیوں کی گرفتاریاں اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ چوروں کے گروہ کے گرد گھیرا تنگ کیا جارہا ہے، ان کے گلے میں رسی ڈالی جارہی ہے۔ امید ہے کہ اسی طرح کے دوسرے کرپٹ لوگ' خواہ ان کا تعلق کسی بھی سیاسی جماعت یا تنظیم سے ہو، ان کو بھی انصاف کے کٹھرے میں لایا جائے گا۔

ان چوروں، لٹیروں اور بد دیانت لوگوں کی وجہ سے پاکستانی عوام کے دلوں میں مایوسی جنم لے چکی تھی۔ کراچی شہر، شہرِ مقتل بن چکا تھا۔

شہر قائد لاقانونیت کا ایک ایسا مہیب جنگل بن گیا تھا، جس میں شہریوں کا جینا حرام ہو گیا تھا۔ایسی بربریت ، کہ خود سیاسی سٹیک ہولڈرز مسائل امصائب کے خودساختہ گرداب میں الجھ گئے تھے۔ لامحدود تشدد کی ایسی اندوہناک لہراس شہر کی پوری تاریخ میں کبھی نہ دیکھی تھی مگراب شکر ہے اللہ تعالیٰ کا، کہ عسکری قیادت ن نہایت جرأت مندی سے حالات کارخ بدل دیا ہے۔اب کراچی میں امن، بے خوفی اور آزادانہ زندگی کے کچھ آثار نمایاں ہونا شروع ہو گئے ہیں اور شہر کی کاروباری رونقیں پھر سے لوٹ آئی ہیں ۔مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دہشت گرد پورے ملک میں پھیل چکے ہیں جن کی پشت پناہی کرپٹ مافیا کر رہی ہے ۔لیکن یہ بات باعِث اطمینان ہے کہ ان چھپے دہشت گردوں کو بھی تلاش کیا جارہاہے اور سینکڑوں مجرم پکڑے جاچکے ہیں ۔تفتیش کے دوران یہ بات بھی کھل کر سامنے آئی ہے کہ ان مجرموں یا دہشت گردوں کے پیچھے کرپٹ مافیا اور ملکی خزانہ لوٹنے والوں کا ہاتھ ہوتا ہے ۔ہم سمجھتے ہیں کہ جن لوگوں نے دورانِ اقتدار اپنے اختیارات کو ناجائز استعمال کرتے ہوئے ملکی خزانے کو لوٹا ہے یا نقصان پہنچایا ہے، وہ کسی بھی قسم کے رعایت کے مستحق نہیں، کیونکہ انہوں نے وطنِ عزیز کو عدم استحکام سے دوچار کیا ہے ۔بایں سبب جب کسی بھی بڑی مچھلی کی گرفتاری کی خبر الیکٹرانک یا پرنٹ میڈیا پر آتی ہے تو عوام کے لئے ایسی خبر ایک بڑی خوشخبری کی مانند ہوتی ہے۔ایسے اقدامات عوام

کے دلوں میں امید کی ایک ایسی کرن پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں، جو ایک روشن پاکستان کی تعمیر وترقی کی بنیاد بن سکتے ہیں۔ ملک میں امن واستحکام کے لئے ضربِ عضب ہو، یا ملکی خزانہ لوٹنے والوں کے گرد شکنجہ کسنے کا اقدام، عوام تہہِ دل سے ان اقدامات کو سراہتے ہیں۔ لہٰذا عسکری قیادت اور وزیرِ اعظم نواز شریف سے ہماری یہی گزارش ہے کہ قدم بڑھایئے، گلے میں رسّی ڈالنے اور پھر اسے اپنے انجام تک پہنچانے کا کام بلا جھجک اور بغیر کسی مصلحت جاری رکھیئے کیونکہ اسی میں ایک خوشحال پاکستان کا راز پوشیدہ ہے۔۔۔۔

خاندانی سیاست

ایسی بات نہیں کہ پاکستان میں خاندانی سیاست کا رواج نہ ہو، پاکستان کی تاریخ
موروثی سیاست کے سیاہ باب
سے خالی الدامن نہیں ، مگر خیبر پختونخوا میں منعقد ہونے والے حالیہ بلدیاتی انتخابات کے نتیجہ میں گزشتہ دنوں ضلعی اور تحصیل کی سطح پر جب ناظمین اور نائب ناظمین کا انتخاب ہوا، تو بعض حلقوں میں ہونے والے انتخاب پر عوام کی طرف سے پی ٹی آئی پر سخت اعتراضات سامنے آئے۔ کیوں ؟ اس کا مختصر سا جائزہ لیں گے مگر پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ وطنِ عزیز میں موروثی سیاست کہاں اور کس حد تک در آئی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستان کی سیاسی تاریخ موروثی سیاست کی لمبی چوڑی فہرستوں سے بھری پڑی ہے۔ صرف پاکستان پیپلز پارٹی کی طرف نظر دوڑائیں تو ہمیں ذوالفقار علی بھٹو، نصرت بھٹو، ممتاز بھٹو، بے نظیر بھٹو، مرتضی بھٹو، غنوای بھٹو، اور بلاول بھٹو جیسے نام دکھائی دیتے ہیں ..پاکستان مسلم لیگ (ن) کی طرف دیکھیں تو میاں نواز شریف، شہباز شریف، اسحاق ڈار، حمزہ شریف، مریم نواز، کیپٹن (ر) صفدر عابد شیر علی سمیت شریف فیملی کے بہت سارے لوگ اسمبلیوں میں نظر آتے ہیں۔

زرداری فیمیلی میں حاکم علی زرداری، آصف علی زرداری، فریال تالپور اور منور تالپور اور اب بلاول زرداری کے نام نمایاں ہیں۔ مسلم لیگ قاف کی طرف دیکھیں تو چوہدری شجاعت حسین، چوہدری ظہور الہی، پرویز الہی، شفاعت حسین، وجاہت حسین، ریاض اصغر اور مونس الہی انتخابی معرکوں میں دکھائی دیتے ہیں ۔ عسکری گھرانوں پر نظر ڈالیں تو ایوب خان (مرحوم) گوہر ایوب، اور عمر ایوب خان کے نام نظر آتے ہیں۔ ضیا الحق کے بعد ان کے صاحب زادے اعجاز الحق اور انوار الحق میدان میں دکھائی دے رہے ہیں۔؛

خیبر پختونخواہ میں عوامی نیشنل پارٹی میں باچا خان کے بعد ولی خان، بیگم نسیم ولی خان، اسفندیار ولی خان اور امیر حیدر خان کی اجارہ داری رہی، جے یو آئی میں مولانا مفتی محمود کے بعد مولانا فضل الرحمٰن، ان کے بھائی مولانا عطا الرحمٰن، لطف الرحمٰن، عبید الرحمٰن اور ان کے سمدھی غلام علی موجود ہیں اسی طرح قومی وطن پارٹی میں آفتاب شیرپاؤ اور ان کے بیٹے سکندر حیات شیرپاؤ نظر آ رہے ہیں۔ الغرض پاکستانی سیاست میں متزکرہ خاندانوں کے علاوہ بھی کئی دوسرے خاندانوں کے نرغے میں رہی ہے۔ خواتین کی نشتیں بھی عام طور پر انہی بڑے خاندانوں کی خواتین کے حصے میں ہی آتی رہی ہیں۔۔۔

یہ تھی پاکستان میں موروثی سیاست کی ایک مختصر جھلک، جس سے یہ واضح ہوتا ہے

کہ پاکستان میں موروثی سیاست بہت نمایاں ہے،اس کے باوجود ضلعی اور تحصیل سطح پر ہونے والے بلدیاتی انتخابات میں جب پی ٹی آئی میں خاندانی سیاست گھس آئی تو خود پی ٹی آئی کے کارکنوں کو سخت مایوسی اور دل شکنی کا سامنا کرناپڑا۔جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تحریکِ انصاف کے کارکنان اور عوام دونوں تحریکِ انصاف سے خاندانی سیاست کی توقع نہیں رکھتے تھے کیونکہ تحریکِ انصاف تبدیلی کی دعویدار ہے اگر وہ بھی دوسرے سیاسی پارٹیوں کی طرح خاندانی سیاست پر عمل پیرا ہوتی ہے تویقینا پھر تبدیلی کا نعرہ ایک ڈھونگ ثابت ہوگا۔ خیبر پختونخواکے وزیرِ اعلیٰ پرویز خٹک کے بھائی نوشہرہ لیاقت خٹک نوشہرہ کے ناظم منتخب ہوئے، ڈی آئی خان سے وزیرِ مال علی امین گنڈاپور کے بھائی عمر امین گنڈاپور تحصیل ناظم بن گئے۔ تحریکِ انصاف کے رکن قومی اسمبلی داور خان کنڈی کے بھائی مصطفیٰ کنڈی بھی نوازے گئے۔ وزیرِ قانون امتیاز قریشی کے بھائی اشفاق قریشی کوہاٹ سے تحصیل ناظم بن گئے۔پی ٹی آئی کے ممبرانِ صوبائی اسمبلی بھی اپنا اپنا حصہ لینے میں پیش پیش رہے۔

احتشام اکبر کے چچا جہانزیب اکبر پہاڑپور کے تحصیل ناظم بن گئے، کرک سے ایم پی اے گل صاحب خان کے بھائی عمر دراز ضلعی ناظم منتخب کر دیئے گئے۔ ڈی آئی خان کے ضلعی ناظم عزیزاللہ بھی پی ٹی آئی کے ایم پی اے سمیع اللہ کے بھتیجے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ تحریکِ انصاف اور عوام نے بلدیاتی انتخابات میں تحریکِ

انصاف کے ٹکٹ پر منتخب نمائندوں کی اس طرح خاندانی اجارہ داری کو بالکل پسند نہیں کیا، بہت سارے اعتراضات سامنے آئے، خود تحریکِ انصاف کے چئیرمین عمران خان کی طرف سے اس پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے۔

ہمارے نزدیک پاکستانی سیاست میں اس طرح کی موروثی سیاست جمہوریت کے لئے نقصان دہ ہے۔اس طرح ایک دوسرے کی نااہلی، کرپشن اور دیگر عیوب کو چھپانا آسان ہو جاتا ہے۔لوگ ملک و قوم کی بجائے افراد کے مفادات کے لئے سرگرم ہو جاتے ہیں پاکستان میں تحریکِ انصاف، جماعتِ اسلامی اور متحدہ قومی مومنٹ تین ایسی سیاسی پارٹیاں ہیں، جن سے عوام خاندانی سیاست نہ کرنے کے توقع رکھتی ہے، اب ان میں سے جو بھی پارٹی عوامی توقعات کے برعکس خاندانی سیاست میں ملوث ہو گی، آنے والے انتخابات میں اس پر بڑا منفی اثر پڑے گا۔ عوام کو بھی چاہیئے کہ الیکشن کے دوران ووٹ ڈالتے وقت خاندانی سیاست کو فروغ دینے کی حوصلہ شکنی کریں۔--------------------------

حکمرانوں کی بے حسی

پاکستانی اخبارات بظاہر تو کاغذ اور سیاہ لفظوں کا مجموعہ ہوتے ہیں لیکن درحقیقت ان اخبارات میں بے بسی و بے چارگی، شرم و بھرم، عزت و عصمت اور مجبوری و غربت کا خون بہتا نظر آتا ہے۔آج (14اکتوبر) کے اخبارات میرے سامنے پڑے ہیں، ان کی سرخیاں اور شہ سرخیاں کیسے کیسے دردناک خبروں سے مزین ہیں، صرف چند ایک خبریں ملاحظہ فرمائیں، تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ذرہ ملاحظہ فرمایئے۔ "مظفر گڑھ میں پولیس زیادتی کا شکار لڑکی تھانہ کے باہر جل مری۔۔۔۔۔ملتان میں پٹوار گردی کے ستائے نوجوان نے خود سوزی کر لی"....کراچی میں پہاڑی تودہ جھگیوں پر گر گیا، 13 افراد جان بحق۔""...سندھ میں داعش کا نیٹ ورک موجود، 53دہشت گردوں کی فہرست تیار"...اس کے علاوہ قتل و غارت کی خبریں الگ" یوں محسوس ہوتا ہے کہ وطنِ عزیز میں جنگل کا قانون نافذ ہے، جسکا جہاں بس چلتا ہے، کر گزرتا ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں۔جب کسی ملک کے شہری اپنے ہی ملک میں بے آسرا و بے اماں ہو جائیں، ان کی زندگی کی حفاظت کرنے والے ان کے زندگیوں سے کھیلنے لگیں، عوام بے بس ہو جائیں تو پھر باقی کیا رہ جاتا ہے؟ پولیس جس کا کام عوام کی حفاظت اور قانون کی بالادستی ہے، اگر وہی عوام کو خود سوزی پر مجبور اور قانون شکنی کی مرتکب ہوتی ہے اور

حکمران ایسی خبروں پر ٹس سے مس نہیں ہوتے تو یہ ظلم کی انتہا ہے اور جب ظلم اپنی انتہا کو پہنچتا ہے تو پھر قدرت کا قانون خود بخود حرکت میں آتا ہے۔ پنجاب میں پولیس کی کار ستانیاں ، تشدد اور ظلم و بربریت کی خبریں اب روز کا معمول بن چکی ہیں ۔ وہاں تھانوں میں جو کچھ ہوتا ہے ،اسے دیکھ کر انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

مظفر گڑھ میں ایک جوان لڑکی کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس نے مایوس ہو کر تھانے کے سامنے اپنے آپ کو آگ لگا کر جس طرح اپنے آپ کو جلا یا، وہ پنجاب کے حکمرانوں کی حاکمیّت پر ایک بد نما داغ ہے۔ پنجاب پاکستان کا جتنا بڑا صوبہ ہے، اتنے ہی بڑے بڑے بڑے ظلم و تشدد کے واقعات تھانوں میں روز رونما ہوتے ہیں۔ مگر حکمرانوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ پنجاب کے وزیرِ اعلیٰ جناب شہباز شریف سستی شہرت حاصل کرنے غمزدہ خاندان کے پاس جا کر ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے بلند بانگ دعوے بھی کر لیتے ہیں مگر نتیجہ وہی ڈاک کے دو پات ہی رہتا ہے۔ انصاف کسی غریب کو نہیں ملتا۔ پچھلے سال آمنہ نامی لڑکی کے ساتھ پولیس نے زیادتی کی تھی وہ انصاف کے لئے جھولی پھیلا کر فریاد کرتی رہی، جب وہ انصاف مانگ مانگ کر تھک گئی تو بالآخر اپنے آپ کو آگ لگا کر اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔ شہباز شریف نے جا کر غمزدہ خاندان کو انصاف دلانے کی یقین دہانی کرائی۔ واقعہ میں ملوث چند پولیس افسران کو

معطل بھی کیا گیا، مگر کچھ عرصہ بعد تمام ملزمان با عزت بری کر دیئے گئے اور اس وقت وہ اچھے اچھے پوسٹوں پر براجماں ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے واقعات بار بار رونما ہوتے ہیں کہ بااختیار لوگوں کو اپنی بریت اور جان خلاصی کا یقین ہوتا ہے۔انصاف نہیں ہو پاتا جس کی وجہ سے اس قسم کے واقعات بار بار دہرئے جاتے ہیں۔۔

یہاں پولیس کا ذکر کرتے ہوئے میں صوبہ خیبر پختونخوا کی پولیس کو خراج تحسین پیش کر نا چاہوں گا، جس کی کارکردگی پنجاب پولیس کی نسبت کافی بہتر ہے۔صوبہ خیبر پختونخوا کے وزیر اعلیٰ پرویز خٹک نے اگرایک طرف پولیس کو فری ہینڈ دیا ہے اور اسے سیاسی اثر ورسوخ سے پاک کیا ہے تو پولیس کے انسپکٹر جنرل ناصر خان درّانی نے بھی یہ ثابت کیا ہے کہ وہ پولیس کا قبلہ درست کرنے میں کافی حدتک کامیاب ہو چکے ہیں۔مگر ایسا بھی نہیں ہے کہ جس پر مکمل اطمینان کیا جاسکے۔صوبے کے دارالخلافہ پشاور سے دور علاقوں میں اب بھی تھانوں میں بے انصافی کے واقعات کافی حدتک موجود ہیں۔۔

حکمرانوں کو چاہئیے کہ وہ اس قسم کے واقعات کو روکنے کے لئے موثر قانون سازی کرے، غریب طبقہ کے ساتھ ہونے والے مظالم کو راستہ روکے، ورنہ اللہ کے ہاں دیر ہے، اندھیر نہیں۔ان بے گناہوں کا خون کسی بھی وقت رنگ لا سکتا

ہے، اتنی زیادہ بے حسی ان کے زوال اور رسوائی کا باعث بن سکتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔